اردو کی پہلی کتاب

مولانا محمد حسین آزاد
کی درسی کتابوں کا سلسلہ

حصہ
اول تا چہارم

ڈاکٹر اسلم فرخی نے
ترقی اردو بورڈ کراچی
کے لئے مرتب کیا

اُردو کی پہلی کتاب

مولانا محمد حسین آزاد کی درسی کتابوں کا سلسلہ

حصہ اول تا چہارم

ڈاکٹر اسلم فرخی

نے

ترقی اُردو بورڈ، کراچی

کے لئے مرتب کیا

تعداد: دو ہزار

ناشر: ترقیٔ اردو بورڈ
اردو منزل جمشید روڈ، کراچی ۵

مطبع: فیروز سنز، کراچی

جون ۱۹۶۳ء

اردو کی پہلی کتاب

حصۂ اول تا چہارم

اس کتاب کے چار حصے ہیں، جو علی الترتیب مولانا آزاد کی حسب ذیل کتابوں پر مشتمل ہیں اور پہلی بار یکجا شائع کئے جا رہے ہیں:

حصۂ اول	اردو کی پہلی کتاب
حصۂ دوم	اردو کی دوسری کتاب
حصۂ سوم	اردو کی تیسری کتاب
حصۂ چہارم	اردو کی چوتھی کتاب

پورے سلسلے کا نام "اردو کی پہلی کتاب"، رکھا گیا ہے، جس میں سہولت کے علاوہ یہ مناسبت بھی ہے کہ یہ اردو کی ابتدائی درسی کتابوں کا پہلا سلسلہ ہے۔

پیش لفظ

اردو کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتاب محمد حسین آزاد کی اہم ترین تصانیف میں سے ہیں۔ اگرچہ میں نے ذاتی طور پر اس بات کی تحقیق نہیں کی لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ یہ اردو زبان کی سب سے پہلی درسی کتابیں ہیں جو ابتدائی مدارس کے لئے لکھی گئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو 'اردو کی پہلی کتاب' کو اردو کی پہلی درسی کتاب کہنا صحیح ہوگا۔

آزاد سا صاحب طرز انشا پرداز نہ ہر زبان کو میسر ہوتا ہے، نہ ہر ملک کو۔ یہ اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ اسے ایسا اہل قلم ملا۔ اس باکمال کے کمال کا کیا کہنا۔ تاریخ ہو کہ افسانہ، فلسفہ ہو کہ ادب، علمی مقالات ہوں کہ نجی مکتوبات، انداز تحریر کا ہر جگہ یہ عالم ہے جیسے یہ انداز خاص طور پر اسی موضوع کے لئے تخلیق ہوا تھا۔ فصاحت اور بلاغت کے تقاضے تاریخ نویسی کے لئے اور ہیں اور ادبی تذکرہ نگاری کے لئے کچھ اور، لسانی تحقیق کے لئے کچھ اور ہیں، اور بچوں کی درسی کتابوں کے لئے کچھ اور۔ یہ آزاد کی فنی عظمت کی دلیل ہے کہ اس نے ان مختلف النوع تقاضوں کو اپنے انداز کی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے ہر جگہ کمال خوبی سے پورا کیا ہے۔ اس جادو نگار کے قلم میں وہ جادو ہے، کہ اس کی ایک جنبش سے حقیقت افسانہ بن جاتی ہے، اور افسانہ حقیقت۔ اب آپ لاکھ کہیں کہ یہ واقعہ یوں نہیں یوں ہے۔ دل وہی مانے گا، جو آزاد

نے کہا ۔ محقق جو چاہے جتن کرے، آزاد کا لکھا مٹ نہیں سکتا ۔

اسی اردو کی پہلی کتاب ہی کو لے لیجئے ۔ ''ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے، باپ حقہ پی رہا ہے''۔ اگر آپ نے بچپن میں یہ پڑھا ہے، تو کیا آپ اسے بھول سکتے ہیں۔ دنیا بدل گئی، معاشرہ کچھ کا کچھ ہوگیا، مگر آج بھی جب پڑھی لکھی مائیں بچوں کو گود میں لینے کی بجائے انہیں اکثر آیاؤں اور پنگوروں کے سپرد کر دیتی ہیں، اور پڑھے لکھے خوشحال باپ حقے سے زیادہ سگرٹ اور پائپ کی طرف مائل نظر آتے ہیں، ہمیں تو یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے، کہ ماں بچے کو گود میں لے کر بیٹھے اور باپ حقہ نوشی کرے۔ یہی حال مولوی صاحب کے گھوڑے کا ہے۔ پروفیسر صاحب جتنا چاہیں اپنی کار میں گھومتے پھرتے نظر آئیں، مولوی صاحب اور اُن کے گھوڑے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پائیں گے۔

سچ تو یہ ہے کہ جب ہم آزاد کو جادو بیان کہتے ہیں، تو اس میں مبالغے کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، وہ واقعی ایک جادو نگار اور معجز بیان اہل قلم ہے۔ بچوں کے لئے اُس نے جو کچھ لکھا، کیا موضوع کے لحاظ سے اور کیا طرز بیان کے اعتبار سے، ایسا تھا کہ جس بچے نے پڑھا، اُس کے ذہن میں تصویر کی طرح نقش ہوگیا ۔ فقرے کے فقرے ازبر ہوگئے، اب چاہو بھی تو یاد سے نہیں اُترتے، کیا اردو زبان اور ادب کی بنیاد اس سے زیادہ مستحکم ہوسکتی ہے؟ آزاد کے بعد بے شمار درسی کتابیں بچوں کے لئے لکھی گئیں، اور ٹیکسٹ

بک کمیٹیوں نے منظور فرمائیں، مگر کیا ایک بھی کتاب ایسی لکھی گئی ہے، جو آزاد کی تصنیف تک پہنچ سکے۔

آزاد کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتاب محض اپنے طرز تحریر اور انداز بیان ھی کے سبب قابل قدر نہیں ھیں، ان میں اس سے بھی زیادہ اھم ان کے موضوعات ھیں، اور وہ قدریں ھیں، جن پر ھمارا معاشرہ قائم تھا، اور جنہیں ھم آج ڈھونڈتے ھیں اور نہیں پاتے۔ ماں باپ کی محبت، بچوں کی سعادت مندی، استاد کی شفقت، شاگردوں کی عقیدت، میاں بیوی کا رشتہ، دوستوں کی دوستی، خدا پر ایمان، اپنے مذھب اور ثقافت سے وابستگی، یہ سب تصورات یہ سب اقدار ان کتابوں میں اس طرح سموئے گئے ھیں کہ وعظ و نصیحت کا گمان بھی نہیں ھوتا، اور وہ دل میں اترتے چلے جاتے ھیں۔

یہی نہیں، ان کتابوں کو غور سے دیکھئے، ان میں مظاھر قدرت، حیوانات اور نباتات کی دنیا کا نقشہ ایسے دلکش انداز میں کھینچا گیا ھے کہ بچوں کے لئے اس میں تفریح کا سامان بھی ھے، اور علمی دلچسپیوں کا ذخیرہ بھی۔ اس کے علاوہ معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی تصویریں اس کمال فن سے پیش کی گئی ھیں کہ انہیں ایک بار دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کی ھوس باقی رھتی ھے۔ "کھانا پک رھا ھے۔" "پسنہاری آٹا پیس رھی ھے۔" "پہلوان کشتی لڑ رھے ھیں۔" "مچھلی والے مچھلیاں پکڑتے ھیں۔" "دریا میں تیراک تیر رھے ھیں۔" غرض کون سی تصویر ھے جسے دیکھو اور بھول سکو۔ یہ دل فریب نقاشی بچوں کے دل میں اپنے ماحول سے دلچسپی پیدا کرنے

کا وسیلہ ، بلکہ یوں کہئے کہ تیر بہدف نسخہ ہے۔ ہماری قومی زندگی، قومی اصلاح ، قومی بہبودی ، سب کا انحصار اسی دلچسپی پر ہے، اگر ہمیں اپنے ماحول سے دلچسپی بلکہ دلبستگی نہیں ہوگی تو ہم اپنے معاشرے کی فلاح اور اصلاح کو اہمیت نہیں دیں گے، اور جیسا کہ ہم آج کل دیکھ رہے ہیں ، ہم میں سے اکثر لوگ یورپ اور امریکہ کی طرف عمر بھر ٹکٹکی لگا کر دیکھتے رہیں گے ، اور اپنے گھر کی خبر تک نہ ہوگی۔

پھر ان کتابوں میں یہ بھی دیکھئے کہ بچوں کے لئے اچھی اور صحت مندانہ ورزشوں اور کھیلوں کی ترغیب جابجا موجود ہے۔ ''آؤ! دریا کی سیر کریں ۔اوہو! کیاچڑھا ہوا ہے۔ تیرا کوں کی بن آئی ہے ، کسی نے مشک پھلائی ہے ، چھاتی تلے دبائی ہے۔ بہاؤ پر چلا جاتا ہے۔،، اور اس کے بعد باتوں ہی باتوں میں یہ نصیحت بھی موجود ہے کہ ''بھائی گھاٹ کے آس پاس تیرنا اچھا ہے اور ایسا تیرا کچھ نہیں کہ پانی کی مچھلی بن جائے۔،، آزاد نے مسلسل یہ کوشش کی ہے کہ بچوں کی جسمانی ، ذہنی اور روحانی صحت کی پرورش کی جائے۔ کھیلوں ہی کو لیجئے ۔ صبح کی سیر ، تیراکی ، پہلوانی اور نیزہ بازی کا ذکر بڑے ذوق شوق سے کیا ہے۔ تاش ، چوسر ، گنجفہ، شطرنج کا کہیں نام بھی نہیں لیا۔

جب سے یہ کتابیں نصاب تعلیم سے خارج ہوئی ہیں ، ابتدائی مدارس میں اردو کی تعلیم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہی ہٹی ہے۔ بقول محمود شیروانی مرحوم ''خدا جانے ہمارے بچے کیوں ان لافانی شاہکاروں کے مطالعے سے محروم کردیئے

گئے ہیں۔،، آج حالت یہ ہے کہ ان کتابوں کا ایک آدھ نسخہ بھی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ کہیں سے مل جائے، تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھئے۔

میری ایک مدت سے آرزو تھی کہ آزاد کے ان شاہکاروں کو دوبارہ شائع کرکے موجودہ نسل کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ پہلے پہل یہ کتابیں میری درخواست پر اردو ٹرسٹ کے اشاعتی پروگرام میں شامل کی گئیں لیکن جب اردو ٹرسٹ مرحوم ہوگیا تو انہیں ترقیٔ اردو بورڈ کے پروگرام میں منتقل کیا گیا۔ اب کسی مرتب کی ضرورت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اسلم فرخی صاحب نے جو آزاد کے ادبی کارنامے کے بارے میں ایک محقق کی حیثیت رکھتے ہیں، اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ ترقیٔ اردو بورڈ ان کی توجہ اور کوشش کا ممنون ہے۔

ان کتابوں میں تیسری کتاب کے متعلق شک تھا کہ یہ آزاد کی تصنیف ہے یا نہیں۔ حسن اتفاق سے اصل مسودے کے چند اجزا جناب آغا باقر کے پاس محفوظ تھے، جن سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اردو کی پہلی، دوسری اور چوتھی کتاب کی طرح تیسری کتاب بھی آزاد ہی کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ اس امر کی شہادت ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم سابق صوبۂ پنجاب کے دفتر میں بھی موجود ہے۔

بہر حال یہ چاروں کتابیں اب آپ کے سامنے ہیں، خوش قسمت تھے کرنل ہالرائڈ اور انگریزی حکومت جنھوں نے یہ کتابیں آزاد سے لکھوائیں اور شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں اپنے لئے ایک جگہ حاصل کرلی۔ اگرچہ آزاد جدید اردو نظم کی تحریک کے بھی بانی ہیں، اور ان کی نظم

کے چند نمونے ان چاروں کتابوں میں بھی موجود ھیں ، مگر واقعہ یہ ھے کہ ان کا اصل میدان نثر تھا، اور نثر کے اعتبار سے یہ کتابیں صرف بچوں کی درسی کتابیں ھی نہیں بلکہ ان کی ادبی حیثیت بھی غیر معمولی طور پر بلند اور پائیدار ھے۔ یہ وہ ادب ھے جو زندگی سے بہت قریب ھے، اور جس سے بچے، جوان اور بوڑھے یکساں لطف اٹھا سکتے ھیں۔ یہ بھی آزاد کے کمال کا ایک پہلو ھے۔ سچ یہ ھے کہ اردو نثر میں وہ یکتا ھیں ، اور ان سا کوئی اور نہ ھوا ھے، نہ ھوگا۔

کراچی ۲- جون ۱۹۶۳ء

ممتاز حسن

مولانا محمد حسین آزاد

آزاد کی درسی کتابیں

"بڑا حصہ عمر گراں بہا کا سررشتۂ تعلیم کی ابتدائی کتابوں کی تصنیف میں صرف ہوا۔ وہ کتابیں نام کو ابتدائی ھیں مگر مجھ سے انہوں نے انتہا سے بڑھ کر محنت لی۔ جاننے والے جانتے ھیں کہ جب تک انسان خود بچہ نہ بن جائے تب تک بچوں کے مناسب حال کتاب نہیں لکھ سکتا۔ پھر انہیں بار بار کاٹنا اور بنانا، لکھنا اور مٹانا، بڈھا ھوکر بچہ بننا پڑا۔ پھرتے، چلتے، جاگتے، سوتے بچوں کے ھی خیالات میں رھا۔ مہینوں نہیں بلکہ برسوں صرف ھوئے جب وہ بچوں کے کھلونے تیار ھوئے۔ خیر۔ میرے پیارے اھل وطن! تمھاری خدمت نہ کی، تمھارے بچوں کی خدمت کی" ....

(محمد حسین آزاد۔ مکتوبات)

"آقائے اردو" آزاد صرف عظیم المرتبت انشا پرداز ھی نہیں اھم تعلیمی مصنف بھی ھیں۔ انہوں نے درسی کتابوں میں ادب اور افادیت کو جس خوبی سے ھم آھنگ کیا ھے وہ ان کے بعد کسی اور سے ممکن نہ ھوا۔ آزاد نے درسی کتابوں کو بے کیفی اور بےرنگی کے دائرے سے نکال کر تخلیق کی صف میں جگہ دی۔ یہ ان کا بہت اھم کارنامہ ھے لیکن

افسوس یہ ہے کہ اب تک ان کی شخصیت کے اس پہلو کا پورا جائزہ نہیں لیا گیا۔

آزاد کو بچپن ہی سے تعلیمات سے دل چسپی تھی اور علم کی ترویج و اشاعت کو وہ اپنی زندگی کا مقصد بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس زمانے کا ایک واقعہ خود انہیں کی زبانی یوں ہے: ''جب دھلی کالج مرحوم زندہ تھا اور میری تحصیل اس کے دامن تربیت میں پرورش پا رھی تھی تو ڈاکٹر مووات صاحب کمشنر مدارس کلکتے سے تشریف لائے۔ جب کالج میں آئے تو میری جماعت کا بھی جزوی سا امتحان لیا اور ہر طالب علم سے پوچھا کہ تم مدرسے سے نکل کر کیا کرو گے۔ ایک ایک نے اپنا خیال بیان کیا۔ اے میرے پیارے اھل وطن! تمھارے آزاد کی زبان سے اس وقت بھی یہی لفظ نکلا کہ تحصیل علم کروں گا اور جو کچھ خیالات ھیں اور ھوں گے انھیں اپنے اھل وطن میں پھیلاؤں گا۔'' بظاھر یہ واقعہ معمولی سا ہے لیکن اس سے آزاد کے رجحان طبع کا اندازہ ھو سکتا ہے۔

آزاد کی تصنیفی زندگی کا آغاز درسی کتابوں ھی سے ھوا تھا۔ ادبی تصانیف کے وجود میں آنے سے پہلے ان کی درسی کتابیں قبول عام کا خلعت حاصل کر چکی تھیں۔ آزاد

یکم فروری ۱۸۶۴ء کو محکمۂ تعلیمات پنجاب میں ۳۵ روپے ماهوار پر اهل مد تنخواہ مقرر ہوئے تھے۔ محکمۂ تعلیم کی ملازمت شروع هی سے ان کا مطمح نظر تھی لیکن ان کا منصب اهل مدیٔ تنخواہ سے بہت بلند تھا۔ اهل مدی کے باوجود وہ اپنے منصب سے غافل نہیں ہوئے اور محکمے سے منسلک ہونے کے چند مہینے بعد یعنی ۱۸ - جون ۱۸۶۴ء کو انھوں نے عربی قواعد کا ایک مسودہ محکمے کے سامنے پیش کیا۔ ۲- جولائی ۱۸۶۴ء کو انھوں نے منطق کی ایک کتاب تالیف کرنے کی اجازت طلب کی۔ محکمے نے آزاد کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیا تھا لیکن ۱۸۶۵ء میں آزاد بخارا اور ترکستان کے سیاسی سفر پر روانہ ہوگئے اور یہ سلسلہ وقتی طور پر ختم ہوگیا۔

۱۸۶۷ء میں آزاد لاهور واپس آئے۔ کچھ عرصے انجمن پنجاب سے وابستہ رہے اور پھر محکمۂ تعلیمات میں درسی کتابوں کی تصنیف و تالیف پر مامور ہوگئے۔ یہ سلسلہ ۲- اگست ۱۸۶۹ء تک جاری رہا۔ اردو کی درسی کتابیں قصص هند اور فارسی کی پہلی دوسری اسی دور کی یادگار ہیں۔ ۲- اگست ۱۸۶۹ء کو آزاد گورنمنٹ کالج لاهور سے وابستہ ہوئے لیکن محکمۂ تعلیم کے ارباب حل و عقد تدریس کے علاوہ درسی کتابوں کی تیاری میں بھی ان سے مدد لیتے رہے۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں محکمے کے حکم پر انھوں نے قواعد فارسی مرتب

کی اور ۱۸۸۴ء میں ''جامع القواعد،، تالیف کی۔

آزاد کی تعلیمی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ہمیں ان کی مندرجۂ ذیل تعلیمی تصانیف کا علم ہے:۔

(۱) اردوکی پہلی کتاب سلسلۂ قدیم (۲) اردو کی دوسری کتاب
(۳) فارسی کی پہلی کتاب (۴) فارسی کی دوسری کتاب
(۵) اردو کی پہلی کتاب (۶) اردو کی دوسری کتاب
(۷) اردو کی تیسری کتاب (۸) اردو کی چوتھی کتاب
(۹) قصص ہند حصہ دوم (۱۰) Translation of the Arabic Entrance Course
(۱۱) جامع القواعد (۱۲) فارسی قواعد
(۱۳) اردو قواعد (۱۴) ترکی قواعد
(۱۵) عربی قواعد (۱۶) قواعد فارسی برائے مڈل اسکول
(۱۷) آئینۂ صحت (۱۸) نصیحت کا کرن پھول
(۱۹) قند پارسی (۲۰) آموزگار پارسی
(۲۱) کائنات عرب (۲۲) تذکرۂ علما
(۲۳) حکایات آزاد (۲۴) شہزادہ ابراہیم کی کہانی
(۲۵) لغت آزاد

اس فہرست سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ آزاد کے دائرۂ مضامین میں زبان ، قواعد ، تاریخ ، جغرافیہ اور حفظان صحت سب ہی کچھ شامل ہے۔ اردو کے کسی دوسرے تعلیمی

مصنف کے یہاں مضامین کا یہ تنوع ذرا مشکل ہی سے ملے گا۔ یوں تو آزاد نے اپنی ہر کتاب پر محنت کی ہےلیکن قصص ہند اور اردو کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتابوں میں ان کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ قصص ہند آزاد کے اسلوب کا نکھار اور ہماری قدیم تہذیب کا وہ حسن ہے جو پوری طرح کاغذ پر منتقل ہوگیا ہے۔ آزاد تہذیب کہن کے عکاس اور طرح نو کے نقیب تھے۔ قصص ہند ان کی شخصیت کا پہلا رخ ہے اور اردو کی کتابیں دوسرا۔

آزاد نے اردو کی کتابوں کے دو سلسلے مرتب کئے تھے، قدیم اور جدید۔ سلسلۂ قدیم پہلی اور دوسری کتاب پر مشتمل تھا۔ اس سلسلے کی کوئی کتاب اب دست یاب نہیں ہوتی۔ سلسلۂ جدید پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتاب پر مشتمل ہے۔ آغا محمد باقر صاحب کے بقول یہ کتابیں ۱۸۶۷ء سے لے کر ۱۸۶۹ء تک کے زمانے میں مرتب ہوئی تھیں۔ آزاد کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ یہ کتابیں اس عہد کے ناظم تعلیمات کرنل ہالرائڈ کے نام سے شائع ہوئیں۔ کرنل ہالرائڈ کے نام کے باوجود ان کتابوں کو آزاد کی تصنیف ماننے میں کبھی شبہ نہیں کیا گیا۔ اس دعوے کی خارجی شہادت "تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور" مؤلفہ پروفیسر گیرٹ کے یہ جملے ہیں۔ "پروفیسر صاحب (آزاد)

کا ایک مضحک پہلو بھی ہے جسے میں نظر انداز نہیں کرسکتا ۔ وہ چغہ پہنا کرتے تھے جس کی ایک آستین خالی رہتی تھی۔ اور ان کے پاس سواری کے لئے ایک گھوڑا بھی تھا لیکن میں نے انھیں کبھی گھوڑے پر سوار نہیں دیکھا ۔ گھوڑا ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے آتا تھا ۔ یہی اردو کی پہلی کتاب میں مولوی صاحب کا گھوڑا تھا،،[1] داخلی شہادت ان کتابوں کے وہ مسودات ہیں جو آغا محمد باقر صاحب کے پاس اب بھی محفوظ ہیں ۔ راقم الحروف نے چاروں کتابوں کے مسودے بخط آزاد خود دیکھے ہیں (ہر کتاب کے بعض اسباق کا عکس اس نسخے میں شامل بھی ہے) بہر حال نام ہالرائڈ کا تھا ، کام آزاد کا ۔

ابتدائی اشاعتوں میں ان کتابوں کے سرورق کے بعد ایک وضاحتی نوٹ تھا جو بعد کی اشاعتوں سے خارج کر دیا گیا ۔ یہ نوٹ ان کتابوں کے نصب العین کو بخوبی ظاہر کرتا ہے چنانچہ اسے یہاں نقل کرنا ضروری ہے ۔

''اردو کی پہلی ، دوسری ، تیسری وغیرہ کتابوں میں دو باتوں کا بڑا خیال رکھا ہے ۔ اول تو عبارت ایسی ہو کہ لڑکے آسانی سے پڑھنے لگیں ، دوسرے ابتدا میں ان چیزوں کا بیان ہو جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں اور بیان

1. History of the Govt: College, Lahore, by Garrett p.32

اس طرح ہو جس کے پڑھنے سے ان چیزوں کے باب میں سوچنے کی عادت پڑے تاکہ جب نئی چیزیں دیکھیں تو آگے غور کرنے کا رستہ دلوں میں پیدا ہو۔ اس طرح آہستہ آہستہ حیوانات، نباتات، معدنیات کا علم حاصل کریں۔ زراعت اور دنیا کے کاروبار کی مفید مفید باتیں معلوم ہوں اور قدرتی ظہور مثلاً صبح، شام، سورج، چاند، ہوا، ابر، مینہ، برف وغیرہ کے حالات روشن ہوں اور لڑکے سمجھنے لگیں کہ موسم کیوں بدلتے رہتے ہیں۔ دن رات کیوں گھٹتے بڑھتے ہیں۔ بادل کیونکر بنتے ہیں۔ مینہ کیوں برستا ہے۔ ہوا کیوں چلتی ہے۔ اس کے علاوہ جو ملک نہیں دیکھے ان کے حالات آسان آسان بیانوں سے بتائے جائیں۔ بیان کا ڈھنگ ایسا رکھا ہے جس سے لڑکوں کو راستی کی طرف توجہ ہو اور نیک اور پاکیزہ باتوں کی محبت دل میں بیٹھے۔

''ان سب کتابوں میں بہت سی تصویریں ہیں کہ آپ اپنے بیان کی حالتیں دکھاتی ہیں۔ یورپ کا بچہ بچہ فقط تصویر کے دیکھنے سے بہت سی باتیں سمجھ جاتا ہے۔ اور جو لوگ سفر نہیں کرتے وہ گھر بیٹھے تصویروں ہی سے ملکوں کی اصل کیفیت معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن اکثر اہل ہند کو تصویر کی باریکیاں سمجھنی ایسی مشکل ہیں جیسے غیر زبان کی کتابیں۔ ایک بیل یا گھوڑے یا کتے کا صاف صاف خاکہ

کھنچا ہو تو فقط اتنا پہچان لیتے ہیں کہ یہ اس جانور کی تصویر ہے لیکن اگر وہ کسی جگہ کی تصویر ہو تو اتنا نہیں بتا سکتے کہ اس میں زمین کہاں ہے۔ پانی کہاں ہے۔ بادل کون سا ہے۔ پہاڑ کون سا ہے۔ کس کس قسم کے درخت ہیں۔ کیا چیز پاس ہے۔ کیا دور ہے۔ جب یہاں بھی یورپ کی طرح بچپن ہی میں تصویروں کا رواج ہوجائے گا تو سب اسی طرح سمجھنے لگیں گے اور اس کا لطف اٹھائیں گے۔

''عبارت صاف اور صحیح پڑھنے کے واسطے ان باتوں کی رعایت رکھی ہے۔ ایک ایک لفظ الگ الگ لکھا ہے۔ اپنے اپنے موقعے پر وقف کی علامتیں دی ہیں۔ املا میں تمیز رکھی ہے۔ لفظوں پر کہیں کہیں اعراب دئے ہیں مگر اعرابوں کے قاعدے ایسے باندھے ہیں کہ جہاں اعراب نہیں لکھے وہاں بھی سمجھ میں آتے ہیں، گویا سارے حرفوں پر اعراب آگئے ہیں۔''

یہ سارا بیان بہت واضح اور اہم ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ آزاد کے ذہن میں تعلیم کا واضح نصب العین موجود تھا۔ ان کی کتابیں اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ آج کے دور میں تعلیم باضابطہ اور سائنٹیفک انداز کی حامل بن چکی ہے لیکن کوئی واضح نصب العین ہمارے سامنے نہیں رہا۔

ہم پرانی قدروں اور قدیم ضابطۂ اخلاق سے کنارہ کشی اختیار کر چکے ہیں۔ نئی قدریں اور نئے ضابطۂ اخلاق پوری طرح تشکیل پا کر ظاہر نہیں ہوئے۔ اس لئے ہماری تعلیم فی الحال خلا میں معلق ہے۔ آزاد کے عہد میں تعلیم کا مقصد بہتر انسان کی تشکیل اور ذہن انسانی کو جلا دینا تھا۔ ہمارے عہد میں تعلیم کا سب سے بڑا مقصد (جملہ مقاصد نہیں) روزی کمانا ہے۔ آزاد کے زوال آمادہ معاشرے میں روحانی قدروں پر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اعتبار کیا جاتا تھا۔ ہمارے ترقی پذیر معاشرے میں نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ زندگی کی کسی قدر پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے ہماری موجودہ درسی کتابوں میں کوئی واضح نصب العین نہیں ملتا۔ اس کمی نے اکثر درسی کتابوں کو خشک اور بے جان بنا دیا ہے۔ ہمارے بیش‌تر تعلیمی مصنف صرف جلب منفعت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ آزاد کے سامنے جلب منفعت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ان کے عہد میں اسے بنیادی حیثیت بھی حاصل نہیں تھی۔ پھر یہ کہ ان کے دل میں ایک امنگ اور لگن تھی۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے انھیں تعلیم کی ترویج و اشاعت کا شوق تھا۔ وہ اسی مقصد کو اپنی زندگی سمجھتے تھے اور جب انھیں درسی کتابوں کی ترتیب کا موقع ملا تو انھوں نے اپنے نصب العین کی وضاحت کے لئے اپنی

پوری شخصیت اور فن کو ان کتابوں میں سمو دیا۔ اردو میں درسی کتابوں کے دو سلسلے بہت مشہور ھیں۔ پہلا سلسلہ آزاد کا ھے دوسرا اسمعیل میرٹھی کا۔ دونوں کی بنیادی خوبی واضح تعلیمی نصب العین ھے۔

تعلیمی نصب العین کے ساتھ ساتھ آزاد کے تعلیمی اور نفسیاتی اصول بھی واضح ھیں۔ انھوں نے اپنے وضاحتی نوٹ میں تین منزلوں، تخیئل، تعقل اور تجربے کی نشان دھی کی ھے۔ ان منزلوں سے گزرنے کے بعد طلبہ کے ذھن میں پختگی پیدا ھوتی ھے۔ آزاد کی کتابوں میں یہ تینوں منزلیں بڑی خوبی سے پیش کی گئی ھیں۔ وہ قریبی ماحول اور اجسام کے تذکروں سے خیال آفرینی کے عمل کی ابتدا کرتے ھیں۔ قریبی ماحول اور اجسام کے یہ تذکرے خشک اور بے کیف نہیں۔ ان میں زندگی کی حرارت بھی ھے اور زندگی کا سنگھار بھی ھے۔ اردو میں قریبی ماحول اور اجسام کو آزاد کے سوا کسی نے بھی اس خوبی سے پیش نہیں کیا۔ یہ تذکرے دل موہ لینے والے انداز اور دل چسپی کی وجہ سے ننھے ننھے ذھنوں میں غور و فکر کی نئی راھیں کھول دیتے ھیں۔ پہلی اور دوسری کتابیں اسی طرح کے نادر اور دل چسپ بیانوں پر مشتمل ھیں۔ ان دونوں کتابوں میں آزاد نے صرف قریبی ماحول کی اشیا سے واسطہ رکھا ھے اور روزمرہ کی جانی

پہچانی چیزوں سے خیال آفرینی کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ انھوں نے روزمرہ کی چیزوں میں نیا حسن اور دل کشی پیدا کی ہے اور ان کے ذریعے سے تخئیل کو بیدار کیا ہے۔

تخئیل سے تعقل کی طرف بڑھنے کا عمل بتدریج شروع ہوتا ہے۔ طلبہ پہلے اپنے جانے پہچانے ماحول اور روزمرہ کی چیزوں کو نئے انداز سے دیکھتے ہیں اور پھر انھیں چیزوں کے ذریعے سے بہت سی نئی باتیں سیکھتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر قریبی اجسام، ان کی صفات اور خواص کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے تجربے کی منزل کا آغاز ہوتا ہے اور اس طرح تخئیل، تعقل اور تجربے کی تینوں منزلیں بہ آسانی طے ہوجاتی ہیں۔ جانوروں، پرندوں، درختوں اور موسموں کے بیان اسی تعقل اور تجربے کی منزل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عمل بتدریج آگے بڑھتا ہے۔ دماغ کی نشو و نما کے ساتھ ترقی کرتا جاتا ہے۔ مشاهدے اور تجربے کی کارفرمائی بڑھتی جاتی ہے۔ تاریخی اور جغرافیائی معلومات اسے اور آگے بڑھاتی ہیں اور صحیح معنوں میں ذہن کو بیدار کر دیتی ہیں۔ آزاد کی ان کتابوں میں ادب اور سائنس کا بڑا خوش گوار امتزاج ملتا ہے۔ سائنس کی بنیاد مشاہدات و تجربات پر ہے۔ آزاد نے مشاہدات و تجربات کو اشیا کی صفات و خواص کے سلسلے میں ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اس وجہ سے یہ کتابیں

ادب اور سائنس دونوں پر حاوی ہیں۔

آزاد کی ان کتابوں میں اخلاقی تلقین بڑے صاف اور واضح انداز میں ملتی ہے۔ ۱۹۶۳ء کی درسی کتابوں میں بھی یہ تلقین موجود ہے لیکن دونوں میں فرق ہے۔ آزاد کی اخلاقی تلقین خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔ آج کی کتابوں میں یہ تلقین محض ضابطے کی خانہ پری ہے۔ معاشرے کا مزاج اس طرح تبدیل ہوگیا ہے کہ آج اخلاقیات کی تلقین محض ایک کھوکھلا نعرہ معلوم ہوتی ہے۔ آزاد کے عہد میں اخلاقیات کی تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے انہوں نے صاف اور واضح طریقہ اختیار کیا ہے۔ آج اس کی حیثیت بنیادی نہیں ثانوی ہے۔ اس وجہ سے موجودہ دور کی درسی کتابوں میں اخلاقی تلقین کو نمایاں حیثیت حاصل نہیں ہے۔

ان کتابوں کی ابتدائی اشاعتوں میں نظم کا حصہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ بظاہر تو یہی ہوسکتی ہے کہ ان میں سائینس کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ نظموں کا ہونا نہ ہونا اس حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتا لیکن بعد کی اشاعتوں میں حصۂ نظم کا اضافہ کردیا گیا۔ اب یہ بتانا مشکل ہے کہ اضافہ کب ہوا۔ البتہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ حصۂ نظم بھی آزاد ہی کے قلم کا مرہون منت ہے۔ اس

دعوے کا ثبوت پہلی کتاب کی نظم 'ہمدردی' کا وہ عکس ہے جو اس نسخے کی زینت ہے۔ آزاد کے اس مسودے کی روشنی میں حصہ نظم کو کسی اور سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

اگرچہ موجودہ نسخے کا متن قدیم ترین اشاعتوں پر مبنی ہے لیکن نظم کا حصہ جدید اشاعتوں سے لے کر یہاں شامل کر لیا گیا ہے۔ چوتھی کتاب کا کوئی جدید ایڈیشن دست یاب نہ ہونے کی وجہ سے اس میں حصۂ نظم کا اضافہ نہیں کیا جاسکا۔

آزاد کی نثر کے مقابلے میں ان کی نظم پھیکی اور بے کیف ہے۔ ان کی نظمین بچوں کے تخیل میں گدگدی نہیں کرتیں بلکہ بے کیفی اور بیرنگی کا مرقع بن کر سامنے آتی ہیں۔

آزاد کی کتابوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا رچا ہوا اسلوب اور سلیس انداز ہے۔ وہ آزاد جن کی نثر سر تا پا شعر کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہے یہاں بالکل نئے انداز سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہاں ان کے انداز میں وضاحت، سادگی اور تحلیل ہے۔ آزاد کی رنگینی میں بھی حسن ہے اور ان کی سادگی میں بھی ایک آن ہے۔ لیکن رنگینی کا حسن مصنوعی ہے اور اس سادگی کی آن میں فطرت کی معصومیت جھلکتی ہے۔ پہلی کتاب کی لفظی تصویریں اردو میں اب تک عدیم المثال

ھیں - آزاد نے موضوع سے ہم آھنگ ھوکر جو تصویریں مرتب کی ھیں ان کی سادگی اور دل آویزی پر ھزاروں رنگینیاں قربان کی جا سکتی ھیں -

اگرچه ان کتابوں میں آزاد نے تشبیه و استعاره سے کناره کشی اختیار کی ھے تاھم ان کی شخصیت یہاں بھی اپنی پوری جھلک دکھا رھی ھے۔ تخئیل کی کرشمه سازی اور اپنانے کا جذبه دونوں پوری طرح نمایاں ھیں - آزاد اپنے اسلوب کے زور سے قاری کی تخئیل کو اپنا ھم نوا بنا لیتے ھیں اور وقتی طور پر ذھن کو پس پشت ڈال دیتے ھیں - یه کیفیت یہاں بھی موجود ھے - یہاں بھی وه اپنے رچے ھوئے اسلوب کے زور اور براه راست تصویر کشی کے سحر سے طلبه کی تخئیل کو اپنی مٹھی میں لے لیتے ھیں - یہاں بھی ان کی نثر میں موسیقیت اور توازن ھے لیکن یہاں وه تخئیل کی بے اعتدالی کا شکار نہیں ھونے پائے - موضوعات کا محدود دائره انھیں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے آپ سے علیحده نہیں ھونے دیتا -

آزاد نے چھوٹے چھوٹے جملوں اور آسان زبان میں بانکپن پیدا کیا ھے - کہیں کہیں انھوں نے قافیه پیمائی سے بھی کام لیا ھے - مثلاً ”کشتی صاف ھوئی اور کچھ جھگڑا نه رھا تو لوگ تالیاں بجائیں گے، واه واه کا شور مچائیں گے-

جو میاں پچھاڑیں گے وہ پھولے نہ سمائیں گے ۔ جو پچھڑیں گے وہ شرم کے مارے سر نہ اٹھائیں گے۔،، ''دم ٹوٹ جائے تو غوطے کھائے ، بھنور میں آجائے تو ڈوب جائے۔،، ''ادھر دین لڑ رہا تھا ادھر دھرم مقابلے پر اڑ رہا تھا۔،، لیکن اس قافیہ پیمائی میں تکلف اور آورد کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ بے ساختگی اور برجستگی نمایاں ہے ۔ یہ بے ساختگی اور برجستگی تخئیل کو فورا اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اور یہ احساس نہیں ھوتا کہ انشا پرداز نے اس برجستگی کو بڑی کاوش سے وجود بخشا ہے ۔ یہ بے ساختگی اور برجستگی قدرتی اور فطری نہیں، بڑے غور و فکر اور ریاضت کا نتیجہ ہے ۔ لیکن آزاد کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اسے 'فطری، بنا دیا ہے ۔ یہ قافیہ پیمائی کہیں کہیں ملتی ہے ورنہ عام طور پر آزاد نے سادگی کا جادو جگایا ہے ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہاں اکثر وہ بذات خود بچہ بن کر سامنے آئے ھیں ۔ آزاد جو ظہوری، ابوالفضل اور نعمت خان عالی سے پہلو مارتے تھے ان کتابوں میں گھٹنوں کے بل چلنے پر مجبور ہوئے ھیں ۔ اھل نظر جانتے ھیں کہ باکمال انشا پرداز جب گھٹنوں کے بل چلنے پر مجبور ھوتا ہے تو ایجاد کی ٹہنی میں کمال کے وہ پھول کھلاتا ہے جن کی مہک لازوال ھوتی ہے ۔ آزاد کی انفرادیت اور ان کے اسلوب کا بانکپن ان کتابوں میں

ھر جگه نمایاں ھے۔ انھوں نے تشبیه، استعارے اور تلازمے سے گریز کرنے کے باوجود اپنی انفرادیت برقرار رکھی ھے۔ جگه جگه اس قسم کی عبارتیں ملتی ھیں۔ ”خدا جانے رات کتنی اوس پڑی ھوگی، سارے کھیت میں موتی سے شبنم کے قطرے ھی قطرے جھلک رھے ھیں۔ سویرے سویرے جب پھول کھلے ھوتے ھیں، ننھے ننھے، اودے اودے، ان کے چمکتے دمکتے چہرے، ھرے ھرے پتوں میں کیا بہار دیتے ھیں۔ یه درخت نہروں اور کنووں کے پیاسے نہیں۔ شبنم ان کی جان ھے۔ اس کی بدولت پھلتے پھولتے ھیں۔ دن بدن بڑھتے اور مضبوط ھوتے جاتے ھیں۔ اوس راتوں میں برابر پڑتی رھے تو کسانوں کے گھرے ھیں۔“ ”روشنی کے نیچے جہاں زمین آسمان ملے ھوئے معلوم ھوتے ھیں وھاں سے ایک سونے کا تھال ڈلک کرتا ابھرتا چلا آتا ھے۔“ ”ھائے گرمی، جوں جوں دھوپ چڑھتی ھے منه اترتے جاتے ھیں۔ سورج نکلتے ھی کیسی ھوا گرم ھوگئی۔ دھوپ کی چمک آنکھوں سے دیکھی نہیں جاتی۔ کیا کوئی لکھے، کیا پڑھے۔ ھوش ٹھکانے نہیں۔ پسینے بہتے ھیں۔ مکھیاں ستاتی ھیں۔ زمین آسمان تپ رھے ھیں۔ درخت زرد ھیں۔ جانور بچاروں کا دم گھٹتا ھے تو چونچیں کھول دیتے ھیں۔ دھوپ سے بچاؤ کے لئے ٹہنیوں میں گھسے جاتے ھیں۔“ ”وہ ھمت والا

پچیس برس تک ایسی لڑائیوں میں پھنسا رہا جن میں اس کی طاقت اور حریف کے زور میں پاسنگ کی نسبت تھی۔ اس پر بھی کبھی میدانوں میں دھاوے مارتا اور جو سامنے آتا اسے فنا کر دیتا۔ کبھی ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ جا نکلتا۔ کنبے کو پہاڑی اناجوں سے پالتا۔ وہ بھی نہ ہوتا تو جنگل کے پھل پیدوار سے گزارا کرتا۔،،

یہ مثالیں کسی کاوش کے بغیر جمع کی گئی ہیں۔ چاروں کتابیں اسی منفرد اسلوب سے مالا مال ہیں۔ ان کے ایک ایک لفظ سے احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک صاحب طرز انشا پرداز، ایک قادر الکلام ادیب کی تحریر ہے۔ اس تحریر میں جو توازن اور قوت ہے وہ ایک عمر کی محنت اور ریاضت کا نتیجہ ہے۔ ان کتابوں میں آزاد نے رنگینی اور تشبیہ و استعارہ کے بجائے 'بیان واقعی' کو اپنایا ہے۔ اس طرح وہ بچوں کے دل میں گھر بھی کر گئے ہیں اور درسی کتابوں کے صحیح اسلوب کا راستہ بھی دکھا گئے ہیں۔

آزاد کے اسلوب پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وہ ہماری قوت مدرکہ کی تسکین نہیں کرتا۔ اس اعتراض کی صحت میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ آزاد کا اسلوب ذہن کو سوچنے کا موقع نہیں دیتا۔ لیکن ان کتابوں میں آزاد کا اسلوب تخیل سے تعلق رکھنے کے

باوجود قوت مدرکہ کو تشنہ نہیں رہنے دیتا ۔ اگر قوت مدرکہ
تشنہ رہ جاتی تو پھر تعقل کی منزل بھی طے نہ ہوتی ۔
آزاد عام طور پر نثر میں شاعری کرتے ہیں ۔ ان کی نثر میں
وضاحت ، تشریح اور تجزئے کے عناصر عام طور پر نہیں ملتے
کیونکہ ان کا طریقۂ کار مجازات پر مبنی ہے ۔ ان کتابوں میں
انہوں نے وضاحت ، تشریح اور تجزئے سے کام لیا ہے لیکن
یہ تینوں عناصر تخئیل میں ڈوب کر ایک نئے حسن کے حامل
ہوگئے ہیں ۔ ان میں بداہت اور قوت کے ساتھ ایک خاص طرح
کا رچاؤ بھی ملتا ہے ۔ اردو میں بہت سی درسی کتابیں تالیف
ہوئی ہیں لیکن ان میں سے بیش تر معلومات کے ذخیروں سے زیادہ
حیثیت نہیں رکھتیں ۔ ان کا اسلوب یکسر خشک اور بے کیف
ہوتا ہے ۔ اسلوب کا وہ رچاؤ جو آزاد کی کتابوں کی خصوصیت
ہے اسمعیل میرٹھی کی کتابوں میں بھی موجود نہیں ۔
یہ صحیح ہے کہ اسمعیل کی کتابوں میں نظم کا حصہ بڑا
جان دار ہے ۔ لیکن نثر میں آزاد کا پلہ بھاری ہے ۔ بچوں کی
دل چسپی قائم رکھنے اور تخئیل کو بیدار کرنے کے لئے
انہیں کی زبان میں باتیں کرنا پڑتی ہیں ۔ آزاد نے یہی کوشش
کی ہے لیکن اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے ۔ سچی بات
تو یہ ہے کہ اسلوب کی دل آویزی میں اردو کی کوئی درسی
کتاب اب تک آزاد کی کتابوں کی حریف نہیں ہوسکی ۔

درسی کتابوں کے سلسلے میں مقامی ضروریات کی کفالت کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی درسی کتاب اپنے ماحول، مقام اور علاقے سے پوری پوری مطابقت نہیں رکھتی تو اس کا افادی پہلو بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ کتابیں مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں جو بر صغیر کے انگریزی اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بیش‌تر کتابیں انگلستان کے ماحول کی عکاسی کرتی ہیں اور وہاں کی ضروریات کے پیش نظر معرض وجود میں آتی ہیں۔ ہمارے نو عمر طلبہ ان کتابوں کے ماحول اور اپنی روزانہ زندگی میں نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں۔ یہ فرق آہستہ آہستہ ایک ذہنی کشمکش کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ دل و دماغ مسموم ہو جاتے ہیں اور نتیجہ 'ٹیڈی ازم، کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ آزاد کی کتابوں میں مقامی ضروریات کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ یہ کتابیں اس دور میں بھی مقامی ضروریات کی کفالت کرتی ہیں اور آج بھی ان کی افادیت کا یہ پہلو برقرار ہے۔ پہلی کتاب کے بعض مناظر اپنی افادیت کھو چکے ہیں لیکن ان کی شگفتگی میں کوئی شبہ نہیں۔ بعد میں محکمۂ تعلیمات نے تصرف کرکے انہیں زمانۂ حال سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں کسی قدر کامیابی بھی ہوئی ہے۔ دوسری کتاب سے قریبی اجسام کا

سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔

درسی کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی تدریس میں کم سے کم نگرانی کی ضرورت پیش آئے اور ناتجربے کار اساتذہ بھی پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اسے پڑھا سکیں۔ تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی آج بھی ہے اور آزاد کے عہد میں بھی تھی۔ اس وجہ سے یہ مسئلہ ہر دور میں پریشان کن ثابت ہوا ہے۔ مسئلے کی اس اہمیت کے باوجود ایسی درسی کتابیں خال خال ہی نظر آئیں گی جن میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہو۔ آزاد کی کتابوں میں جانے پہچانے ماحول اور دل چسپی کے عنصر نے اس خوبی کو بہت نمایاں کردیا ہے۔ ان کی تدریس میں کم سے کم نگرانی کی ضرورت پیش آتی ہے اور نا تجربے کار اساتذہ بھی انہیں پورے اعتماد کے ساتھ پڑھا سکتے ہیں۔

معنوی حیثیت سے قطع نظر صوری اعتبار سے بھی یہ کتابیں نئی اور انوکھی تھیں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان کتابوں کی طباعت کے لئے اوقاف و رموز کے سائنٹیفک اصول وضع کئے گئے تھے۔ اردو عبارت کو سائنٹیفک انداز میں لکھنے کا یہ پہلا تجربہ تھا جو اس حد تک کامیاب ہوا کہ آج بھی اس کی پیروی کی جاتی ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آزاد کی کتابیں معنوی اور صوری دونوں اعتبار

سے سائینسی بنیاد رکھتی ھیں - دوسری خصوصیت ان کتابوں کی خوب صورت اور موزوں تصویریں تھیں جنھیں بڑے اہتمام سے بنوایا گیا تھا - راقم الحروف کی نگاہ سے ان کتابوں کے جو قدیم ترین نسخے گزرے ھیں ان کی تصاویر مشہور انگریزی مصنف Rudyard Kipling کے والد John Lockwood Kipling کی بنائی ھوئی تھیں - بچوں کی کتابوں میں تصویروں کو بڑی اھمیت حاصل ھے - آزاد کی کتابیں اردو کی پہلی درسی کتابیں ھیں جن میں تصویروں کی اھمیت کو مدنظر رکھا گیا ھے اور تخئیل کو مہمیز کرنے کے لئے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ھے -

اردو کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتاب اردو درسیات میں اولیت کا شرف رکھتی ھیں - ان کی تاریخی اور افادی حیثیت مسلم ھے - اور اس کے ساتھ ساتھ نادر اور پرکار اسلوب کی وجہ سے اردو ادب میں بھی ان کو خاص مقام حاصل ھے - یہ کتابیں ایک جلیل القدر فن کار کے اسلوب کی بے تکلفی ھیں - وہ تبسم ھیں جن میں فطرت کی معصومیت اور سادگی جھلکتی ھے - ان میں قوس قزح کے رنگ اور گلوں کی خوشبو ھے - آزاد نے یہ کتابیں فرائض منصبی کے سلسلے میں مرتب کی تھیں - وہ بڑی آسانی سے اس کام کو معمولی طریقے پر انجام دے سکتے تھے لیکن ایک سچے فن کار کی

طرح انہوں نے ان کھلونوں کی تعمیر میں بھی اپنی پوری قوت اور فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی فن کاری اور خلوص کی وجہ سے یہ کتابیں درسی کتابوں میں کلاسیکی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی ادبی حیثیت بھی مسلم ہے۔

اس سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ تیسری کتاب آزاد کی تصنیف نہیں ہے۔ راقم الحروف نے یہ بات بعض ایسے ثقہ بزرگوں سے بھی سنی ہے جن کی ادبی دید و دریافت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن تحقیق کی رو سے تیسری کتاب بھی آزاد ہی کی ملک ٹھہرتی ہے۔ اس دعوے کا پہلا ثبوت تیسری کتاب کا وہ مسودہ ہے جو آج بھی آغا محمد باقر صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ راقم الحروف نے بچشم خود اس مسودے کو دیکھا ہے اور اس کے ایک صفحہ کا عکس اس کتاب میں بھی شامل ہے۔ دوسری دلیل محکمۂ تعلیمات پنجاب کی ایک دستاویز ہے جس میں بصراحت مرقوم ہے کہ ....."انہوں (آزاد) نے محکمے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کیں :۔

سلسلۂ قدیم

(۱) اردو کی پہلی کتاب (۲) اردو کی دوسری کتاب

(۳) فارسی کی پہلی کتاب (۴) فارسی کی دوسری کتاب

(۵) اردو کی پہلی کتاب (۶) اردو کی دوسری کتاب ۔

(۷) اردو کی تیسری کتاب (۸) اردو کی چوتھی کتاب

(۹) قصص ہند حصہ دوم (۱۰) Translation of the Arabic Entrance Course

(۱۱) جامع القواعد،،[1]

تیسری دلیل اس کتاب کا اسلوب ہے۔ آزاد کا اسلوب مشک کی طرح خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تاریخی حالات بھی لکھے ہیں جو قصص ہند حصہ دوم کے بعض تاریخی قصوں کا عکس لطیف ہیں۔ یہ بھی ایک بڑی مستحکم شہادت ہے جو آزاد کے حق میں ہے۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ تیسری کتاب بھی آزاد ہی کی تصنیف ہے۔ اسے آزاد کی تصنیف نہ ماننا آزاد کے فن کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔

زیر نظر اشاعت میں کتابوں کے متن قدیم ترین نسخوں سے مرتب کئے گئے ہیں۔ پہلی کتاب کا متن جس نسخے پر مبنی ہے وہ ۱۸۸۳ء کا مطبوعہ ہے۔ یہ اس سلسلے کا قدیم ترین نسخہ ہے جو راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے۔ دوسری کتاب کا کوئی قدیم نسخہ دست یاب نہیں ہو سکا۔ اس کا متن جس نسخے پر مبنی ہے وہ مفید عام پریس، لاہور میں طبع

۱۔ یہ دستاویز جس پر ۹۔ جون ۱۸۹۲ء کی تاریخ درج ہے آغا محمد باقر صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

ھوا ھے۔ اس پر تاریخ طباعت درج نہیں ھے۔ تیسری کتاب کا متن ۱۸۸۵ء کے مطبوعہ نسخے پر مبنی ھے۔ اس سے بعض دل چسپ باتوں کا پتا چلتا ھے۔ پہلی تو یہ کہ یہ اس کتاب کی تیرھویں اشاعت تھی۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں اس کتاب کی قیمت دو آنے نو پائی تھی۔ قیمت کا یہ تصور آج کے عہد میں یکسر محال ھے۔ چوتھی کتاب کا متن جس نسخے پر مبنی ھے وہ ۱۸۸۷ء کا مطبوعہ اور منشی گلاب سنگھ کا شائع کردہ ھے۔ یہ چوتھی کتاب کا اٹھارواں ایڈیشن ھے جو دس ھزار نسخوں پر مشتمل تھا۔

آزاد اس لحاظ سے خوش نصیب تھے کہ ان کی کتابیں صرف اھلِ ملک ھی میں مقبول نہیں ھوئیں بلکہ انگریزوں نے بھی انہیں پسند کیا۔ چنانچہ یہ کتابیں فوجی افسروں کے امتحان میں مدت تک رائج رھیں۔ کرنل فلٹ نے ''اردو روزمرہ'' کے نام سے فوجی افسروں اور دوسرے انگریزوں کے لئے جو کتاب مرتب کی تھی اس کا پہلا حصہ تمام و کمال پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتاب کے بعض اسباق پر مشتمل ھے اور تیسرے حصے میں تیسری کتاب کے تاریخی حالات کو شامل کر لیا گیا ھے۔ کرنل فلٹ نے اپنی کتاب کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا تھا۔ اردو والے نسخے میں اس نے جابجا الفاظ کی تشریح انگریزی

میں کی ہے۔ راقم الحروف کی نگاہ سے اس کتاب کا جو نسخہ
گزرا ہے وہ ۱۹۱۴ء میں کلکتے سے شائع ہوا تھا۔

آزاد کی یہ کتابیں اپنی غیر معمولی مقبولیت اور زبان زد
خاص و عام ہونے کے باوجود مدت سے کم یاب تھیں۔ ترقیٔ اردو بورڈ
انہیں از سر نو شائع کرکے یقیناً ایک اہم خدمت انجام دے
رہا ہے۔ میں اس ضمن میں بورڈ کے صدر جناب ممتاز حسن
صاحب اور معتمد جناب شان الحق صاحب حقی کا بطور خاص
ممنون ہوں جن کی دل چسپی اور تعاون سے یہ نسخہ
مرتب ہوکر شائع ہوا۔ آغا محمد باقر صاحب کے لطف و کرم
سے میری رسائی آزاد کے مسودوں اور ان کتابوں کی قدیم اشاعتوں
تک ہوئی۔ موصوف نے مجھے اس گنج گراں مایہ سے استفادے
کا پورا موقع عطا کیا۔ لطف و کرم کی یہ ارزانی رسمی شکرنے
سے بالاتر ہے۔ جناب ڈاکٹر ابواللیث صاحب صدیقی اور جناب
ڈاکٹر غلام مصطفے خان صاحب کے مفید مشوروں کا اعتراف
بھی ضروری ہے۔ شاید ان کے بغیر یہ کتاب مکمل نہ ہو پاتی۔

روشن سراج
ناظم آباد ۴۔ کراچی
۹۔ فروری ۶۳ء

اسلم فرخی

اعرابوں کے قاعدے

نمبر شمار	قاعدے	مثالیں
۱	مخلوط ہے دو چشمی لکھی گئی ہے ۔	گھر
۲	نون غنہ جو لفظ کے درمیان ہے اس پر الٹا جزم دیا ہے اور جو آخر میں ہے اس میں نقطہ نہیں دیا ۔	ہنسا، ہیں ۔
۳	یائے معروف جو لفظ کے آخر ہے وہ دائرے کی لکھی گئی ہے ۔	بھلی
۴	یائے معروف کے سوا باقی سب یے لمبی لکھی گئیں ۔	کے ، ہے ، گائے، اولے ۔
۵	جو واو بولی نہیں جاتی اس کے نیچے آڑی لکیر ہے۔	خود ، خویش
۶	حرف مفتوح پر وہیں زبر لکھا ہے جہاں واو یا یے کے معروف اور مجہول ہونے کا شبہ پڑتا ہے ۔	ہمالیہ ، روپیہ ۔ زیور ، غور۔ سیر ۔
۷	حرف مکسور کے نیچے دو جگہ کے سوا سب جگہ زیر لکھا گیا اول یائے مجہول کے ما قبل دوسرے یا یے معروف کے ما قبل جو لفظ کے آخر ہے۔	دیر ، دے ۔ دی ۔
۸	حرف مضموم کے بعد اگر واو مجہول نہیں ہے تو اس پر پیش لکھا گیا ۔	شکر
۹	واو معروف کے ماقبل پیش لکھا گیا ۔	دور

نمبر شمار	قاعدے	مثالیں
۱۰	واو مجہول کے ما قبل پیش نہیں لکھا گیا۔	سول
۱۱	الف، واو اور ے کے سوا لفظ کے درمیان جو حرف ساکن ہے اس پر جزم لکھا گیا۔	صبر
۱	استفہام کی علامت	؟
۲	ندا ، تعجب ، حسرت ، دعا ، قسم۔ خوشی کی علامت	!
۳	تھوڑے وقفے کی علامت	-
۴	پورے وقفے کی علامت	+

ھدایت: جہاں پورا وقفہ ہے وہاں پڑھنے میں زیادہ ٹھیرنا چاہئے ، باقی جگہ کم۔

(اعرابوں کے یہ قاعدے یادگار کے طور پر شامل کئے گئے ھیں موجودہ اشاعت میں ان کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے

تعلیم المبتدی کا سلسلہ ـ ابتدائی مدرسوں کے واسطے

اس سلسلے میں یہ کتابیں ہوں گی: اردو کا قاعدہ ۔ اردو کی پہلی ، دوسری ، تیسری ، چوتھی ، پانچویں ، چھٹی ، ساتویں اور آٹھویں کتاب ـ مساحت، حساب، صرف و نحو اور جغرافیے کے رسالے۔

اردو کی پہلی ، دوسری ، تیسری وغیرہ کتابوں میں دو باتوں کا بڑا خیال رکھا ہے۔ اول تو عبارت ایسی ہو کہ لڑکے آسانی سے پڑھنے لگیں۔ دوسرے ابتدا میں ان چیزوں کا بیان ہو جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں اور بیان اس طرح ہو جس کے پڑھنے سے ان چیزوں کے باب میں سوچنے کی عادت پڑے تا کہ جب نئی چیزیں دیکھیں تو آپ غور کرنے کا رستہ دلوں میں پیدا ہو۔ اس طرح آہستہ آہستہ حیوانات ، نباتات ، معدنیات کا علم حاصل کریں ۔ زراعت اور دنیا کے کاروبار کی مفید مفید باتیں معلوم ہوں اور قدرتی ظہور مثلا صبح ، شام ، سورج ، چاند ، ہوا ، ابر ، مینہ ، برف وغیرہ کے حالات روشن ہوں اور لڑکے سمجھنے لگیں کہ موسم کیوں بدلتے رہتے ہیں ، دن اور رات کیوں گھٹتے بڑھتے ہیں ـ بادل کیونکر بنتے ہیں ، مینہ کیوں برستا ہے ، ہوا کیوں چلتی ہے ، اس کے علاوہ جو ملک نہیں دیکھے ان کے حالات آسان آسان

بیانوں سے بتائے ھیں - بیان کا ڈھنگ ایسا رکھا ہے جس سے لڑکوں کو راستی کی طرف توجہ ھو اور نیک اور پاکیزہ باتوں کی محبت دلوں میں بیٹھے -

ان سب کتابوں میں بہت سی تصویریں ھیں کہ آپ اپنے بیان کی حالتیں دکھاتی ھیں - یورپ کا بچہ بچہ فقط تصویر کے دیکھنے سے بہت سی باتیں سمجھ جاتا ہے اور جو لوگ سفر نہیں کرتے وہ گھر بیٹھے تصویروں ھی سے ملکوں کی اصل کیفیت معلوم کر لیتے ھیں - لیکن اکثر اھل ھنر کو تصویر کی باریکیاں سمجھنی ایسی مشکل ھیں جیسے غیر زبان کی کتابیں - ایک بیل یا گھوڑے یا کتے کا صاف صاف خاکہ کھچا ھو تو فقط اتنا پہچان لیتے ھیں کہ یہ اس جانور کی تصویر ہے لیکن اگر وہ کسی جگہ کی تصویر ھو تو اتنا نہیں بتا سکتے کہ اس میں زمین کہاں ہے ، پانی کہاں ہے ، بادل کون سا ہے ، پہاڑ کون سا ہے ، کس کس قسم کے درخت ھیں ، کیا چیز پاس ہے ، کیا دور ہے . جب یہاں بھی یورپ کی طرح بچپن ھی میں تصویروں کا رواج ھو جائے گا تو سب اسی طرح سمجھنے لگیں گے اور اس کا لطف اٹھائیں گے -

عبارت صاف اور صحیح پڑھنے کے واسطے ان باتوں کی

رعایت رکھی ہے۔ ایک ایک لفظ الگ الگ لکھا ہے۔
اپنے اپنے موقع پر وقفے کی علامتیں دی ہیں۔ املا میں تمیز
رکھی ہے۔ لفظوں پر کہیں کہیں اعراب دئے ہیں
مگر اعرابوں کے قاعدے ایسے باندھے ہیں کہ جہاں اعراب
نہیں لکھے ہیں وہاں بھی سمجھ میں آتے ہیں۔ گویا سارے
حرفوں پر اعراب آگئے ہیں۔ یہ سب باتیں اردو کے قاعدے
میں موجود ہیں، پر آسانی کے لئے یہاں بھی لکھی جاتی ہیں۔

حصۂ اول

اردو کی پہلی کتاب

فہرست مضامین

صفحہ

صفحہ

ماں کی محبّت

ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ باپ حقہ پی رہا ہے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے[1]۔ بچہ آنکھیں کھولے پڑا ہے۔ انگوٹھا چوس رہا ہے۔ ماں محبت بھری نگاہوں سے اس کے منہ کو تک رہی ہے۔ اور پیار سے یہ کہتی ہے۔ میری جان! وہ دن کب آئے گا کہ میٹھی میٹھی باتیں کرے گا! بڑا ہوگا! سہرا بندھے گا! دولہا بنے گا! دلہن بیاہ لائے گا! ہم بڈھے

---

[1]۔ بعد کے نسخوں میں یہ عبارت بدل کر یوں کردی گئی۔ "باپ دیکھ رہا ہے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے"

ہوں گے ! تو کمائے گا ! آپ کھائے گا ! ہمیں کھلائے گا !
بچہ مسکراتا ہے تو ماں کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔
جب ننھا سا ہونٹ نکال کر رونی صورت بناتا ہے تو یہ بے چین
ہو جاتی ہے۔ سامنے پنگورا [1] لٹک رہا ہے۔ سلانا ہوتا ہے
تو اس میں لٹا دیتی ہے۔ رات کو اپنے ساتھ سلاتی ہے۔
جاگ اٹھتا ہے تو جھٹ چونک پڑتی ہے۔ کچی نیند میں
رونے لگتا ہے تو آدھی رات تک یہ بچاری ماستا کی
ماری لئے بیٹھی رہتی ہے۔ صبح جب بچے کی آنکھ کھلتی
ہے تو آپ بھی اٹھ بیٹھتی ہے۔ دن چڑھے منہ دھلاتی ہے۔
آنکھوں میں کاجل لگاتی ہے، اور یہ کہتی ہے، کیا چاند
سا مکھڑا نکل آیا ! واہ وا واہ !

۱- جھولا، پنجابی پنگھوڑا۔ (مصنف کا نوٹ)

کھانا پک رہا ہے

دیکھنا! بیوی آپ بیٹھی پکا رہی ہے - ہر چیز کیا قرینے سے رکھی ہے - دھوئے دھائے برتن صندوق پر چنے ہیں - ایک طرف نیچے اوپر مٹی کے برتن دھرے ہیں - کسی میں دال ہے ، کسی میں آٹا ، کسی میں چاول ، پھکنی[1] - دسپنا اور پانی کا لوٹا پاس ہے - آٹا گندھا رکھا ہے - چاول پک چکے ہیں - نیچے اتار کر رکھے ہیں - دال چولھے پر چڑھی ہے - نیچے آنچ ہو رہی ہے - آپ پاس بیٹھی ہے کہ آگ نہ بجھ

۱- وہ چیز جس سے پھونکیں مار مار کر آگ جلائیں (مصنف کا نوٹ)

جائے یا دال نہ جل جائے۔ اب چپنی اتوائی ہے۔ دال دیکھ رہی ہے کہ گل گئی ہو تو نیچے اتار کر رکھے۔ کرچھے میں گھی گرم کرے۔ کتر کر پیاز ڈالے۔ جب لال ہو جائے تو دال بگھارے۔ پھر توا چڑھائے۔ روٹی پکائے۔ میاں جب آتا ہے تو کھانا لاکر سامنے رکھتی ہے۔ کھا چکتا ہے تو کھانا اٹھا لیتی ہے۔ کھانے پکانے سے فارغ ہوتی ہے تو کبھی سینا لے بیٹھتی ہے۔ کبھی چرخا کاتنے لگتی ہے۔ کیوں نہ ہو؟ بڑی سلیقے والی ہے۔ ماں بہنوں کی بدولت یہ ساری باتیں سیکھی ہیں۔ آپ ہاتھ پاؤں نہ ہلائے تو گھر کا کام کیونکر چلے؟

لڑکا مدرسے جاتا ہے

دیکھنا ! کیا جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہے کیسے شوق سے چلا جاتا ہے ! کہ وقت پر پہنچ جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔ ہاتھ میں جزدان ہے۔ دل میں یہی دھیان ہے کہ کل کا سبق خوب سنائے۔ جو پوچھیں سب بتائے۔ لڑکوں میں نام پائے۔ استاد بھی اسے شوقین جانتا ہے۔ بڑی خوشی سے پڑھاتا ہے۔ یہ جماعت میں اول رہتا ہے۔ امتحان میں سب سے زیادہ نمبر پاتا ہے۔ استاد کا بڑا ادب کرتا ہے۔ بے اجازت باہر نہیں جاتا۔ شریر لڑکے لڑتے جھگڑتے

ہیں۔ یہ ان سے الگ رہتا ہے۔ جو بات پوچھو سچ سچ کہہ دیتا ہے۔ انہی عادتوں سے لوگوں میں تعریفیں ہوتی ہیں۔ ماں باپ بھی اس کی خوشی چاہتے ہیں۔ وقت پر کھیلنے کودنے سے نہیں روکتے۔ ہاں! ٹھیک ہے محنت کے بعد کھیلنا بھی اچھا ہے۔ ہاتھ پاؤں چالاک ہوتے ہیں۔ جی خوش رہتا ہے[1]۔ بے شک یہ لڑکا ہونہار نظر آتا ہے۔ تھوڑی مدت میں علم حاصل کرلے گا۔ بڑی عزت پائے گا۔ دولت کمائے گا۔ باپ دادا کا نام روشن کرے گا۔

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد ''صحت اچھی رہتی ہے،، کا اضافہ ملتا ہے۔

لڑکے کھیل رہے ہیں

ایک نہ ایک وقت کھیلنا بھی ضرور چاہئیے ۔ اس سے جی خوش ہوتا ہے ۔ ہاتھ پاؤں کھلتے ہیں ۔ بدن میں چستی آتی ہے[1] ۔ دیکھنا! لڑکے مدرسے سے پڑھ کر نکلے ہیں ۔ میدان میں کھیل رہے ہیں ۔ کیا خوش ہیں! کیسے نچنت اور

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد یہ عبارت ملتی ہے "بیماریوں سے بچا رہتا ہے ۔ دیکھنا لڑکے میدانوں میں درختوں کے نیچے کھیل رہے ہیں مگر درخت گھن کے نہیں کہ ان کی چھاؤں ہو۔ لڑکوں کے چہرے کیسے بشاش ہیں ۔ کیا نچنت اور بے فکر معلوم ہوتے ہیں ۔ ماں باپ . . . "

بے فکر ہیں ۔ ان کے چہرے کیا تر و تازہ ہیں ! ماں باپ کے پیارے ہیں ۔ گھر کے لاڈلے ہیں ۔ اچھلتے ہیں ۔ کودتے ہیں ۔ دوڑتے ہیں ۔ گیند بلا کھیلتے ہیں ۔ اسے دیکھو ! زمین پر پاؤں نہیں ٹکاتا ۔ وہ لڑکا بڑا چالاک ہے ۔ یہ تو بھدا[1] ہے ۔ خوب دوڑ نہیں سکتا ۔ پھر بھی دوڑتا پھرتا ہے ۔ اے لو ! وہ گر پڑا ۔ کیا ہوا ۔ پھر اٹھ کر دوڑنے لگے گا ۔ لڑکپن عجب نعمت ہے ۔ اچھا میاں ! کھیلو ۔ کودو ۔ اچھلو ۔ دوڑو مگر سارے دن کھیل ہی کے دھیان میں نہ رہو ۔ جو لڑکے دن بھر کھیل کے دھیان میں رہتے ہیں ۔ جب استاد کے سامنے سبق سنانے آتے ہیں تو منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں ۔ استاد خفا ہوتا ہے ۔ ماں باپ پیار نہیں کرتے ۔ علم بڑی دولت ہے ۔ اس سے بے نصیب رہتے ہیں ۔

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد یہ عبارت ملتی ہے ''دبلا پتلا اور کمزور ہے ۔ پھر بھی دوڑتا پھرتا ہے ۔ اے لو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔''

پنڈت جی کی بہلی

کیا ہلکی بنی ہے ! کتنی خوب صورت ہے ! رنگ بھی اچھا بھرا ہے ۔ کسی کاریگر نے بنائی ہے ۔ اجلا بچھونا ہے ۔ سفید پردے ہیں[1] ۔ ایک طرف کا پردہ چھوڑ رکھا ہے کہ دھوپ نہ آئے ۔ دوسرا الٹ دیا ہے[2] کہ ہوا لگتی جائے ۔ بیل بھی اچھے ہیں ۔ ناگوری معلوم ہوتے ہیں ۔ سینگوں پر سنگوٹیاں چڑھی ہیں ۔ گلے میں گھنگھرو پڑے ہیں ۔ بیچ میں پنڈت جی مہاراج بیٹھے ہیں[3] ۔ ایک لڑکا بہلی کے پیچھے کھڑا ہے ۔ پنڈت جی نے بہلی روک دی ۔ مڑ کر اس سے باتیں کر رہے ہیں ۔ دیکھنا ۔ کتا کیسا لپک کر آیا ہے ! بیلوں پر بھونکتا ہے مگر یہ بے کھٹکے کھڑے ہیں ۔ ذرا نہیں

---

۱ ۔ ن ''سرخ نہاروے کا پردہ ہے''

۲ ۔ ن ''دوسری طرف سے الٹ دیا ہے''

۳ ۔ ن ''شاگردوں کو پڑھاتے [illegible] بہلی درختوں کے نیچے نیچے چلی جا رہی ہے [illegible] کچھ کہہ کے نہیں ۔ سایہ اچھا نہیں [illegible] ہے ۔ بہلی بے تکان جا رہی ہے ۔ ہچکولے [illegible]''

جھجکتے - پہلے اس ملک کے امیر رتھوں میں سوار ہوتے تھے ، اور آدمی[1] بہلیوں میں بیٹھتے تھے - یہ اگلے وقتوں کی سواریاں ہیں - سہج سہج چلتی ہیں - ھچکولے بھی لگتے ہیں - جب سے بگی اور ریل[2] کا یہاں رواج ہوا ان کی وہ قدر نہ رہی[3] - اب تو بنئے مہاجنوں کے پاس دیکھی جاتی ہیں یا براتوں میں کام آتی ہیں -

۱- ن '' لوگ ''   ۲- '' ٹمٹم تانگے فٹن اور موٹر،،
۳- '' ان کو کوئی نہیں پوچھتا ،،

مولوی صاحب کا گھوڑا

مولوی صاحب گھوڑے پر سوار ہیں۔ مدرسے جاتے ہیں۔ دو تین شاگرد ساتھ ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں کتاب ہے۔ ایک کی بغل میں جزدان ہے[1]۔ ایک نے سامنے سے آکر سلام

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد عبارت یوں ہے۔ "ایک برابر آکر کچھ پوچھ رہا ہے۔ مولوی صاحب نے گھوڑا روک لیا ہے۔ اسے بتا رہے ہیں۔ دوسرا پیچھے کھڑا ہے کہ یہ ہٹے تو پھر میں پوچھوں۔ ایک نے سامنے سے آکر سلام کیا ہے۔ یہ لڑکے بڑے شوقین ہیں۔ مولوی صاحب کے گھر جاکر بھی پڑھتے ہیں۔ راستے میں بھی پوچھتے جاتے ہیں۔

کیا ہے - مولوی صاحب نے گھوڑا روک لیا - شاید کچھ اس سے باتیں کریں گے - یہ لڑکے بڑے شوقین ہیں - ایک کچھ پوچھ رہا ہے - دوسرا برابر لگا ہے کہ یہ کب ہٹے اور میرا وار آئے - مولوی صاحب بھی دل سے چاہتے ہیں کہ ان کو کچھ آ جائے - گھر پر بھی پڑھاتے ہیں - رستے میں بھی بتاتے ہیں - مدرسے کا بھی خیال ہے کہ وقت پر پہنچ جائیں - وہاں بہت سے شاگرد بیٹھے راہ دیکھ رہے ہوں گے - مولوی صاحب بڑے لئیق اور محنتی ہیں - ہمیشہ ان کی جماعت کے لڑکے استحان میں پاس ہوتے ہیں - سنو میاں لڑکو! علم بڑی دولت ہے - جہاں تک ہوسکے حاصل کئے جاؤ - اٹھتے ، بیٹھتے ، چلتے ، پھرتے ، گھر ہو یا مکتب[1] ہو وقت کو ضائع نہ ہونے دو - پڑھنے لکھنے کی یہی عمر ہے - پھر ایسی بے فکری کہاں؟ بڑے ہوگے تو دنیا کے دھندوں میں پھنس جاؤگے - اس وقت نہ پڑھا تو عمر بھر پچھتاؤگے -

---

صفحہ ۴۷ کا بقیہ

مولوی صاحب بھی دل سے چاہتے ہیں کہ ان کو کچھ آ جائے - کبھی پڑھانے اور سمجھانے میں دریغ نہیں کرتے - گھر ہو یا باہر ہو۔

۱- ن "مدرسہ"

نیزہ بازی

یہاں کیا ہو رہا ہے؟ اتنی خلقت کیوں جمع ہے؟
آہا! نیزہ بازی کے ساسان ہیں۔ جبھی لوگ قطار باندھے
کھڑے[1] ہیں۔ آؤ! تماشا دیکھیں۔ بھائی قطار سے آگے نہ بڑھنا۔
ایسا نہ ہو گھوڑے کی جھپٹ میں آجاؤ۔ دیکھنا! وہ سوار
نیزہ تانے گھوڑا اڑائے چلا آتا ہے۔ کیسا سرپٹ دوڑایا ہے!
سوار بھی پورا سوار ہے۔ کیا جما بیٹھا ہے! ذرا نہیں ہلتا۔
گھوڑا بھی نہایت تیز ہے۔ کیا تیر سا چلا آتا ہے۔ دیکھو!
اب میخ کے قریب آیا۔ کس طرح لپکا ہے! گویا پیٹ زمین سے
لگ گیا۔ اب سوار ایسا تاک کر نیزہ لگائے گا کہ میخ
صاف اکھیڑ لے جائے گا۔ سب میں واہ وا کا غل مچ جائے گا[2]۔
گاڑی کے سامنے وردی پہنے ایک صاحب کھڑے ہیں۔ یہ رسالے
کے افسر ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کتاب ہے۔ نام لکھ رہے ہیں۔
جو سوار جیتیں گے، انہیں انعام ملے گا۔ نیزہ بازی سپاہ گری

۱۔ ن ''بیٹھے ہیں۔ بعضے ان کے پیچھے کھڑے ہیں۔
آؤ ہم بھی تماشا دیکھیں''
۲۔ ن ''میخ سے تھوڑی ہی دور ایک افسر کھڑا ہے
کہ دیکھے کون کون سا سوار میخ اکھیڑ لے جاتا ہے۔
جو سوار میخ اکھیڑ لے جائیں گے انہیں انعام ملے گا''

کا ایک فن ہے ۔ اس میں دونوں باتیں ہیں ، کھیل کا کھیل ، ورزش کی ورزش ۔ یہ کرتب رسالوں میں اکثر ہوا کرتا ہے[۱] ۔ کیوں نہ ہو انہی باتوں سے سپاہیوں کی چستی چالاکی بڑھتی ہے اور وقت پر کام آتی ہے ۔

۱۔ بعد کے نسخوں میں "اس سے سپاہیوں کی صحت اچھی رہتی ہے اور وقت پر کام آتی ہے"

پہلوان کُشتی لڑ رہے ہیں

اکھاڑے کے آس پاس تماشا دیکھنے والے جمع ہیں۔ مگدروں کی جوڑی رکھی ہے۔ وہ دو پہلوان اترے۔ کپڑے اتار ڈالے۔ لنگر لنگوٹے کس لئے۔ کیا ڈیل ڈول ہیں! گویا سانچے میں ڈھلے ہیں۔ کیا بدن ہیں کہ شیشے کی طرح چمک رہے ہیں۔ ورزش عجب چیز ہے۔ آدمی تندرست رہتا ہے۔ بدن خوبصورت نکل آتا ہے۔ بھوک خوب لگتی ہے۔ جو کھاؤ ہضم ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں پھرتی آتی ہے۔ جی میں امنگ پیدا ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ زور کرنے کو دل

چاھتا ہے۔ لو! وہ دونو خم[1] ٹھوک کر سامنے آئے۔ وہ ھاتھ سلائے۔ کبھی وہ دھکیل کر ہٹاتا ہے، کبھی یہ ریل کر لے جاتا ہے۔ ہر ایک اسی داؤں میں ہے کہ موقع بنے تو ایسا پیچ کرے کہ دوسرا چاروں شانے چت گرے۔ کشتی صاف ہوئی اور کچھ جھگڑا نہ رہا تو لوگ تالیاں بجائیں گے۔ واہ وا کا شور مچائیں گے۔ جو میاں پچھاڑیں گے وہ پھولے نہ سمائیں گے۔ جو پچھڑیں گے وہ شرم کے مارے سر نہ اٹھائیں گے۔

۱۔ تھاپی مار کر، پنجابی (مصنف کا نوٹ)

دریا میں تیراک تیر رہے ہیں

آؤ! دریا کی سیر کریں۔ اوہو! کیا چڑھا ہوا ہے۔ تیراکوں کی بن آئی ہے۔ کسی[1] نے مشک پھلائی ہے۔ چھاتی تلے دبائی ہے۔ بہاؤ پر چلا جاتا ہے۔ کوئی تونبوں کے سہارے تیر رہا ہے[2]۔ مگر تیراک وہی ہے جس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں، اپنے ہاتھ پاؤں کے بل پر تیرتا ہے۔ تیرنا بہت اچھا ہنر ہے۔ کبھی ناؤ نہیں ملتی۔ تیراک چار ہاتھ مارتا ہے، اور پار جا کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی ناؤ ڈوب جاتی ہے،

۱۔ بعد کے نسخوں میں ''ایک نے،، ۲۔ ن: ''اور تونبوں کے سہارے تیر رہے ہیں۔ تین یوں ہی تیر رہے ہیں۔ تیراک یہی ہیں کہ انہیں سہارے کی ضرورت نہیں۔ ایک آدمی کنارے پر بیٹھا ہے۔ اس کے تونبے پیچھے رکھے ہیں۔ دو آدمی کھڑے ہیں۔ ایک نے کپڑے اتار لئے ہیں۔ اب دریا میں کود پڑے گا۔ دوسرا ابھی آیا ہے۔ تونبے پیٹھ پر لٹک رہے ہیں۔ دریا کے پار کیسی خوب صورت بارہ دری بنی ہوئی ہے۔ اس کے گرد درختوں کی کیا بہار ہے۔ دیکھنا بارہ دری اور درختوں کا عکس دریا میں پڑ رہا ہے۔ کیا بہار دے رہا ہے تیرنا بہت اچھا ہنر ہے۔،،

تو بڑی مصیبت آتی ہے۔ جو تیرنا نہیں جانتے[۱] ان کی جانیں جاتی ہیں۔ تیراک تیر کر آپ[۲] نکل جاتے ہیں ۔ اور بھی ایک دو کو بچا لاتے ہیں ۔ یہ[۳] بھی ایک قسم کی ورزش ہے ۔ اس سے کھانا پچتا ہے ۔ بدن ہلکا رہتا ہے ۔ آؤ ! ہم تم دونو تیریں ۔ دیکھیں دور تک کون تیرتا ہے ؟ بڑے بڑے غوطے کون لگاتا ہے[۴]؟ بھائی ! گھاٹ کے آس پاس تیرنا اچھا ہے ۔ اور ایسا تیرنا کچھ نہیں کہ پانی کی مچھلی بن جائے ۔ پہروں پانی میں پڑا رہے ۔ کوسوں بہتا پھرے ۔ دم ٹوٹ جائے تو غوطے کھائے ۔ بھنور میں آجائے تو ڈوب جائے ۔

۱۔ ن ''وہ ڈوب جاتے ہیں''

۲۔ ن ''بھی'' ۳۔ ن یہاں سے ۴ تک کی عبارت شامل نہیں ہے ۔

لوگ ناؤ میں بیٹھ کر دریا سے پار اُتر رہے ہیں

آج دریا چڑھاؤ پر ہے۔ کہیں زور کا مینہ برسا ہے۔ کتنا بڑا پاٹ ہو گیا ہے! اب لوگ ناؤ بغیر نہ ادھر آسکتے ہیں نہ ادھر جاسکتے ہیں۔ دیکھو! ناؤ ادھر کے کنارے سے چلی۔ ملاح بلیوں سے کھیتے[1] جاتے ہیں۔ کیسی کھچا کھچ بھری ہوئی ہے! مرد ہیں، عورتیں ہیں، بچے ہیں۔ ایک بہلی بھی

۱۔ دھکی، پنجابی۔ (مصنف کا نوٹ)

ہے ، اور بیل بھی ہیں ۔ اب دریا کے بیچ میں ناؤ آگئی۔
ایلو ! ایکا ایکی ناؤ والے چیخنے لگے ۔ کیا ہوا ؟ کہیں ناؤ
ڈوبتی تو نہیں ؟ نہیں ۔ جب ناؤ بیچ میں پہنچتی ہے تو
پانی کا زور بہت ہوتا ہے ۔ ملاح خوب زور لگاتے ہیں ۔ غل
مچاتے ہیں ، اور لوگ بھی ان کے ساتھ چلاتے ہیں ۔ لو اب
ناؤ گہرے پانی سے نکل گئی ۔ تھوڑی دیر میں کنارے
پر جا لگے گی ۔ لوگ پھر گھبرائیں گے ۔ ہر ایک یہی چاہے گا
کہ میں سب سے پہلے اتروں مگر جلدی نہیں چاہئے ۔ ناؤ میں
چڑھئے سب سے پہلے ۔ اترئے سب سے پیچھے ۔ تم تیرنا بھی
جانتے ہو؟ ہاں ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ ناؤ ڈوبنے لگی ۔ ہم
چار آدمی تیراک تھے ۔ تیر کر نکل آئے ۔ بلکہ دو اور آدمیوں
کو اپنے ساتھ بچا لائے ۔

سانڈنی سوار [1]

دیکھنا! سانڈنی سوار جاتا ہے[2] ۔ کیا عمدہ سانڈنی ہے[3]! کیسی بے تکان جا رہی ہے! گردن تو دیکھو کیسی پیچھے کو جھکی ہوئی ہے! واہ وا! جیسے مور ناچتا چلا جاتا ہے۔ سانڈنی کی کیا بات ہے! ریت کے جنگلوں میں نہ یکا چل سکتا ہے نہ گاڑی۔ گھوڑے ٹٹو بھی جی چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اور گھنٹوں نہیں اٹھتے۔ وہاں چلنا اسی کا کام ہے۔ پھر چلنے والی بھی ایسی کہ اچھی سانڈنی ہو تو پچاس پچاس کوس کا دھاوا کرتی ہے[4]۔ یہ سانڈنی[5] سوار کہاں جاتا ہے[6]؟

۱۔ ن ''شتر سوار''

۲۔ ن ''شتر سوار جا رہا ہے''

۳۔ ن ''کیسا تیار اونٹ ہے۔ کیسی موٹی گردن ہے۔ منہ کے نیچے بڑے بڑے بال ایسے لٹکتے ہیں جیسے داڑھی ہوتی ہے۔ اونٹ کی کیا بات ہے۔ ریت کے جنگلوں میں'' ...

۴۔ ن ''پھر چلنے والا بھی ایسا کہ اچھا اونٹ ہو تو تیس تیس کوس کا دھاوا کرتا ہے''

۵۔ ن '' شتر ''

۶۔ ن '' اور پرے کی طرف یہ کالی دیوار سی کیا ہے۔ شتر سوار سفر کرتا ہوا جنگل میں جا رہا ہے اور پرے کی طرف یہ کالا کالا پہاڑ ہے جہاں نہ ریل ہے نہ ڈاک۔''

کوئی ضروری چیز لے چلا ہوگا۔ جہاں نہ ریل ہے نہ ڈاک ریتلی زمین اور خراب رستے ہیں وہاں ہمیشہ سے سانڈنی[1] سوار ہی خط پتر لے کر اکثر جایا کرتے ہیں۔ مہاجنوں کی ہنڈیاں ہزاروں روپے، سیکڑوں اشرفیاں، بھاری بھاری زیور اور جواہرات لے جاتے ہیں اور جوں کے توں پہنچا دیتے ہیں۔ اکثر راتوں کو چلتے ہیں۔ دھوپ سے بچاؤ رہتا ہے۔ اندھیرے اندھیرے نکل جاتے ہیں اور ٹھنڈے ٹھنڈے منزل پر جا پہنچتے ہیں۔

۱۔ ن ''شتر''

اُونٹ لد رہا ہے

اناج کی بوریاں نیچے دھری ہیں۔ اب اونٹ[1] پر لادیں گے۔ جب لادتے ہیں تو بچارا[2] منہ پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے۔ کبھی گردن اٹھاتا ہے، کبھی جھکاتا ہے۔ شاید فریاد کرتا ہے کہ ظالم ساربان ہمیں ناحق ستاتا ہے۔ یہ بھاگ کیوں

۱۔ ن ''ان،،

۲۔ ن ''بچارے منہ پھاڑ پھاڑ کر چلاتے ہیں۔ کبھی گردن اٹھاتے ہیں۔ کبھی جھکاتے ہیں۔ فریاد کرتے ہیں کہ ظالم ساربان ہمیں ستاتا ہے یہ بھاگ کیوں نہیں جاتے؟ بھاگیں کیونکر؟ گھٹنے بندھے ہیں۔''

نہیں جاتا؟ بھاگے کیوں کر گھٹنا[1] بندھا ہے ۔ بعض اونٹوں پر اسباب نہیں لادتے ، کجاوے باندھتے ہیں ۔ ان میں دونوں طرف بیٹھ جاتے ہیں ۔ بڑا آرام پاتے ہیں ۔ چاہیں لیٹیں ، چاہیں سوئیں ۔ اونٹ گردن ہلاتا سیدھا چلا جاتا ہے ۔ قطار میں اونٹنیاں بھی ہوتی ہیں ۔ اور ان کے بچے بھی ۔ بچہ ماں کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے ۔ وہ بھی مڑ مڑ کر محبت کی نگاہوں سے دیکھتی جاتی ہے ۔ ذرا پیچھے رہ جاتا ہے تو بے چین ہو جاتی ہے ۔ کیا کرے؟ بے بس ہے ۔ ٹھیر نہیں سکتی ۔ قطار میں نکیل بندھی ہے ۔ ریت کے[2] ملکوں میں اونٹ بڑا کام دیتا ہے ۔ ایک تو ریت میں خوب چلتا ہے ، دوسرے وہاں پانی بہت کم ملتا ہے ۔ یہی بچارا ہے کہ بن پانی کئی کئی دن گزار دیتا ہے ۔

۱۔ گوڈے ۔ پنجابی ۔ (مصنف کا نوٹ)

۲۔ ریتیلے ۔ (مصنف کا نوٹ)
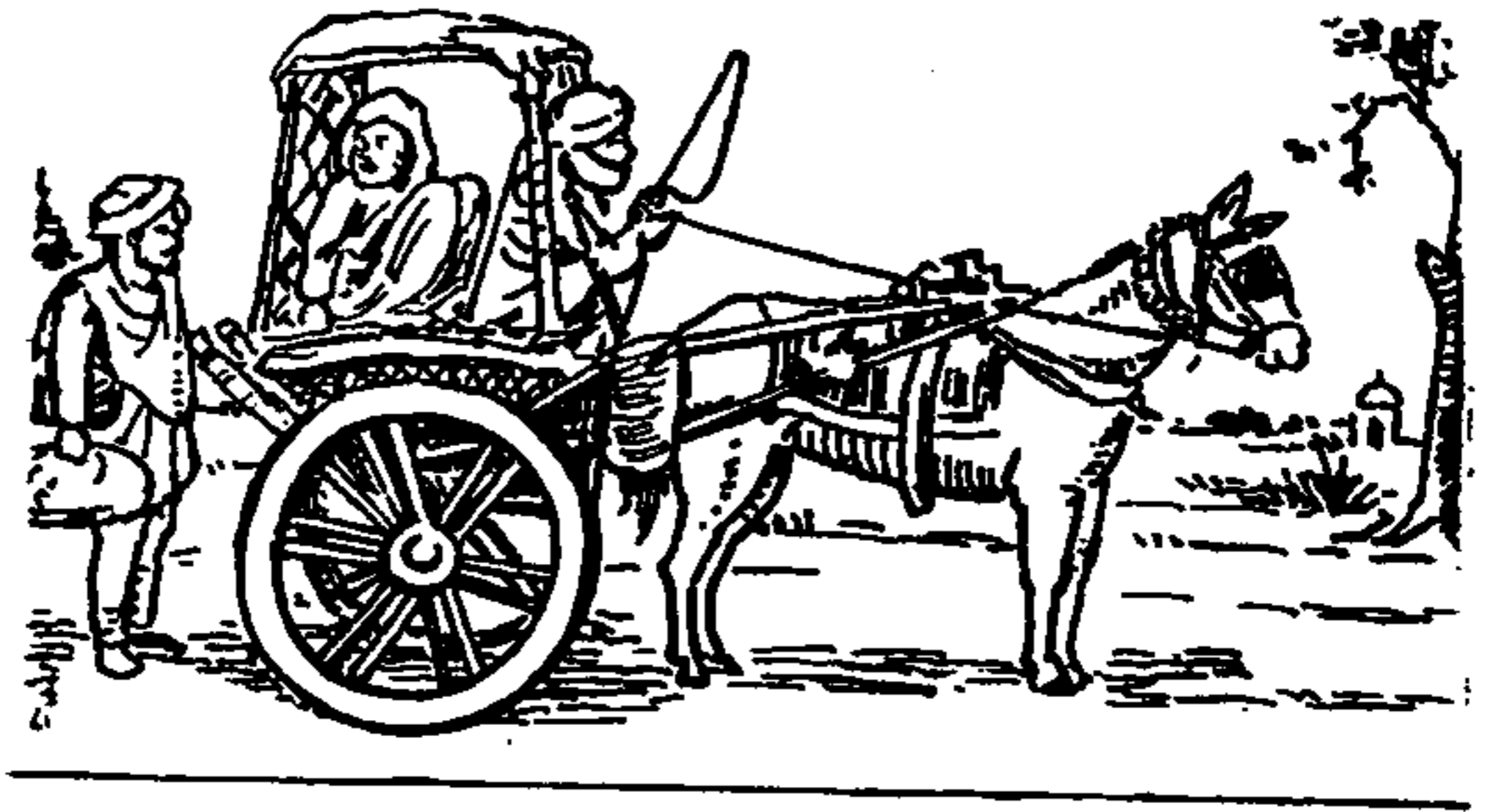
یکّے کی سواری

یکا سرائے[1] سے چلا ہے۔ ایک آدمی بیٹھ گیا۔ دوسرا اور آیا ہے۔ ایک گٹھڑی بغل میں ہے، دوسری ہاتھ میں۔ یکے والے نے گھوڑا روک لیا ہے۔ اب اسے بٹھا کر چل دے گا۔ رستے میں ایک دو آدمی اور ملیں گے تو انہیں بھی بٹھالے گا۔ میاں یکے والے! اس تھیلے میں کیا ہے؟ حقہ اور چلم ہے۔ مسافروں کی جوتیاں کہاں رکھتے ہو؟ وہ بھی اسی میں رکھ لیتا ہوں۔ یہ سواریاں کہاں لے جاؤ گے؟ میاں میر[2]۔ کتنی

۱۔ ن ''گاؤں'' ۲۔ ''لاہور''

دور ہے؟ چار کوس[1] ۔ ایک سواری کا کیا لیتے ہو؟ ایک آنہ[2] ۔ روز کیا مل جاتا ہے؟ دس بارہ آنے[3] ۔ گھوڑے کا خرچ کیا ہے[4] ؟ پان چھ آنے روز۔ دو ڈھائی آنے کی گھاس ، دو آنے کا دانہ ، دو ڈیڑھ آنے کی نہاری ۔ یہ گھوڑا کتنے کو لیا ہے ؟ چالیس روپے کو۔ کیسا چلتا ہے ؟ خاصا جاتا ہے ۔ پکی سڑک ہو تو دو پہر میں منزل پر پہنچا دیتا ہے ۔ اس کے گلے میں گھنگرو کیوں باندھے ہیں ؟ خوب‌صورتی کے لئے ۔ اور ان کی آواز بھی بھلی معلوم ہوتی ہے ۔ پنجاب میں یکے کا رواج زیادہ ہے ۔ یا بہلی کا؟ یکے کا ۔ صاحب! غریبوں کے واسطے یہ سواری خاصی ہے، پر یہ ضرور ہے کہ ھچکولے بہت لگتے ہیں ۔

۱۔ ن ''کوئی تین میل''

۲۔ ن ''ایک آنہ''   ۳۔ ن ''کوئی دو روپے''

۴۔ ن ''صاحب کیا پوچھتے ہو کال پڑ رہا ہے ۔ کل چیزیں مہنگی ہیں ۔ گاؤں میں رہتا ہوں ۔ پھر بھی آٹھ آنے کا دانہ چار آنے کی گھاس چھ آنے میں نہاری اور مصالح (کذا) روپیہ یا چودہ آنے مجھے بچ جاتے ہیں جس میں بڑی مشکل سے بال بچوں کا گزارہ ہوتا ہے ۔ گھوڑے کے گلے میں گھنگرو کیوں باندھے ہیں ؟ اس لئے کہ ان کی آواز سن کر آگے جانے والے لوگ دائیں بائیں ہو جائیں ۔ جب سے ٹمٹمیں تانگے کثرت سے جاری ہوگئے ہیں یکوں کو کوئی نہیں پوچھتا ۔ لیکن غریبوں کے لئے یہ سواری خاصی ہے ۔ ہاں ھچکولے بہت لگتے ہیں ۔''
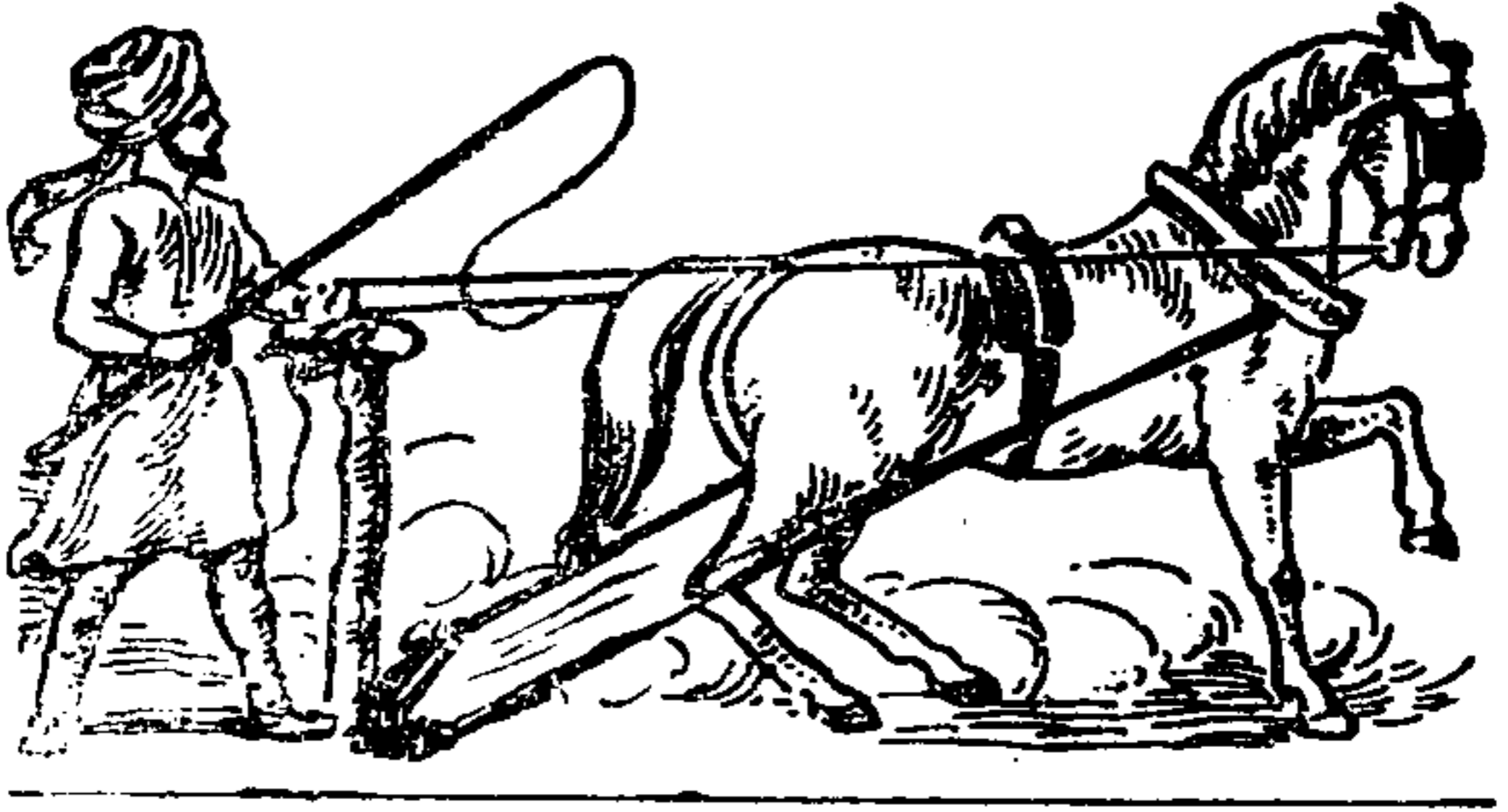
بگّی کا گھوڑا

بگی کے واسطے گھوڑا سدھایا[1] جاتا ہے ۔ جب صاف ہوجائے گا ۔ تو بگی میں جوتا جائے گا ۔ پہلے کوچوان اسے میدان میں لے گیا تھا ۔ لمبی سی رسی لگام میں باندھی تھی ، اور چکر دینا شروع کیا تھا ۔ اب دھیما ہوگیا ہے ۔ گھسے میں لگایا ہے ۔ گھسا لکڑی کا ہے جس پر کوچوان کھڑا ہے ۔ جوت کے رسے بھی اسی سے بندھے ہیں ۔ جب گھوڑے کو پہلے روز جوتا تو بہت اچھلا کودا اور گھبرایا کہ یہ

---

۱ ۔ سکھایا (مصنف کا نوٹ)

کیا بلا گلے بندھی۔ مگر کوچوان استاد ہے ، تھپک کر ، چمکار کر ، پیار سے دلاسے سے پرچا ہی لیا۔ ساری وحشت جاتی رہی۔ دیکھو ! اب خاصا کام دے رہا ہے۔ باگ کے اشارے پر چلتا ہے۔ کیسا اچھا قدم اٹھاتا ہے ! کیا خوب دوڑتا ہے۔ ہاں جب کبھی شرارت کرتا ہے تو چابک بھی کھاتا ہے۔ پڑھانے والے استاد بھی جب بچوں کو پڑھانے پر لگاتے ہیں تو اسی طرح محبت اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ چند روز دلاسے سے بتایا۔ آہستہ آہستہ بچہ چل نکلا۔ اچھے لڑکے یونہی لکھنے پڑھنے لگتے ہیں ، اور جو جی چراتے ہیں وہ سزا پاتے ہیں۔

راجہ صاحب کا ہاتھی

ذرا سننا! گھنٹوں کی آواز آتی ہے۔ شاید کوئی ہاتھی آرہا ہے۔ چلو تماشا دیکھیں۔ اے لو! وہ آیا۔ کیا جھومتا جھامتا چلا آتا ہے! اوہو! کتنا بڑا ہاتھی ہے! کیا لمبے لمبے دانت ہیں! اور ان پر سنہری چوڑیاں کیا بہار دیتی ہیں! مستک پر کلغی لگی ہے[1]۔ گلے میں چاندی کی ہیکل پڑی ہے۔ دونوں طرف گھنٹے لٹک رہے ہیں۔ انہی سے[2] ٹن ٹن کی آواز نکلتی تھی۔ واہ! کیا جھم جھماتی جھول ہے! سنہری کام دھوپ میں کیسا جگمگ جگمگ کر رہا ہے! اوپر چاندی کا ہودہ کسا ہوا ہے[3]۔ راجہ صاحب اسی میں بیٹھتے ہیں۔ یہ تو بڑا اونچا ہے! کیوں کر چڑھتے ہوں گے؟ پہلو میں سیڑھی

۱۔ بعد کے نسخوں سے یہ جملہ "مستک پر کلغی لگی ہے"، خارج کردیا گیا ہے۔

۲۔ " " میں "ان میں سے"

۳۔ بعد کے نسخوں سے یہ جملہ "لو وہ تو راجہ صاحب کے محل کے دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا"، خارج کردیا گیا ہے۔

لٹکتی رهتی هے۔ سہاوت هاتهی کو بٹھا دیتا هے۔ چرکٹا سیڑھی لگا دیتا هے۔ راجه صاحب اس پر سے چڑھ جاتے هیں۔ هاتهی اپنے سہاوت کا کہنا بہت مانتا هے۔ اشارے پر کام کرتا هے۔ اٹھتا هے، بیٹھتا هے، چلتا هے، تهم جاتا هے۔ جب وہ کہتا هے، تو سونڈ ماتھے پر رکھ کر راجه صاحب کو سلام بھی کرتا هے۔

امیر کی سواری گاؤں میں سے جارہی ہے

سردار صاحب گھوڑے پر سوار ہیں - پیچھے کئی خدمت گار ہیں - ایک چھتر کھول رہا ہے۔ دونوں طرف سائیس چوری لئے زین پوش پکڑے دوڑے آتے ہیں - ایک سپاہی ڈھال تلوار لگائے ہاتھ میں بلم لئے چلا آتا ہے۔ اردلی[1] میں کئی سوار ہیں - ہاتھوں میں جھنڈیاں ہیں - سارے نوکر اجلے ہیں - گھوڑے بھی خوب تیار ہیں - گاؤں کے لوگ تماشا دیکھنے نکل آئے ہیں - کچھ رستے میں کھڑے ہیں - کچھ دیوار پر سے دیکھ رہے ہیں - ایک پوچھتا ہے۔ ''یہ کون ہیں؟''

۱- بعد کے نسخوں میں ''اردل''

دوسرا کہتا ہے۔ ''بڑے سردار ہیں ، ان کے دادا نے وہ قلعہ بنایا تھا، باپ نے وہ گاؤں بسایا تھا، انہوں نے بھی گاؤں بسائے ہیں، باغ لگائے ہیں، مدرسے بنائے ہیں، سرکار میں ان کی بڑی عزت ہے، صاحب لوگ ان کی بہت خاطر کرتے ہیں، یہ ان کے ہاں جاتے ہیں، وہ ان کے ہاں آتے ہیں، لین دین کے کھرے ہیں، مہینے کے مہینے تنخواہ بانٹتے ہیں، نوکروں کو انعام بھی دیتے ہیں، خیرات بھی بہت کرتے ہیں۔ غرض سیکڑوں آدمی ان کی بدولت پلتے ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ خاندانی امیر ہیں''۔
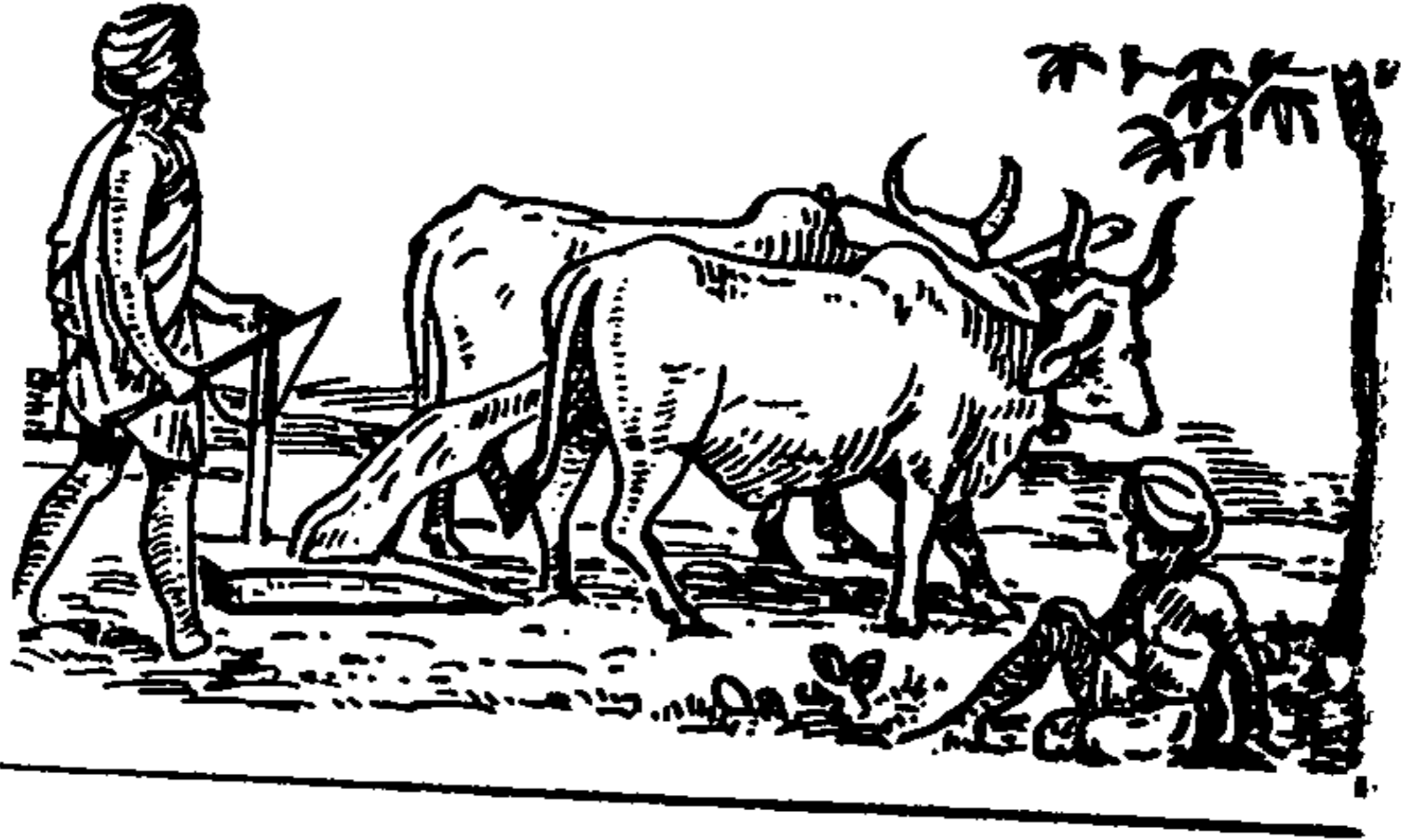
کسان ہل جوت رہا ہے

دیکھو! بائیں ہاتھ سے ہتی دبا رکھی ہے۔ دائیں ہاتھ میں سانٹا ہے[1]۔ سامنے درخت کے نیچے حقہ اور پانی کا گھڑا رکھا ہے۔ وہیں ایک لڑکا بیٹھا ہے۔ کسان بچارا کچھ رات سے اٹھا ہے۔ ہل اور بیلوں کو لے کر سویرے سویرے

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد یہ اضافہ ہے:
"بیل ہل کو گھسیٹے لئے جاتے ہیں۔ اس سے زمین کھدتی جاتی ہے۔ سامنے درخت کے نیچے پانی کا گھڑا رکھا ہے۔ وہیں ایک لڑکا بیٹھا ہے" کسان بچارا ....

کھیت پر آن پہنچا ہے۔ جب سورج سر پر آتا ہے[۱] ۔ تو گھر والی روٹی لاتی ہے ۔ یہ ہل کھول دیتا ہے ۔ بیلوں کو چارا ڈالتا ہے ۔ آپ ہاتھ منہ دھو کر ٹھنڈا ہوتا ہے ۔ روٹی کھاتا ہے ۔ حقہ پیتا ہے ۔ بیلوں کو پانی پلاتا ہے ۔ لیٹ کر تھوڑی دیر آرام لیتا ہے ۔ گھر والی ساگ پات لے کر چلی جاتی ہے ۔ کام زیادہ ہوتا ہے تو بےچارا اسی دھندے میں دن گزار دیتا ہے، نہیں تو اور کام کاج کرتا ہے ۔ جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو ہل اور بیلوں کو لیے کر گھر آتا ہے ۔ سر پر چارے کا گٹھا لاتا ہے ۔ بیلوں کے آگے چارا ڈالتا ہے۔ گھر والی دودھ دوھتی ہے ۔ روٹی پکاتی ہے ۔ یہ خوشی خوشی بال بچوں میں بیٹھ کر کھاتا ہے۔ پھر اس مزے[۲] سے پاؤں پھیلا کر سوتا ہے کہ بادشاہوں کو پھولوں کی سیجوں پر بھی نصیب نہیں[۳]۔

۱- بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد عبارت یوں ہے - ''تو یہ ہل کھول دیتا ہے - بیلوں کو چارا ڈالتا ہے - آپ ہاتھ منھ دھو کر ٹھنڈا ہوتا ہے - گھر والی روٹی لاتی ہے' یہ بیٹھ کر کھاتا ہے پھر حقہ پیتا ہے - ''

۲- ن ''آرام''

۳- تب : کہاں چین وہ بادشہ کو نصیب - کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب - اسمعیل میرٹھی

کسان کنواں چلا رہا ہے [1]

دیکھنا! کیا درختوں کی چھاؤں ہے! کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے۔ کیسا جی خوش ہوتا ہے! کنوئیں کے پاس ہی برابر برابر دو بیل پھر رہے ھیں [2]۔ چلتے چلتے ذرا تھم جاتے ھیں۔ تو کسان پھر ھانک دیتا ہے۔ رہٹ [3] چل رہا ہے۔

۱۔ ن میں ''رہٹ چل رہا ہے،،

۲۔ ن اس جملے کے بعد کی عبارت یوں ہے '' گدی پر لڑکا سانٹا لئے بیٹھا ہے۔ بیل چلتے چلتے ذرا تھم جاتے ھیں تو لڑکا ھانک دیتا ہے،،

۳۔ ھلٹ پنجابی (مصنف کا نوٹ)

روں روں آواز نکل رہی ہے۔ ٹنڈیں کنوئیں میں سے بھر بھر کر اوپر کو آتی ہیں۔ کاٹھ کی نالی میں پانی گرتا جاتا ہے۔ نالیوں نالیوں ہوکر کھیت میں جا پہنچتا ہے۔ کھیتی ہری ہو رہی ہے۔ جب اس ہریاول پر نظر پڑتی ہے تو آنکھوں میں ٹھنڈک آتی ہے۔ کھیتوں میں کئی طرح سے پانی دیتے ہیں۔ کہیں چرس سے کام لیتے ہیں، کہیں نہر سے پانی پہنچاتے ہیں۔ جہاں کنوئیں اور نہریں نہیں ہوتیں وہاں صرف مینہ کا آسرا ہے۔ وقت پر برسا تو سب کچھ ہے نہیں تو بچارے کسان جیتے جی مر لئے۔ خدا نے پانی عجب شے بنایا ہے۔ تمام جان دار اس کی طراوت سے[۴] تر و تازہ ہوتے ہیں۔ کھیتی باڑی، باغ کیاری اسی کی بدولت ہری بھری رہتی ہے۔

۴۔ ن ''اس کو پی کر،،

درزی کپڑے سی رہا ہے

یہ بڑا کاریگر ہے۔ کپڑا ایسا اچھا کترتا ہے کہ بدن پر ٹھیک آ جاتا ہے۔ کہیں جھول نہیں رہتا[1]۔ سیتا بھی نہایت عمدہ ہے۔ بڑا باریک بخیہ کرتا ہے۔ یہ اور خوبی ہے کہ ذرا سی بھی کترن بچتی ہے تو پھیر دیتا ہے۔ انہی باتوں سے یہ مشہور ہے۔ لوگ خوشی خوشی اسے کام دیتے ہیں۔ دکان میں کپڑوں کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ اکیلے سے

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد عبارت کی ترتیب یوں ہے۔ "بڑا باریک بخیہ کرتا ہے۔ اس میں یہ بڑی خوبی ہے کہ ......"

کام نہیں نبڑتا۔ شاگرد بٹھا رکھے ہیں۔ آپ بھی سیتا ہے۔ ان سے بھی کام لیتا ہے۔ غریب عورتوں کو بھی دے آتا ہے۔ دیکھو شاگرد سی رہے ہیں۔ آپ بھی کام میں لگا ہوا ہے۔ استری پاس رکھی ہے۔ جن کپڑوں کی سیونیں بٹھانی ہوتی ہیں ان پر استری کر دیتا ہے۔ جب تیار ہو جاتے ہیں تو مالک کو پہناتا ہے۔ ایسے ٹھیک آتے ہیں کہ اس کا جی خوش ہو جاتا ہے۔ ''میاں درزی! تم کپڑا تو خوب سیتے ہو پر دیر بہت لگاتے ہو۔ دو دن کا وعدہ کرتے ہو، آٹھ دن میں دیتے ہو،،۔ ''صاحب کیا کروں؟ کام بہت سینے والے تھوڑے۔ اپنی طرف سے تو بہتیری کوشش کرتا ہوں پر دیر ہو ہی جاتی ہے،،۔

پسنہاری آٹا پیس رہی ہے

دیکھنا! کیسی گھر گھر چکی چلاتی ہے! بیٹی ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ بچے کھیل رہے ہیں۔ اناج کی ٹوکری پاس دھری ہے۔ ماں ایک ہاتھ سے چکی چلاتی ہے دوسرے سے گلہ ڈالتی ہے۔ ایک ہاتھ تھک جاتا ہے تو دوسرا بدل لیتی ہے۔ سننا! ماں بیٹیاں گاتی بھی جاتی ہیں۔ اس سے محنت کم معلوم ہوتی ہے۔ روز کتنا پیس لیتی ہے؟ چھ سات سیر۔ جب پیس چکتی ہے تو کیا کرتی ہے؟ ٹوکری میں آٹا اٹھا لیتی ہے۔ تھوڑی دیر دم لے کر ہاتھ منہ دھوتی ہے۔ پھر آٹا لے جاتی ہے۔ تول کر مالک کو دے آتی ہے اور

گھیوں پیسنے لے آتی ھے[1]۔ پیسے کا کتنا پیستی ہے؟ دو سیر۔ آٹا مہین ھوتا ھے یا موٹا ؟ مہین۔ دانہ بھی دلتی ھے ؟ ھاں۔ دلائی کیا لیتی ھے ؟ ایک من کے دو پیسے۔ یہ اسی کی چکی ھے؟ نہیں کرائے پر لے رکھی ھے۔ ایک آنہ مہینہ دیتی ھے۔ بچاری بڑی غریب اور نیک ھے۔ دو برس ھوئے، خاوند مر گیا ھے[2]۔ ایک لڑکی ھے۔ دو چھوٹے چھوٹے لڑکے ھیں۔ جاڑا ھو یا گرمی۔ ڈیڑھ پہر پتھر سے پتھر رگڑتی ھے، جب چار پیسے کماتی ھے۔ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ھے۔

۱۔ زمانہ حال سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد کی عبارت یوں بدلی گئی ھے : ''سیر بھر کی پسائی کیا لیتی ھے ؟ دو پیسے۔ یہ تو بہت مہنگی پسائی ھے۔ اسی سبب سے تو اب لوگ پسنہاریوں سے نہیں پسواتے۔ مشین پر پسوا لیتے ھیں۔ وھاں تین پیسے میں پاں سیر پستا ھے۔ مگر بعض لوگ مشین کا پسا ھوا آٹا پسند نہیں کرتے۔ ھاتھ کا پسا ھوا ھی کھاتے ھیں۔ بعضے بنئے اس سے دانہ بھی دلوا لیتے ھیں۔ من بھر کے چار پیسے دیتے ھیں۔ یہ بچاری اسی کو غنیمت سمجھتی ھے اور اس میں تین چار آنے روز کما لیتی ھے۔ یہ اسی کی چکی ھے ......''

۲۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد کی ساری عبارت حذف کرکے یہ عبارت درج کی گئی : ''ایسی ھی محنت مزدوری کرکے بچوں کو پالتی ھے،، حالانکہ آزاد کا یہ جملہ ''ڈیڑھ پہر پتھر سے پتھر رگڑتی ھے جب چار پیسے کماتی ھے۔'' اپنی جگہ پر بھاری پتھر تھا۔

دھوبی کپڑے دھو رہا ہے

بڑی محنت کرتا ہے۔ شام کو بھٹی چڑھاتا ہے۔ صبح بیل پر لادی لادتا ہے اور گھاٹ کا رستہ لیتا ہے۔ کبھی نالے پر دھوتا ہے کبھی دریا پر۔ جاڑا ہو تو سردی ستاتی ہے۔ گرمی ہو تو دھوپ جلاتی ہے۔ دیکھو! دوپہر ہونے آئی، اب تک پانی میں کھڑا ہے۔ کپڑے چھانٹ رہا ہے۔ چھوا چھو برابر کر رہا ہے[1]۔ دیکھنا! دھوبن روٹی لائی ہے۔ بڑا لڑکا بھوکا ہے۔ ماں سے روٹی مانگ رہا ہے۔ چھوٹا کھلنڈرا ہے۔ بھوک کی پروا نہیں۔ کنکوا اڑا رہا ہے۔ میاں دھوبی! تمہارا گھر کہاں ہے؟ صاحب! وہ سامنے گاؤں

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد یہ عبارت ملتی ہے: ''درخت کے نیچے بیل بندھا ہے۔ جھاڑی کے پاس کتا بیٹھا ہے۔ دریا کے دونوں طرف کیسی ہریاول ہے۔ دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ دیکھنا! دھوبن روٹی لائی ہے۔ دھوبی کپڑا پٹڑے پر رکھ کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ کتے نے بھی دیکھ کر کان کھڑے کئے۔ اب دھوبی دریا سے نکلے گا۔ درخت کے نیچے چھاؤں میں بیٹھ کر روٹی کھائے گا۔ میاں دھوبی یہ کتا کیوں پال رکھا ہے؟ صاحب یہ تو ہمارا چوکیدار ہے''۔

نظر آتا ہے ، وهاں رهتا هوں۔ وہ تمہارا بیل ہے ؟ هاں۔
کتنے کو لیا ؟ پندرہ روپے کو۔ دیکھنا ! کتا تاک لگائے
بیٹھا ہے ۔ کہیں روٹی نہ اٹھا لے جائے۔ صاحب! یہ چوٹا
نہیں ۔ یہ تو همارا چوکیدار ہے ۔ دیکھئے ۔ امیروں کے کپڑے
میدان میں پھیلے پڑے هیں ۔ کیا مجال، کوئی پاس تو آ جائے۔
میاں دھوبی ! تمہارا کام بہت اچھا ہے ۔ میل کچیل سے
پاک صاف کرتے هو۔ اجلے کپڑے پہناتے هو۔

مچھلی والے مچھلیاں پکڑتے ہیں[1]

چلو! تماشا دیکھیں۔ دریا میں جال پڑا ہے۔ تین آدمی کھینچ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، بہت سی مچھلیاں آئی ہیں۔ دیکھنا! کیا جان پیاری ہے! کیسی گھبرا رہی ہیں! نکلنے کا رستہ ڈھونڈتی ہیں۔ اچھلتی ہیں۔ کودتی ہیں۔ جال کے پھندوں میں پھنستی ہیں، پر کیا کریں جال تو ایسی چیز نہیں۔ جس سے چھٹکارا ہوسکے۔ اب انہیں پانی سے باہر نکالیں گے۔ بازاروں میں لے جائیں گے۔ گلی کوچوں میں بیچتے پھریں گے۔ مچھلیاں پکڑنے کی اور بھی ترکیبیں ہیں؟ ہاں! بہتیری ہیں۔ کئی طرح کے جال ہیں۔ ان سے پکڑتے ہیں۔ تھوڑے پانی میں ٹوکروں سے کام لیتے ہیں۔ بعض شوقین بنسیوں سے پکڑتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے؟ بانس کی ایک پتلی سی چھڑ ہوتی ہے۔ ایک سرا موٹا، دوسرا پتلا، پتلی طرف ڈور کا ایک سرا بندھا ہوا۔ ڈور کے دوسرے سرے میں کانٹا۔ شکاری شکار کھیلتے وقت کانٹے میں آٹے کی گولی یا گوشت کا ذرا سا ٹکڑا لگا دیتے ہیں۔ کانٹا مچھلی کے حلق میں چبھ جاتا ہے۔ بچاری بے بس ہو جاتی ہے، اور ناچار شکاری کے بس میں آ جاتی ہے۔

۱۔ ن ''مچھیرے''

بنئے کی دکان

بنیا دکان پر بیٹھا ہے۔ ترازو لئے سودا تول رہا ہے[1]۔ سامنے گاھک کھڑے ھیں۔ کیا بڑی دکان ہے! ھر ایک سودا موجود ہے۔ جو چیز ہے، کھری ہے۔ دال، چاول اور آٹے کے ٹوکرے کیسے چوٹی دار بھرے ہوئے ھیں[2]! آؤ! اسی دکان سے سودا لیں۔ لالہ جی! دو روپے کا گھی دو۔ روپے کا آٹا۔ لیجئے! کیا بھاؤ دوگے؟ گھی روپے کا سوا سیر، آٹا پندرہ سیر[3]۔ کچھ زیادہ دو۔ فرق نہیں ہے۔ جہاں چاہئے

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد کی عبارت یوں ہے: ''دوسرا بنیا اناج کی بوریوں سے پیٹھ لگائے بیٹھا ہے۔ بنئے کا لڑکا دکان کے اندر ہے۔ جس وقت بہت سے گاھک آ جاتے ھیں تو تینوں کام کرنے لگتے ھیں۔ اس وقت تو ایک ھی گاھک دکان کے آگے بیٹھا ہے۔ ترازو کی طرف دیکھ رہا ہے کہ بنیا ڈنڈی نہ مار دے۔ دوسری طرف ایک فقیر کھڑا ہے۔ ھاتھ پھیلائے بھیک مانگ رہا ہے۔ کیا بڑی دکان ہے''۔

۲۔ ن ''دال چاول اور آٹے کی بوریاں بھری رکھی ھیں''۔

۳۔ ن ''گھی روپے کا بارہ چھٹانک' آٹا ساڑھے پانچ سیر''

ع۔ ایسی ھیں جیسے خواب کی باتیں! (مرتب)

پوچھ لیجئے ۔ اچھا ! تول دو ۔ یہ بڑا ہوشیار دکان دار ہے ۔ خریداروں کی کتنی ہی بھیڑ ہو ذرا نہیں گھبراتا۔ دم بھر میں سب کو بھگتا دیتا ہے[۱]۔ اس کے میلے کچیلے کپڑوں پر نہ جانا ۔ بڑا مال دار ہے ۔ ہزاروں روپے کا اناج ہر سال لیتا ہے۔ کھتے کے کھتے بھرے پڑے ہیں۔ چھوٹا موٹا لشکر آن اترے تو اکیلا ہی رسد دے سکتا ہے ۔ بڑی بڑی حویلیاں کھڑی ہیں ۔ دکانیں کرائے پر چلتی ہیں ۔ ابھی بیٹا بیٹی کا بیاہ رچائے یا کوئی حویلی بنائے تو دیکھو ۔ توڑے کے توڑے خالی کردے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ''بنئے کی کمائی، مکان یا بیاہ نے کھائی،، ۔

۱۔ بعد کے نسخوں میں اس جملے کے بعد کی عبارت یوں ہے : ''بڑا مال دار ہے ۔ ہر سال فصل پر ہزاروں روپے کا اناج بھر لیتا ہے ۔ وہی سال بھر بیچتا ہے ۔ بڑا فائدہ اٹھاتا ہے ۔ جب ہی تو اس کی بڑی بڑی حویلیاں کھڑی ہیں ۔،،

گھوڑے کے نعل بندھ رہے ہیں

ایک سائیس باگ ڈور پکڑے کھڑا ہے۔ دوسرا سم ترشوا رہا ہے۔ ایک لڑکا پاس آکر تماشا دیکھنے لگا۔ اس نے کبھی نعل بندھتے نہیں دیکھے۔ حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس کا پاؤں کیوں کاٹے ڈالتے ہو؟ نعل بند کہتا ہے۔ میاں! پاؤں نہیں کاٹتے، سم تراش رہے ہیں۔ نعل جڑیں گے۔ ان سے بڑا بچاؤ ہے[1]۔ ٹھوکر کم لگتی ہے۔ کنکر پتھر پاؤں میں نہیں چبھتے۔ گھوڑا آرام سے رہتا ہے۔ دوڑ دھوپ خوب کرتا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ!

۱۔ ن ''ان سے بڑا بچاؤ رہتا ہے،،

سم تراشنے سے دکھ نہیں ہوتا؟ میاں! دکھ تو جب ہو
کہ اس کے کچے سم تراشیں۔ ہم تو پکے سم تراشتے ہیں۔
اسی طرح نائی تمہارے ناخن کاٹتا ہے۔ اوہو! کیسی لمبی
لمبی کیلیں لگاتے ہو! ان سے لہو نہیں نکل آتا؟ میاں!
پکے سموں میں لگتی ہیں کچے سموں میں لگیں تو خون
نکلے۔ یہ گھوڑا تین پاؤں سے چپکا کھڑا ہے۔ اپنا پاؤں
کیوں نہیں چھڑا لیتا؟ بڑا غریب ہے۔ ابھی کوئی شریر
گھوڑا ہوتا تو دیکھتے کیسا اچھلتا کودتا، دلتیاں چلاتا،
اور مشکل سے قابو میں آتا۔

آرہ کش لکڑیاں چیر رہے ہیں

کیسی سخت لکڑی ہے! اس میں آرہ کم چلتا ہے۔ برادہ[1] بھی تھوڑا[2] نکلتا ہے۔ آرہ کشو! یہ کیا لکڑی ہے؟ سال ہے۔ صاحب! صبح سے اب تک پانچ چار ہی تختے چیرے ہیں اور ہاتھ رہ گئے ہیں۔ یہ لکڑی کس کام آتی ہے؟ تختے، کڑیاں، تخت[3]، چوکیاں اکثر بنتی ہیں[4]۔ یہاں اور کیا

۱- بور۔ پنجابی (مصنف کا نوٹ)
۲- ن ''کم''
۳- تخت پوش - پنجابی - (مصنف کا نوٹ)
۴- ن ''...... چوکیاں اس کی اکثر بنتی ہیں''

کیا لکڑی ہے ؟ شیشم، دیار۔ ان میں شیشم سب سے زیادہ مضبوط اور قیمتی ہے ۔ اس کی کرسیاں، صندوقچے، صندوقچیاں بہت بنتی ہیں، پر اس کثرت سے نہیں ہوتی کہ تختوں یا کڑیوں کے کام آئے۔ پنجاب میں دیار کی لکڑی اکثر خرچ ہوتی ہے ۔ اسے گھن نہیں لگتا۔ سستی بکتی ہے ۔ اس لئے عمارتوں میں بہت لگتی ہے۔ ریل کے کارخانوں میں بہت کھپتی ہے ۔ صندوق، الماریاں، میزیں کثرت سے بنتی ہیں ۔ چھوٹی چھوٹی اور چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں ۔ صاحب! بات تو یہ ہے کہ دنیا میں لکڑی سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور خاص کر ہم تو اسی کی بدولت ٹکڑا کھاتے ہیں ۔
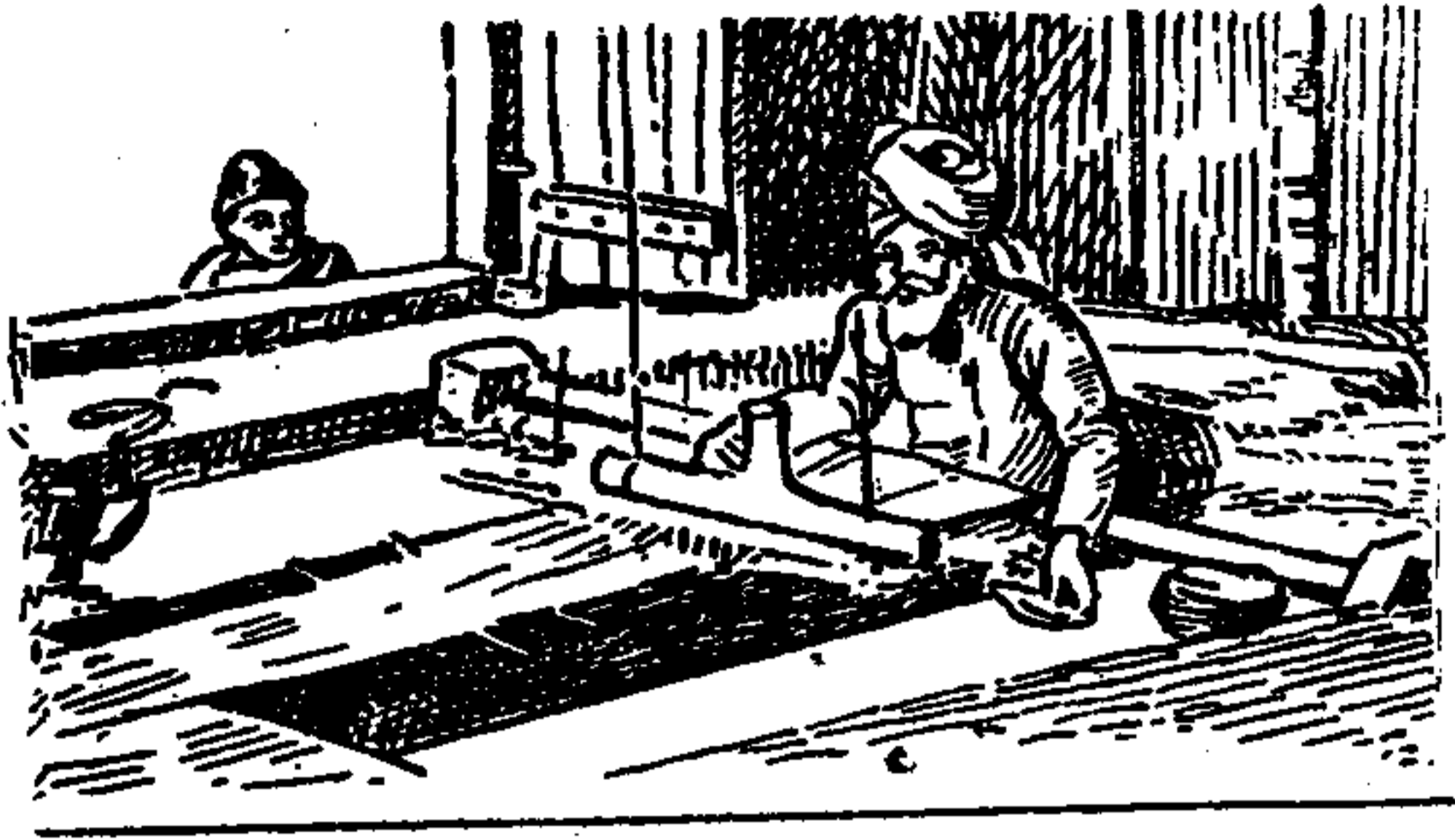
جُلاہا کپڑا بُن رہا ہے

کرگے[1] پر بیٹھا ہے۔ تانی تنی ہوئی ہے۔ ٹوٹے ہوئے تار سر پر لٹک رہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں نال ہے، دوسرے میں کنگھی کا ہتا۔ ادھر نال پھینکتا ہے ادھر لپکتا ہے اور کنگھی سے ٹھونکتا جاتا ہے۔ چھوٹا سا لڑکا دیکھ رہا ہے[2]۔ واہ رے تیری پھرتی! جہاں تار ٹوٹتا ہے وہیں جھٹ جوڑ دیتا ہے۔ میاں! یہ تھان کتنے کو بیچو گے؟ حضور! دو ڈھائی روپے کو بکے گا۔ اب اس کام میں کیا رہا ہے۔ جب سے کل

۱- کھڈی۔ پنجابی (مصنف کا نوٹ)

۲- ن ''چھوٹا سا لڑکا کوٹھے پر سے دیکھ رہا ہے۔''

کا کپڑا چلا ہے اسے ٹکے گز کوئی نہیں لیتا۔ اب تو نینو، لٹھے کی قدر ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ ہمارے ہاتھ کے کپڑے بڑے بڑے امیر پہنتے تھے۔ ایک دن یہ ہے کہ غریب بھی نہیں پوچھتے۔ کیا کریں؟ اپنے دن پورے کرتے ہیں۔ کمتی بڑھتی بیچ ہی ڈالتے ہیں۔ سنو! ہمت نہ ہارو، محنت کئے جاؤ۔ بہت نہ سہی تھوڑا ہی سہی۔ تمہارا کام بہت اچھا ہے۔ غریبوں کے تن ڈھکتے ہیں۔ امیروں کے بھی کام نکلتے ہیں۔ گو وہ آپ نہیں پہنتے پر ان کے سائبان پردے قناتیں اور تنبو بنتے ہیں۔

کولھو چل رہا ہے

تیلی تیل نکال رہا ہے ۔ کولھو میں تل پڑے ہوئے ہیں ۔ بیل چل رہا ہے۔ لاٹ پھر رہی ہے۔ تل پیلے جاتے ہیں ۔ تیل نکلتا آتا ہے۔ کولھو کے پیندے میں نالی ہے ۔ اس کے نیچے ہانڈی دھری ہے۔ جتنا تیل نکلتا ہے ہانڈی میں گر جاتا ہے ۔ جو پھوک رہتا ہے وہ کھلی کہلاتی ہے ۔ اسے نکال لیتے ہیں ۔ پھر اور تل ڈال دیتے ہیں۔ کھلی گائے بھینسوں کو کھلاتے ہیں ۔ اس سے دودھ زیادہ دیتی ہیں ۔ بھلا بیل کی آنکھیں کیوں ڈھانک رکھی ہیں؟ اس لئے

کہ کھانے پینے کی چیز کی طرف دھیان نہ کرے۔ کبھی ہانکنے والا پاس نہ ہو تو آپ ہی آپ پھرتا رہے۔ کیا یہی بیل دن بھر پھرا کرتا ہے؟ نہیں جی[1] ! دو ہیں۔ چار گھڑی ایک کام دیتا ہے چار گھڑی دوسرا۔ یہ عورت کون ہے ؟ تیلی کی بیوی ہے۔ بچہ رونے لگا تھا۔ اسے لے کر آن کھڑی ہوئی ہے۔ میاں سے کہتی ہے اسے لے کر ذرا کولھو پر بیٹھ جا۔ بچہ بھی باپ پاس جانا چاہتا ہے۔ دیکھو! دونوں ہاتھ پھیلا دئے ہیں۔ بیوی سے میاں کہتا ہے۔ ''ہٹ جا، میرا ہاتھ رکا ہوا ہے، کام میں حرج ہوگا،،۔

۱۔ ن ''جی نہیں،،

صُبح کی ہَواخوری

صبح کا وقت ہے۔ جی خوش ہے۔ آؤ! ذرا باغ چلیں۔ ہوا کھائیں۔ آہا! کیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے! رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ باغ مہک رہا ہے۔ آتے ہی دل باغ باغ ہوگیا۔ ذرا ہریاول کو دیکھنا! کہ آنکھوں میں طراوت آتی ہے! ہری ہری گھاس کیا ہے؟ سبز مخمل کا فرش بچھ رہا ہے۔ اس پر اوس کے قطرے پڑے ہیں، گویا مخمل پر موتی جڑے ہیں۔ درختوں پر کچھ اور ہی بہار ہے۔ کسی میں پھل لگا ہے۔ ڈالیاں جھوم رہی ہیں۔ کنواں چل رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا لڑکا بھی پاس کھڑا ہے۔ تماشا دیکھ رہا ہے۔ دوسرا بڑا شوقین ہے۔ ہاتھ میں کتاب ہے۔ سبق یاد کر رہا ہے۔ یہ مالی کیا کرتا ہے؟ پودا لگاتا ہے۔ چلو! سیر دیکھیں۔ بڑے میاں! یہ پودا کہاں سے لائے ہو؟ صاحب زادے! بادشاہی باغ سے لایا ہوں۔ کتنے دنوں میں جم جائے گا؟۔ جلدی پھوٹ آئے گا۔ گھڑے میں کیا ہے؟ پانی ہے۔ کیا کروگے؟ پودے میں دوں گا۔ اس سے جلدی ہرا بھرا ہو جائے گا۔

سویرے اُٹھنا

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی
عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی
خوشی کا تھا وقت اور ٹھنڈی ہوا
پرندوں کا تھا ہر طرف چہچہا
یہی جی میں آئی کہ گھر سے نکل
ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل
چھڑی ھاتھ میں لے کے گھر سے چلا
اور اک باغ کا سیدھا رستہ لیا

وھاں اور ھی جا کے دیکھی بہار
درختوں کی ہے ہر طرف اک قطار
کہیں ہے چنبیلی کہیں موتیا
گلاب اور گیندا کہیں ہے کھلا

کھلے پھول ھیں اس قدر جا بجا
کہ خوشبو سے ہے باغ مہکا ہوا
کہیں آم ھیں اور کہیں ھیں انار
کہیں کھٹے میٹھے ھیں دیتے بہار

لگے پھل درختوں میں ہیں اس قدر
کہ شاخیں زمین سے لگیں آن کر

بیاں کیجئے کیا ہری گھاس کا
بچھونا ہے مخمل کا گویا بچھا

یہ جی چاہتا ہے کہ اس فرش پر
پھریں لوٹتے ہم ادھر اور ادھر

یہ سبزی ہے اک لطف دکھلا رہی[۱]
طراوت ہے آنکھوں میں کیا آ رہی

خدا نے ہماری خوشی کے لئے
یہ سامان سارے ہیں پیدا کئے

سویرے ہی اٹھے گا جو آدمی
رہے گا وہ دن بھر ہنسی اور خوشی

نہ آئے گی سستی کبھی نام کو
کرے گا خوشی سے ہر اک کام کو

رہے گا وہ بیماریوں سے بچا
یہ ہے سو دواؤں سے بہتر دوا

۱- ن بعد کے ایڈیشنوں میں یہ مصرع یوں ہے :
"ہے سبزی تر و تازگی لا رہی"

سورج کے فائدے

بس اٹھ بیٹھو بیٹا بہت سو چکے
بہت وقت بیکار تم کھو چکے

نکل آیا سورج بڑی دیر کا
ذرا آنکھ کھولو بہت دن چڑھا

نہ سو اب نہیں ہے یہ سونے کا وقت
اٹھو ہے یہ منہ ہاتھ دھونے کا وقت

اگر ہاتھ منہ دھو کے آؤ ابھی
سنائیں تمھیں آج باتیں نئی

یہ سنتے ہی لڑکا ہوا اٹھ کھڑا
وہیں ہاتھ منہ دھو کے حاضر ہوا

کہا باپ نے پھر بڑے پیار سے
سنو! آج سورج کے تم فائدے

یہ دنیا میں کرتا بہت کام ہے
بڑے ہم کو دیتا یہ آرام ہے

یہ نکلے تو دے دن ہمیں کام کو
چھپے جب تو دے رات آرام کو

یہ کرتا ہے چاروں طرف روشنی
نظر جس سے آتی ہیں چیزیں سبھی

اسی روشنی کا تو ہے نام دھوپ
یہی دھوپ رکھتی ہے دُنیا میں روپ

پڑا کرتی سردی ہے جب زور کی
تو یہ دھوپ لگتی ہے کیسی بھلی

غریبوں کو سردی میں بھاتی ہے یہ
ٹھٹھرنے سے ان کو بچاتی ہے یہ

پکائے اناجوں کی یہ کھیتیاں
جنھیں روز کھاتا ہے سارا جہاں

نہ ہو یہ تو پھر ہے کہاں زندگی
ہیں اس کی بدولت تو جیتے سبھی

خدا کی عنایت ہے ہم پر بڑی
کہ سورج سی نعمت ہمیں اس نے دی

کریں خوبیاں اس کی کیا ہم بیاں
خدا کی یہ قدرت کا ہے اک نشاں

جھوٹ کی بُرائی

ایک لڑکا بکریاں اپنی سدا
گاؤں کے باھر چرایا کرتا تھا
ایک دن سوجھی شرارت یہ اسے
گاؤں کے لوگوں سے کچھ ٹھٹھا کرے

چڑھ کے اک ٹیلے پہ چلانے لگا
شیر آیا شیر آیا دوڑنا
سن کے یہ غل رھنے والے گاؤں کے
لاٹھیاں ھاتھوں میں لے کر آگئے

شیر کا پایا نہ واں آکر پتا
وہ تو بالکل جھوٹ تھا چلا رھا
سب نے لڑکے سے کہا اے بے ادب
سچ بتا اس جھوٹ کا ھے کیا سبب

کھل کھلا کر پھر تو وہ ھنسنے لگا
اور کہا میں نے تو ٹھٹھا تھا کیا
وہ خفا ھوکر بہت اس بات سے
گاؤں کو سب واں سے الٹے پھر گئے

ایک دن کرنا خدا کا کیا ہوا
اس طرف اک شیر سچ مچ آگیا

پھر وہی کہہ کر وہ چلانے لگا
شیر آیا شیر آیا دوڑنا

لیکن اب اس کا یقین آتا کسے
اس کو تو جھوٹا تھے سب واں جانتے

کوئی بھی جب واں نہ آیا گاؤں سے
پھاڑ ڈالا آکے لڑکا شیر نے

پائی جھوٹے نے سزا یہ جھوٹ کی
بول کر جھوٹ اس نے اپنی جان دی

بولتا ہے جو کوئی جھوٹ ایک بار
پھر نہیں رہتا ہے اس کا اعتبار

جھوٹ جو لڑکا نہ بولے گا کہیں
بات کو اس کی کریں گے سب یقیں

جھوٹ جو بولے گا وہ پچھتائے گا
سچ بھی اس کا جھوٹ سمجھا جائے گا

سچائی

سنا ہے کہ لڑکا تھا اک ہونہار
بہت اس کو ماں باپ کرتے تھے پیار
محبت سے دی ایک دن باپ نے
اک آری اسے کھیلنے کے لئے
وہ آری کو لے کر بہت خوش ہوا
اسی وقت رستہ لیا باغ کا
وہاں ایک دو پیڑ ایسے بھی تھے
لگائے تھے جو باپ نے شوق سے
ہری ٹہنیاں جس قدر ان میں تھیں
وہ آری سے لڑکے نے سب کاٹ دیں
گیا شام کو باپ جب باغ میں
تو اجڑا ہوا جا کے پایا انھیں
خفا ہوکے بیٹے سے اس نے کہا
اجاڑا ہے کس نے انھیں سچ بتا
ڈرا وہ بہت خوف سے باپ کے
مگر جھوٹ بولا نہ کچھ باپ سے

کہا یہ نہیں ہے کسی کی خطا
جو سچ پوچھئے تو ہے میری خطا

بہت خوش ہوا باپ اس بات سے
کیا پیار اور دیں دعائیں اسے
عجب طرح کا نیک لڑکا تھا وہ
کہ سچ بولنے سے نہ ڈرتا تھا وہ

"تمھیں بھی کسی کا اگر خوف ہو
تو سچ کے سوا کچھ نہ ہرگز کہو
اگر تم سے ہو جائے کوئی قصور
تو ہے تم کو اقرار کرنا ضرور

خطا کا جو اقرار کرتے ہیں صاف
قصور ان کا ہوتا ہے اکثر معاف
جو اپنی خطا کو نہیں مانتے
انہیں لوگ ہیں سب برا جانتے

ہمیشہ سچائی کو رکھو عزیز[1]
کہ سچ کے برابر نہیں کوئی چیز

۱- آزاد نے سچائی بروزن فعولن استعمال کیا ہے - م

گنبد کی آواز

ایک گنبد میں کوئی لڑکا گیا
دیر تک واں کھیلتا پھرتا رہا
کھیلنے میں وہ جو بولا زور سے
آئی گنبد سے وھی آواز اسے

پہلے گذری تھی نہ یہ حالت کبھی
دل میں حیرانی سی لڑکے کے ہوئی
ھکا بکا ھو کے وہ کہنے لگا
کون ھے یہ میری نقلیں کر رھا

اب بھی پہلی ھی طرح اک آن میں
اپنی ھی آواز آئی کان میں
صبر یہ سن کر نہ پھر اس کو رھا
منہ میں جو کچھ آیا سو اس نے کہا

جو کہا تھا پھر سنا آخر وھی
اس پہ آیا اس کو غصہ اور بھی
جب نہ یہ معلوم لڑکے کو ھوا
کون گنبد میں ھے اس سے بولتا

گھر اسی دم واں سے آیا دوڑ کر
دی یہ اپنے باپ کو آکر خبر

کوئی اس گنبد میں ہے لڑکا چھپا
گالیاں ناحق ہے مجھ کو دے رہا

میں نے اس کو ہر طرف دیکھا مگر
کوئی واں آیا نہیں مجھ کو نظر

باپ نے تب اس کے یہ ہنس کر کہا
واں نہیں بیٹا کوئی لڑکا چھپا

وہم ہے جھوٹا ہے یہ تیرا خیال
گالیاں دینے کی تھی کس کو مجال

کچھ نہ تھا گنبد کی وہ آواز تھی
جو کہا تونے، سنا تونے وہی

گر برا سننا نہیں ہو چاہتے
بول منہ سے مت نکالو تم برے

جو بھلا کہتے ہیں سنتے ہیں بھلا
جو برا کہتے ہیں سنتے ہیں برا

خدا کی شکرگزاری

عنایت کا اس کی بیاں کیا کریں
عجب نعمتیں اس نے بخشیں ہمیں

زمیں اپنے بندوں کے رہنے کو دی
ہوا سانس لینے کی خاطر ملی

بجھانے کو پیاس ان کی پانی دیا
پکانے کو دی آگ اس نے بنا

اناج اپنی رحمت سے پیدا کیا
جسے کھا کے جیتا ہے چھوٹا بڑا

کہیں پھول ہیں سونگھنے کے لئے
کہیں اس نے کھانے کو میوے دئے

زباں دی کہ بولا کریں سچ سدا
نگہ دی کہ دیکھیں بھلا اور برا

دئے کان سننے کو باتیں ہمیں
سمجھ اس لئے دی کہ سوچیں انہیں

دئے ہاتھ ہر کام کے واسطے
دئے پاؤں سیر اور سفر کے لئے

ہمیں رات دی اس نے آرام کو
ہمیں دن دیا محنت اور کام کو

جو کاموں سے ہوتی نہ فرصت کبھی
جو جینے کی پھر کوئی صورت نہ تھی
اٹھاتے نہ تکلیف اگر کام کی
تو لذت نہ پاتے کچھ آرام کی

ہمیشہ ہماری خوشی کے لئے
نئے موسم آتے ہیں اور دن نئے
بہت جب ستاتی ہے سردی ہمیں
تو وہ بھیج دیتا ہے گرمی ہمیں

بہت زور کرتی ہیں جب گرمیاں
تو برکھا سے ہوتا ہے ٹھنڈا جہاں
سما ہے ہمارے لئے نت نیا [۱]
نہ گرمی سدا ہے نہ سردی سدا

خدا نے ہمیں دیں بڑی نعمتیں
ہمیں چاہئے شکر اس کا کریں

۱- بعد کے نسخوں میں یہ مصرع یوں ہے :
''ہمیشہ سما دیکھ لیجئے نیا،،

ہمدردی

مسافر غریب ایک رستے میں تھا
وہ چوروں کے ہاتھوں میں جا کر پھنسا
لئے اس بچارے کے کپڑے اتار
کیا گھائل اور ادموا مار مار

وہ زخمی پڑا تھا تڑپتا جہاں
مسافر کوئی آن نکلا وہاں
کہ ہم مذہب اور اس کا ہم قوم تھا
بہت نیک تھا اور بڑا پارسا

مگر کچھ نہ کی اس کے دکھ پر نظر
گیا بلکہ اس راہ کو چھوڑ کر
اسی طرح ہم مذہب اک اور بھی
ادھر سے گیا اور پروا نہ کی

و لیکن مسافر کسی شہر کا
کہ تھا ذات و مذہب میں اس سے جدا
جو گذرا ادھر رحم آیا اسے
وہیں خاک پر سے اٹھایا اسے

دئے باندھ گھاؤ لگا کر دوا
لیا اپنے گھوڑے پہ اس کو بٹھا

سرا میں وہ جنگل سے لایا اسے
یہاں کچھ کھلایا پلایا اسے

سرا دار سے دوسرے دن کہا
کہ اس کی خبر لیتے رہنا ذرا

یہ اک اشرفی مجھ سے اس وقت لو
زیادہ جو ہو خرچ وہ بھی کرو

سفر سے جب اپنے پھرے آؤں گا میں
تو سب کوڑی کوڑی چکاؤں گا میں

غرض رحم کو جن کے دل میں ہے راہ
وہ دکھ درد میں سب کے ہیں خیرخواہ

غریبوں کا غم آپ کھاتے ہیں وہ
اور ان کے لئے دکھ اٹھاتے ہیں وہ

یہی رات دن ہے ہماری دعا
کہ ہم کو بھی ایسا ہی دل دے خدا

ہے آزاد ۔ اللہ کا جسکو ڈر ÷ بھلا جانتا ہے اگر جان کا

وہی دکھ میں لیتے ہیں سبکی خبر ÷ تو کر درد ہر ایک انسان کا

فقط

مری پیاری امّاں

نہ کچھ مجھ میں طاقت تھی جس آن اماں
نہ اچھے برے کی تھی پہچان اماں
تمھیں سب طرح تھیں نگہبان اماں
تمھیں کو تھا ہر دم مرا دھیان اماں

مری پیاری اماں، مری جان اماں

مجھے پیار سے دودھ تم نے پلایا
تھپک کر محبت سے تم نے سلایا
بہت دن مجھے گودیوں میں پھرایا
مجھے سکھ دیا آپ نے دکھ اٹھایا

مری پیاری اماں، مری جان اماں

کبھی اپنی گودی میں مجھ کو لٹانا
کبھی میٹھی باتوں سے مجھ کو ہنسانا
کبھی پیار کرنا گلے سے لگانا
نہ بھولوں گا میں عمر بھر وہ زمانہ

مری پیاری اماں، مری جان اماں

جو دکھ سے کبھی نیند مجھ کو نہ آئی
تو اس فکر میں رات تم نے گنوائی
کبھی کچھ دوائی کھلائی پلائی
کبھی کوئی میٹھی سی لوری سنائی

مری پیاری اماں، مری جان اماں

تمھیں نے ہے اچھا طریقہ سکھایا
تمھیں نے ہے رستہ خدا کا بتایا
تمھیں نے گناھوں سے مجھ کو بچایا
تمھیں نے مجھے آدمی ہے بنایا

مری پیاری اماں، مری جان اماں

بہت کی مرے ساتھ تم نے محبت
اٹھائی مرے واسطے سخت محنت
اگر دے خدا مجھ کو عمر اور دولت
تمھاری بجا لاؤں ھر طرح خدمت

مری پیاری اماں، مری جان اماں

حصۂ دوم

اردو کی دوسری کتاب

فہرست مضامین

صفحہ

جانوروں کا بیان

درختوں کا بیان

صفحہ

وقت اور موسموں کا بیان

نظم

جانوروں کا بیان

کبوتر

ماں نے بچے کے بہلانے کو کبوتر پال رکھے ہیں - چھت پر کھڑی دانہ ڈال رہی ہے - بچہ تماشا دیکھنے ماں کے پاس جانا چاہتا ہے - سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہے - دیکھو! ایک کبوتر چھت پر بیچ میں بیٹھا ہے - دوسرا گردن جھکائے دانہ چگ رہا ہے - کئی کبوتر چھت کے کنارے منڈیر پر بیٹھے ہیں - ان میں ایک لقا ہے، سینہ کسے، دم کو چنور کئے - ایک چھتری سے نیچے کو اتر رہا ہے - چھتری کہاں ہے؟ وہ سندر کی دیوار سے بندھی ہوئی ہے - ایک سینہ کسے دیوار پر بیٹھا ہے - ایک اوپر سے نیچے کو آ رہا ہے- وہ کہاں؟ شوالے کے کلس کے برابر- ایک محراب کے چھجے پر بھی ہے -

کبوتر کیا ستھرا جانور ہے - اس کی بھولی بھالی صورت، پیاری گردن، اس کی بانکی چال، رسیلی

آنکھیں ، اس کا رنگ ، اس کا روپ ، دیکھنے کے قابل ہے۔ ایسی محبت اور ملنساری کسی پرندے میں نہیں۔ دیکھو! سب مل کر کیسے ساتھ اڑتے ہیں۔ آدمی سے کیسے ھل جاتے ہیں اور کس وفاداری سے اسے نباہتے ہیں۔ ان کی یاد تعریف کے قابل ہے۔ وہ اپنے گھروں کو خوب پہچانتے ہیں۔ منزلوں سے بھاگ کر آتے ہیں ، اور برسوں بھی نہیں بھولتے۔ جن لوگوں کو سفر میں بڑے بڑے جوکھوں کے کام پڑتے ہیں وہ ایسے بھروسے کے کبوتر پالتے ہیں ، اور جب جاتے ہیں تو ایک دو ساتھ لے جاتے ہیں۔ ضرورت پڑتی ہے تو مطلب لکھ کر کاغذ ایک کے گلے میں باندھ دیتے ہیں۔ وہ لے کر سیدھا گھر پر آ جاتا ہے۔

بعض کبوتر فقط خوبصورتی کے لئے پالتے ہیں۔ انہیں میں سے لقا ہیں۔ مگر کبوتر کیا ہے ایک تماشا ہے۔ مور تو کبھی ناچتا ہے ، یہ جب کھڑے ہوں ، جبھی ناچتے ہیں۔ دم کو چنور کرتے ہیں ، اور سینہ اس قدر ابھارتے ہیں کہ پیچھے لڑھکے جاتے ہیں۔ دو قدم بڑھتے ہیں ، چار قدم ھٹتے ہیں ، بڑی مشکل سے پل کے پل ذرا سیدھے ہوتے ہیں۔ دو دانے کھائے ، پھر اکڑنے لگے۔

لوٹن عجیب طلسمات کا کبوتر ہے۔ ابھی بھلا

چنگا پھرتا تھا ابھی ذرا تم نے ھلایا ، اور ایک پلٹا دے کر زمین پر چھوڑ دیا ، وہ اس طرح لوٹنے لگتا ھے گویا ذبح کیا ھوا جانور تڑپتا ھے ۔ اسے تھوڑی دیر میں اٹھا لیتے ھیں ۔ اگر جلدی سے اس کے سر کو نہ پھونکیں تو تڑپ کر مر جائے ۔

کبوتر اور کبوتری بڑے پیار سے رھتے سہتے ھیں ۔ دونوں اپنے انڈوں بچوں سے بہت محبت رکھتے ھیں ۔ جب انڈوں پر ھوں اور کوئی ھاتھ ڈالے تو جھنجھلا کر کبھی چونچ مارتے ھیں ، کبھی پر مارتے ھیں ۔ کبوتری ایک دن بیچ کرکے دو انڈے دیتی ھے ۔ پہلے سے اکثر نر پیدا ھوتا ھے ، دوسرے سے مادہ ۔ دونوں باری باری سے انڈے سیتے ھیں ، مگر کبوتری زیادہ سیتی ھے ۔ بیس اکیس دن میں بچے نکلتے ھیں ۔ وہ بچوں کو بڑی محبت سے پالتے ھیں ۔ جب پر نکل آتے ھیں ، اور چگنا سیکھ جاتے ھیں تو ماں باپ بھرانا چھوڑ دیتے ھیں ۔ پھر آپ اور انڈے دینے کی تیاری کرتے ھیں ، اور انہیں پر مار مار کر نکال دیتے ھیں کہ جاؤ ، چرو چگو ، آپ اپنا پیٹ پالو ۔

مور

دیکھنا درخت کے ایک ٹہنے پر مور بیٹھا ہے، دوسرے پر مورنی۔ مور گردن موڑے مورنی کو دیکھ رہا ہے۔ چبوترے پر دیکھو کیا بہار ہے۔ ایک مور ناچ رہا ہے۔ کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ صراحی دار گردن ہے۔ سر پر شاہی تاج ہے۔ دم کو ایسا پھیلاتا ہے، گویا خوب صورت سا گول پنکھا بنایا ہے۔ اس میں سامنے سے دیکھو تو چاند ہی چاند جڑے ہیں۔ کوئی لاجوردی نظر آتا ہے، کوئی سنہری۔ جب ان پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو رنگ برنگ کے روپ دکھاتے ہیں۔ پیچھے سے جا کر دیکھو تو دم کی اوجھل میں مور نظر ہی نہیں آتا۔ اس وقت کوئی اس کے پاس بھی جا کھڑا ہو تو اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

مور کیوں ناچتا ہے؟ یہ خوبصورت اور بانکا جانور ہے۔ اپنی خوبصورتی کو آپ بھی جانتا ہے، اوروں پر بھی جتانی چاہتا ہے۔ لو! مورنی کو سامنے دیکھا ہے، اپنے حسن کی بہار اس کو دکھا رہا ہے۔

مور آدمی سے کم ڈرتا ہے، اور ہلانے سے ہل جاتا ہے۔ شوقین لوگ اس کے بچے پالتے ہیں لیکن

کوئی باغ پاس ہوتا ہے تو بڑے ہوکر وہاں جا رہتے ہیں ۔ سور ایسا اڑنے والا نہیں ۔ کبھی جی چاہا تو ایک درخت سے اڑا ، دوسرے پر جا بیٹھا ۔

اس کی خوشی یہ ہے کہ سہانا جنگل ہو ، ہرے ہرے درخت ہوں ، زمین پر ہریاول ہو ، یہ آہستہ آہستہ چلتا پھرتا ہو ، جیسے کوئی امیر ہے کہ اپنے باغ میں ٹہل رہا ہے ۔ جب جی چاہا ایک دو آوازیں لگادیں کہ دور دور تک جنگل گونج اٹھا ۔ شام کے وقت اکثر مورنی کو پکارتا ہے ، اور جب بادل گرجتا ہے یا توپ بندوق کی آواز سنتا ہے تو بھی اسی طرح بولتا ہے ۔ اگر جنگل میں بہت سے سور ہوں تو سب بولتے ہیں ۔ اس وقت عجب بہار ہوتی ہے ۔

سور مندروں اور گاؤوں کے پاس رہتے ہیں ۔ صبح شام دانہ چگنے میدانوں یا کھیتوں میں چلے جاتے ہیں ۔ جب گرمی پڑتی ہے تو درختوں کے سائے میں آ جاتے ہیں ۔ رات کو درختوں پر بسیرا لیتے ہیں ۔ ہندو انہیں اچھا جانتے ہیں ، اور بعض جگہ ان کو مارنے کی ممانعت بھی کرتے ہیں ۔ اس کی دم کے پروں کے مورچھل بنتے ہیں ۔ انہیں خوب صورت جان کر مندروں اور خانقاہوں میں اکثر رکھتے ہیں ۔ بچوں کو اس کی دم کا کوئی پر مل جاتا ہے تو کیا خوش ہوتے ہیں ۔ ایک ایک

کو دکھاتے ہیں۔ پر کیا ہے ایک تماشا ہے۔ کیا چمک دمک ہے۔ سورج کی کرن پڑتی ہے تو کیا بہار دکھاتا ہے۔

مورنی کے پروں پر چمک دمک کچھ نہیں ہوتی۔ سچ پوچھو تو، یہ دلہن اس دولہا کے لائق نہیں۔ شوقین لوگ جنگل سے اس کے انڈے لے آتے ہیں، اور مرغی کے نیچے بٹھا دیتے ہیں، مگر وہ دو سے زیادہ نہیں سے سکتی۔

کوا

دیکھنا! ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی ہے - روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں ہے- کووں نے بچہ دیکھ کر آن گھیرا ہے - بچاری کا ٹکڑا چھینے لیتے ہیں - کوئی پر پھیلا کر آیا ہے - کوئی تاک لگائے بیٹھا ہے - کوئی گردن موڑے دیکھ رہا ہے - غرض جو ہے اسی تاک میں ہے کہ داؤں لگے تو ٹکڑا ہاتھ سے چھین لے - بچاری حیران ہے- ننھی سی جان ہے- کیا کرے جس ہاتھ میں ٹکڑا ہے اس سے ہنکائے تو ٹکڑا اچک لے جانے کا ڈر ہے - دوسرے ہاتھ سے ہٹائے تو وہ زمین پر ٹکا ہوا ہے - اسی کے سہارے بیٹھی ہے - گر پڑنے کا خوف ہے - ناچار ٹکڑا چھاتی سے لگا لیا ہے -

یہ بڑا ڈھیٹ جانور ہے - چال بھی سب سے نرالی ہے - جہاں تہاں ایسا کودتا پھرتا ہے، گویا ساری زمین اس کے باپ دادا کی جاگیر ہے - انگنائی سے اڑایا دیوار پر جا بیٹھا - دیوار سے اڑایا منڈیر پر آ بیٹھا - جہاں پیٹھ موڑی پھر انگنائی میں موجود ہے - سیانا بڑا ہے - ذرا سے اشارے کو تاڑ جاتا ہے، اور جھٹ اڑ جاتا ہے - مگر وہاں سے ہٹ کر پھر سامنے آ بیٹھتا ہے ،

اور اس طرح کائیں کائیں کرتا ھے، گویا لڑتا ھے۔

کوئی جگہ اس سے خالی نہیں۔ آبادی ھو یا ویرانہ جنگل ھو یا پہاڑ، جہاں جاؤ کوا موجود ھے۔ وھی اس کی کالی وردی ھے، وھی اس کی کائیں کائیں۔ چوری اس کی ذات میں ھے۔ جو چیز پاتا ھے، اٹھا لے جاتا ھے۔ اس کے کام کی ھو یا نہ ھو۔ اس کی نظر بہت تیز ھے۔ دور سے دیکھتا ھے اور چلاتا ھوا دوڑتا ھے۔

یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو بہت ستاتا ھے۔ انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ جہاں یہ موذی آیا اور ان کے ھوش اڑے۔ یا تو فوراً اڑ جاتے ھیں یا بچارے چلاتے ھیں۔ ایسا معلوم ھوتا ھے، جیسے کوئی ظالم کی فریاد کرتا ھے۔ بچاری چڑیا کی تو جان کا دشمن ھے۔ جہاں اس کے انڈے بچے ھوں ھر وقت منڈلاتا رھتا ھے، اور موقع پاتا ھے تو جھٹ انہیں چونچ میں دبا کر اڑ جاتا ھے۔ وہ بچارے چیں چیں کرتے رہ جاتے ھیں۔

صبح ھوئی اور اس نے کائیں کائیں شروع کی۔ میٹھی نیند میں وہ آواز کیسی کڑوی لگتی ھے۔ مگر اسے سارا دن ھے اور پیٹ کا دھندا ھے۔ پہلے تو جو پاس پڑوس میں نظر آیا وہ اڑایا پھر گدھوں کے آگے مردار پر داؤں لگایا۔ باغ میں جا کر دو چار پھل چرا

کھائے۔ کھیتوں پر جا کر کرم چگے۔ وہاں کچھ
بویا ہوا ہے تو اسے خراب کیا۔ درختوں پر کسی
کے انڈے بچے چٹ کئے۔ پھرتے پھرتے شام ہوگئی،
اور تھک گیا تو وہاں سے اڑا، اور اپنے ٹھکانے ھی
پر جا کر دم لیا۔

کووں کا ایکا تعریف کے قابل ھے۔ ایک آواز
دیتا ہے تو بیسیوں کوے کائیں کرتے آن
موجود ہوتے ھیں۔ یہ همیشه بڑے بڑے درختوں پر
گھونسلا بناتا ہے، اور اونچی ٹہنیوں پر رهتا ہے۔
کوے کوی میں بہت محبت ہوتی ہے۔ یہ گرمی میں
انڈے دیتی ہے۔ ایک چرنے چگنے کو جاتا ھے،
ایک گھونسلے پر رهتا ہے۔ مگر جب دیکھتا ہے کہ
کسی کا ارادہ گھونسلے پر ہے تو کائیں کائیں کرنے
لگتا ہے۔ آس پاس کے کوے جمع ہو جاتے ھیں۔
وہ غل مچاتے ھیں۔ جھپٹ جھپٹ کر آتے ھیں، اور
موقع پاتے ھیں تو ٹھونگ بھی مار جاتے ھیں۔

بھینس

دیکھنا! جوھڑ میں کئی بھینسیں ھیں۔ ایک کی پیٹھ، سینگ اور کچھ سر دکھائی دیتا ھے، باقی دھڑ پانی میں ھے۔ ایک کا صرف سر نظر آتا ھے۔ چرواھا باھر لکڑی لئے کھڑا ھے۔ ایک کو اینٹیں مار کر باھر نکال رھا ھے، باقی کو بھی اسی طرح نکالے گا۔

بھینس بڑی بھدی ھوتی ھے۔ تھوڑی دور بھی نہیں بھاگ سکتی۔ گلے کے گلے لڑکے ھانکتے ھیں۔ جنگل لے جاتے ھیں۔ پیٹھ پر چڑھ بیٹھتے ھیں۔ ڈنڈے مارتے ھیں۔ شام ھوتے سب کو گھیر لاتے ھیں۔

گرمی سے بہت گھبراتی ھے۔ کیچڑ پانی میں ھو تو خوش رھتی ھے۔ پانی کو غنیمت سمجھتی ھے۔ نہر، تلاؤ، جوھڑ جہاں پانی پاتی ھے، جھٹ گھس جاتی ھے۔ بہت پانی ھو تو کھڑی رھتی ھے۔ تھوڑا ھو تو جھٹ بیٹھ جاتی ھے۔ سارا بدن اس میں چھپا لیتی ھے، مگر تھوتھنی باھر نکال دیتی ھے کہ دم نہ گھٹے۔ اس کی گردن گائے کی نسبت خدا نے اونچی بنائی ھے۔

اس میں طاقت بہت ھوتی ھے۔ جہاں ندی نالے میں زور کا پانی جاتا ھو اور پار جانا ھو تو بھینس

کو پانی میں ڈالتے ھیں - دم پکڑ لیتے ھیں اور پار اتر جاتے ھیں - اسے بہاؤ کے زور کی کچھ پروا نہیں - گہرا پانی ہو تو تیر بھی جاتی ہے۔ جو تیراک نہ ہو وہ اس پر سوار ہو جاتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ جب چاہتی ہے بیٹھ جاتی ہے - سوار بچارا غوطے کھاتا رہ جاتا ہے۔

یہ گائے سے بہت زیادہ دودھ دیتی ہے، اور دودھ بھی گاڑھا ہوتا ہے - اس میں بہت مکھن نکلتا ہے مگر مزے میں گائے کا دودھ اچھا ہوتا ہے -

بھینسے لادنے کے کام آتے ھیں اور بیلوں سے زیادہ بوجھ اٹھاتے ھیں - ہزاروں من اناج اور اسباب شہر بشہر پہنچاتے ھیں -

کوے بھی اس غریب کو بھدا سمجھتے ھیں - اس پر آ بیٹھتے ھیں ، اور ٹھونگیں مارتے ھیں ، مگر اس میں اسی کا فائدہ ہے - اس کے بدن میں چیچڑیاں لگی ہوتی ھیں وہ چن لیتے ھیں - جب بھینس کا دودھ دوھتے ھیں تو بچے کو پاس کھڑا کرلیتے ھیں - جب تک وہ تھن میں دو منہ نہ مارے دودھ نہیں اترتا - اس میں مالک کا فائدہ ہے - بچے کو باندھ رکھتے ھیں ، اور اسے چرائی پر بھیج دیتے ھیں - گوالا دودھ نہیں دوہ سکتا - بکری میں یہ بات نہیں - اسے کوئی ہو، جہاں چاہے دوہ لے -

جیسی پلی ہوئی بھینس غریب ہوتی ہے۔ ویسی ہی جنگلی بھینس مرکھنی ہوتی ہے۔ جنگلی نر ارنا بھینسا کہلاتا ہے۔ اس میں ایسا زور ہوتا ہے کہ ٹکر مارتا ہے تو ہاتھی کو بھی گرا دیتا ہے۔

گھوڑا

یہ کن لوگوں کی تصویر ہے؟ عرب کے رہنے والوں کی ہے۔ کیونکر جانا؟ لباس سے۔ بتاؤ اس میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ کھجوروں کے چار درخت ہیں۔ دو خیمے کے پاس ہیں۔ دو گھوڑے کے پیچھے ہیں لیکن بہت دور ہیں، اس لئے چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک بڑا سا خیمہ کھڑا ہے جس کی چوٹی کھجوروں کے نیچے نظر آتی ہے۔ اس کے سامنے بچھیرا گردن موڑے کھڑا ہے۔ بچھیرے کے پاؤں کے پاس کاٹھی پڑی ہے۔ ایک عورت بچے کو سہارا دئے بیٹھی ہے۔ بچہ دامن میں گھوڑی کو دانہ کھلا رہا ہے باپ ہاتھ میں برچھا لئے کھڑا دیکھ رہا ہے۔

عرب کے گھوڑے خوب صورتی میں مشہور ہیں مگر ان میں بڑی خوبی یہ ہے کہ بھوک پیاس کے دکھ اٹھاتے ہیں، گرمی سردی میں کڑی منزلیں کرتے ہیں اور نہیں ہارتے۔ عرب کے لوگ جنگلوں میں اپنے خیمے ڈالے پڑے رہتے ہیں۔ وہی ان کے گھر ہیں۔ انھی میں اپنے اپنے گھوڑوں کو بھی رکھتے ہیں۔ وہ انہیں بال بچوں کی طرح پالتے ہیں اور گھوڑے بھی اسی طرح

رھتے ھیں۔ بچے انہیں پیار کرتے ھیں۔ ان سے کھیلتے ھیں۔ وہ بچوں سے کھیلتے ھیں۔ کیا مجال کہ کسی کو دکھ دیں۔

گھوڑا سمجھ دار جانور ھے۔ اپنے تھان کو پہچانتا ھے۔ اپنے آقا کو جانتا ھے۔ بلکہ جس رستے ایک دو دفعہ جائے اسے بھی نہیں بھولتا۔

ایک گھوڑی گاؤں میں تھی اور اپنے بچے کو لئے جنگل میں چرا کرتی تھی۔ ایک دن دوڑی دوڑی مالک کے گھر آئی۔ ھنہنانے لگی۔ معلوم ھوتا تھا کہ کچھ بے چین ھے۔ مالک سمجھا کہ ضرور کچھ نہ کچھ صدمہ اس پر ھوا۔ اور گھوڑی ھنہناتی ھوئی پھر بھاگی۔ مالک بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ ایک نالہ پاس تھا۔ وھاں آئی تو معلوم ھوا کہ گھوڑی کا بچہ اس میں گر پڑا ھے اور نکل نہیں سکتا۔ مالک نے آدمیوں کو بلا کر اسے نکلوایا اور گھوڑی کو بہت پیار کیا۔

اس میں خوبی یہ ھے کہ جس طرح سدھاؤ سیکھ جاتا ھے۔ رسالوں اور توپ خانوں میں گھوڑے آدمیوں کی طرح بگل کی آواز سمجھتے ھیں۔ قواعد میں کبھی سوار گر پڑتے ھیں تو خالی گھوڑے اسی طرح کام دئے جاتے ھیں۔ بگل کی آواز پر دائیں، بائیں، آگے،

پیچھے بڑھتے ہیں، ہٹتے ہیں۔ جب رسالہ پھر کر آتا ہے تو وہ بھی آتے ہیں اور اپنے تھان پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ لڑائی میں ایک رسالے کا بگل بجانے والا گھوڑے پر سے گر پڑا، اور اس کا گھوڑا کسی طرح دشمن کی فوج میں جا پڑا۔ وہاں ایک اور سپاہی نے اسے پکڑ لیا، اور سوار ہوکر میدان میں لڑنے آیا۔ بگل والے نے دور سے دیکھ کر پہچان لیا اور اپنے بگل میں بلانے کی آواز دی۔ گھوڑا سنتے ہی آواز پر دوڑا اور اس سوار سمیت اپنے لشکر میں چلا آیا۔

ایک توپ خانے میں گھوڑوں کی جوڑی ساتھ جتا کرتی تھی۔ ایک دن توپ خانہ لڑائی پر گیا، اور ایک گھوڑا مارا گیا۔ دوسرا جیتا پھر آیا۔ جب لا کر باندھا تو وہ اکیلا ادھر ادھر دیکھتا رہا، جیسے کسی کو ڈھونڈتا ہے۔ یہ گھوڑا اپنی جوڑی کے ساتھ دانہ کھایا کرتا تھا۔ جب دانہ سامنے لا کر رکھا تو اس پر بھی منہ نہ ڈالا۔ ایک اور گھوڑے کو پاس لا کر کھڑا کیا۔ پھر بھی نہ کھایا۔ یوں ہی بھوکا پیاسا کھڑا رہا۔ آخر تین دن کے بعد مر گیا۔

گھوڑا کیسا ہی تھکا ماندہ ہو، سواری سے نہیں ہٹتا، اور گرمی کی شدت میں ہمت نہیں ہارتا۔ جس

طرح ہو، منزل پر پہنچا ہی دیتا ہے۔ سواروں پر اکثر وقت پڑے ہیں کہ گھوڑا اڑا کر بھاگے ہیں۔ اس وفا دار نے انہیں ٹھکانے پر پہنچایا ہے، اور خود پہنچتے ہی مر گیا ہے۔ ایسی صورت وہاں ہوتی ہے، جہاں سوار کی جان ہی پر آ بنے۔ نہیں تو ایسا بے رحم کون ہوگا جو بے زبان جانور سے ایسی سخت محنت لے۔

اس کے جسم کی بہت سی چیزیں کام میں آتی ہیں۔ چمڑے کے کپے بنتے ہیں، بالوں کی چوڑیاں، پٹھوں اور نسوں کا سریش۔ ہڈیوں سے چھریوں کے دستے، سموں سے طرح طرح کی اور چیزیں بناتے ہیں۔ چربی کا تیل نکال کر جلاتے ہیں۔

اُونٹ

آؤ تمہیں ایک تصویر دکھائیں۔ بتاؤ اس میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ سرس کا درخت ہے جسے پنجاب میں سریں کہتے ہیں۔ اس درخت کی جڑ میں ایک ساربان بیٹھا ہے۔ سامنے حقہ دھرا ہے۔ ایک اور ساربان کھڑا ہے۔ اس کی پیٹھ دکھائی دیتی ہے۔ اونٹ کے ہیں؟ سات ہیں۔ ایک ادھر کو پیٹھ موڑے بیٹھا ہے۔ ایک کے منہ میں رسی بندھی ہے۔ ایک نے ٹہنی توڑی ہے۔ پتے کھا رہا ہے۔ ساربانوں کے پیچھے کی طرف ایک اونٹ کھڑا ہے اور ایک بیٹھا ہے۔ دائیں طرف کو ایک سر جھکائے گھاس کھا رہا ہے۔ ایک اس کے پاس بیٹھا ہے جہاں چھوٹے چھوٹے دو درخت نظر آتے ہیں۔ ایک طرف کو اونٹوں کا اسباب بھی پڑا ہے۔

اونٹ کی صورت دیکھی؟ کیسی نرالی وضع کی ہے! چھوٹا سا سر، ٹانگیں اور گردن لمبی اور پتلی، بیچ میں سے پیٹھ اونچی۔ ہاں سچ ہے۔ جبھی یہ مثل مشہور ہے۔ 'اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'۔ لیکن سوچو تو کوئی چیز فائدے سے خالی نہیں۔ دیکھو! لمبی گردن نہ ہوتی تو زمین پر کیوں کر

چرتا ؟ پانی کیونکر پیتا ؟ ٹانگیں چھوٹی ہوتیں تو درختوں کے پتے کیونکر کھاتا ؟ گھوڑا لگام سے قابو میں رہتا ہے ، یہ نکیل سے۔ دیکھو! ایک پتلی سی رسی ناک میں پڑی ہے، اور اتنا بڑا جانور بے بس ہے۔

یہ اصل میں ان ملکوں کا جانور ہے جہاں ریت زیادہ ہوتی ہے اور پانی کم، اسی لئے خدا نے اس کا جسم بھی ویسا ہی بنایا ہے۔ دیکھو! پپوٹے بھاری ہیں ، اور لٹکے ہوئے۔ ان سے آنکھوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ گرمیوں میں ریگستان کے اندر دھوپ بڑی تیز پڑتی ہے۔ یہی پپوٹے دھوپ کی تیزی سے بچارے کی آنکھیں بچاتے ہیں۔ نتھنے ایسے ہیں جب چاہے بند کر لے۔ ان سے بڑا آرام ہے۔ ریگستان میں بڑے زور شور کی آندھیاں آتی ہیں۔ ریت کے ڈھیر ایک طرف سے اڑتے ہیں، دوسری طرف جا پڑتے ہیں۔ یہ غریب نتھنے بند کر لیتا ہے، اور اس دکھ سے بچا رہتا ہے۔ لمبے لمبے ہونٹ ہیں۔ ان میں اتنی طاقت ہے کہ جھاڑیوں کے پتے آسانی سے توڑ لیتا ہے۔ اوپر کا ہونٹ پھٹا ہوا ہے۔ کوئی چیز پکڑنی ہو تو اس سے بھی پکڑ سکتا ہے۔ خدا نے منہ ایسا بنایا ہے کہ جھاڑیوں کے کانٹے ذرا نہیں چبھتے۔ کانٹوں دار جھاڑیاں بہت بھاتی ہیں جو ریگستان میں اکثر ہوا کرتی ہیں۔ گھاس ، درختوں کے

پتے، کڑوے ہوں یا کسیلے، غرض جو سامنے آجائے وہی اس کا چارا ہے۔ پیٹ ایسا بنایا ہے کہ بہت سا پانی ایک بار پی لیتا ہے کہ پانچ چھ دن کو کافی ہوتا ہے۔

اس کی پیٹھ پر چربی کا ایک بے ڈول سا پنڈا ہے۔ اسے کوہان کہتے ہیں۔ اس میں یہ عجیب بات ہے کہ جب اونٹ کو کئی کئی دن کھانا نہیں ملتا تو یہ چربی پگھلتی ہے، اور اس کی غذا بنتی ہے۔ غور سے دیکھو تو اس کے پاؤں میں دو انگلیاں معلوم ہوتی ہیں، اور ان پر ناخن جیسے سم ہوتے ہیں۔ پاؤں خوب چوڑا ہوتا ہے، اور پنجے کی طرف سے نرم اور لچک دار جیسے بگھی کی گدی۔ یہی باعث ہے کہ ریت پر اچھی طرح ٹکتا ہے مگر جہاں کیچڑ ہو، وہاں پھسل جاتا ہے، اور بچارا بری طرح گرتا ہے۔

جب بوجھ لادتے ہیں تو نکیل پکڑ کر بٹھا لیتے ہیں۔ بچارا منہ پھاڑ پھاڑ کر غل مچاتا ہے، سر ہلاتا ہے، اور لدے جاتا ہے۔ جب ڈاک اور ریل نہ تھی تو اس سے بڑے بڑے کام نکلتے تھے۔ اب بھی جہاں ریل نہیں، وہاں سینکڑوں من مال یہی اٹھاتے ہیں، اور ملکوں ملکوں میں پہنچاتے ہیں۔ رستے میں پہاڑ آئے یا جنگل، کہیں نہیں رکتے۔

لدو اونٹ سے سواری کا اونٹ تیز اور خوب صورت ہوتا ہے۔ نر ہو یا مادہ اسے سانڈنی کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک پچاس ساٹھ کوس چلنا کوئی بڑی بات نہیں۔

اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں، پر مزیدار نہیں ہوتا۔ کہیں کہیں مکھن اور گھی بھی نکالتے ہیں۔ بالوں کے چغے اور دھسے بناتے ہیں۔

ہاتھی

ذرا تصویر دیکھو! سڑک پر کئی آدمی جا رہے
ھیں ۔ ایک عورت کے سر پر ٹوکرا ھے ۔ ایک اونٹ بھی
چلا جاتا ھے ۔ ھاتھی سونڈ اٹھا کر پانی پھینک رہا ھے ۔
درزی بالا خانے پر بیٹھا کام کرتا تھا ۔ اس کے منہ پر
پانی پڑ رہا ھے ۔ غریب نے دونوں ھاتھ منہ کے سامنے
کر لئے ھیں ، لیکن پانی کب رک سکتا ھے ۔ بچارا سارا
بھیگ گیا ھے ۔ قینچی سے کچھ کترتا تھا ۔ وہ ھاتھ سے
چھٹ گئی ھے ۔ آؤ اس ھاتھی اور درزی کی کہانی سنائیں :

کہتے ھیں ۔ کسی امیر کا بہت پیارا ھاتھی تھا ۔
مہاوت روز دریا پر نہلانے لے جایا کرتا تھا ۔ رستے میں
ایک درزی کی دکان تھی ۔ ایک دن ھاتھی نے دکان
میں سونڈ ڈالی ۔ درزی روٹی کھا رہا تھا ۔ ایک روٹی
اس کی سونڈ میں دے دی ۔ ھاتھی روٹی لے کر چلا گیا ۔
جب دوسرے دن ادھر آیا تو پھر سونڈ بڑھائی ۔ درزی
کو بھی خیال تھا، اس نے کچھ روٹی رکھ چھوڑی تھی ،
وہ دے دی ۔ اسی طرح دونوں کی دوستی ھو گئی ۔
جب ھاتھی آتا، اور سونڈ ڈالتا، کبھی درزی روٹی دیتا ،
کبھی ترکاری ، کبھی میوہ ۔ ھاتھی خوشی لے کر

چلا جاتا۔ ایک دن درزی کچھ خفا بیٹھا تھا۔ ہاتھی نے آکر سونڈ ڈالی۔ درزی نے اس میں سوئی چبھو دی۔ ہاتھی نے جلدی سے سونڈ کھینچ لی، اور چپکا چلا گیا۔ جب دریا سے پھرا تو بہت سا کیچڑ پانی سونڈ میں بھر لایا۔ دکان کے پاس آیا تو سونڈ اٹھا کر درزی پر سب ڈال دیا۔ درزی کیچڑ میں بھر گیا۔ اچھے اچھے کپڑے سئے جاتے تھے، وہ بھی خراب ہوگئے۔ ہاتھی جھومتا جھامتا چلا گیا۔ درزی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

خدا کی قدرت دیکھو، کیا ڈیل ڈول ہے، اور کیسا بھدا جانور ہے۔ پھر بھی پھرتی میں کچھ کم نہیں۔ عقل میں آدمی کی طرح اشارے سمجھتا ہے۔ بہادری میں شیر سے لڑتا ہے۔ جب چنگھاڑ مارتا ہے تو شیر کا دل دہل جاتا ہے۔ اس کا سر تو دیکھو جیسے دو تربوز ملا کر دھر دئے ہیں۔ کان دیکھو جیسے دو چھاج ہل رہے ہیں۔ آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ دیکھتا کم ہے مگر سنتا بہت ہے۔ دور سے آہٹ پاتا ہے تو جھٹ چوکنا ہو جاتا ہے۔

اس کے دانت لمبے اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ برس کے برس، کبھی تیسرے چوتھے برس انہیں کاٹ ڈالتے ہیں۔ وہ پھر نکل آتے ہیں۔ ہاتھی دانت سے جو چیزیں بنتی ہیں تم نے دیکھی ہونگی۔ کیا خوب صورت

ہوتی ہیں۔ اکثر نروں کے ایسے دانت ہوتے ہیں۔
ان دانتوں کے سوا ہاتھی کے منہ میں اور بھی دانت ہیں۔
ان سے اپنی خوراک کھاتا ہے۔ اس لئے یہ مثل مشہور
ہے۔ 'ہاتھی کے دانت، کھانے کے اور دکھانے کے اور'۔
یہ مثل وہاں بولتے ہیں جہاں دل میں کچھ اور ہو،
زبان پر کچھ اور۔ اس کی سونڈ دیکھو، کیا لمبی ہے۔
یہی اس کی ناک ہے۔ یہی اسے پنجے کا کام دیتی ہے۔
اسی سے ہر ایک چیز کو اٹھا لیتا ہے۔ اسی سے چارا
کھاتا ہے۔ اسی میں ایک مشک پانی کھینچ لیتا ہے۔
اسی سے منہ میں ڈال کر پی جاتا ہے۔

اسی میں درخت کی ٹہنی پکڑتا ہے، اور پنکھے
کی طرح ہلاتا ہے۔ اسی کے سرے پر ایک چھوٹی سی
چیز ہے، وہ انگلی کا کام دیتی ہے۔ تھان پر جب لیٹتا
ہے تو پہلے گھاس یا درختوں کی ٹہنیاں بچھا لیتا ہے۔
کروٹ بدلتا ہے تو ادھر بچھونا کر لیتا ہے۔ ہاتھی
پانی میں بڑا خوش ہوتا ہے۔ دریا میں غوطہ مارتا ہے.
اور سونڈ کا سرا باہر نکال دیتا ہے۔ گھڑیوں اندر ہی
بیٹھا رہتا ہے۔ جب ہاتھی تھان پر ہو تو سر پر
مٹی اچھال کر کھیلتا ہے، مگر سواری میں خاک نہیں
اڑاتا۔ سکھانے سے بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ ہر کام کے
لئے لفظ مقرر ہیں۔ اسی آواز پر اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے،

بیٹھتا ہے ، اٹھتا ہے، ٹھیرتا ہے ، گری ہوئی چیز اٹھا لیتا ہے ۔ جسے سہاوت کہے ، سلام کرتا ہے ۔

جب سہاوت راتب کھلاتے ہیں تو بڑے بڑے نوالے بناتے ہیں، اور گھاس میں لپیٹ کر سونڈ میں دیتے جاتے ہیں ۔ کوئی سہاوت چوٹا ہو تو جس نوالے کو اشارہ کردے ہاتھی گلے میں چھپا رکھتا ہے ۔ الگ آکر مانگے تو جوں کا توں جیسا تھا ویسا ہی نکال کر دے دیتا ہے ۔

دیکھو! اتنا بڑا جانور ہے ، نہ اس کو نکیل کی ضرورت ہے نہ لگام کی حاجت ۔ سہاوت گردن پر سوار ہے ، جدھر پاؤں کا اشارہ کرتا ہے ، ادھر ہی گردن جھکائے چلا جاتا ہے ۔

ہاتھی بادشاہوں اور امیروں کی سواری دیتے ہیں ۔ جو شیر کا شکار کرتے ہیں وہ ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں ، اور بندوق سے شیروں کو مارتے ہیں ۔ ہاتھی عمارتوں کے لئے بھاری چیزیں ڈھوتے ہیں ۔ ندی نالوں سے پار اتارتے ہیں ۔ بڑی بڑی توپیں کھینچتے ہیں ۔ لشکروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں ۔ جب تک توپخانے نہ تھے تو لڑائی حملے کے وقت بہت کام آتے تھے ۔ لیکن یہ جانور اول تو آگ سے بہت ڈرتا ہے ، دوسرے توپ کا ایک گولا لگے تو بچارا ایسا گر پڑتا ہے ، جیسے کوئی مکان

گرا ، اور توپ کی گرج سے ڈر کر بھاگتا ہے تو اپنی ہی فوج کو روندتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس واسطے اب لڑائی کے کام میں نہیں لیتے۔

پنجاب میں ہاتھی کا بن نہیں۔ بنگالے ، بہار ، دکن کی طرف بہت ہوتے ہیں۔

اکثر ایسے جنگلوں میں رہتے ہیں جہاں گھنے درخت ہوں۔ وہاں اپنے آرام کی جگہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں گلے کے گلے پھرتے ہیں ، اور ایک گلے میں ایک ہی کنبے کے ہاتھی ہوتے ہیں۔ کبھی مل بھی جاتے ہیں ، مگر جب کچھ ڈر معلوم ہوتا ہے تو کنبے کنبے کے ہاتھی الگ الگ غول باندھ لیتے ہیں۔ ہاتھی جنگل میں پھرنے چلنے کو دور دور نکل جاتے ہیں ، مگر بڑے بندوبست سے جاتے ہیں۔ ایک آگے چلتا ہے کہ بھلے برے کی خبر رکھے ، اور یہ اکثر بوڑھی ہتنی ہوتی ہے ، اور جب سوتے ہیں تو اس وقت بھی کوئی نہ کوئی چوکیدار ہشیار رہتا ہے۔ وہ بھی اکثر ہتنی ہوتی ہے۔

ان کا گلہ پکڑنا ہو تو یہ ترکیب کرتے ہیں کہ جس بن میں یہ رہتے ہیں۔ وہاں بہت سے آدمی مل کر جاتے ہیں۔ جب یہ خبر پاتے ہیں کہ ہاتھی چلے آتے ہیں تو ان کے گرد پھیل جاتے ہیں۔ اور دو تین

گھنٹے میں بانسوں کا ایک حلقہ بنا لیتے ہیں۔ یہ حلقہ چھ سات میل کا ہوتا ہے۔ اس حلقے کے اندر ایک اور چھوٹا سا حلقہ بلیوں کا تیار کرتے ہیں۔ یہ حلقہ گھن دار درختوں کی آڑ میں ایسی جگہ بناتے ہیں کہ جہاں ہاتھیوں کی آمد رفت ہوتی ہے۔ اس کا دروازہ چار گز چوڑا رکھتے ہیں۔ دروازے سے پچاس گز تک دو طرفہ باڑ سی باندھ دیتے ہیں۔ باڑ کے اندر کے رخ خندق کھود دیتے ہیں۔ جب یہ کام کر چکتے ہیں تو بندوقیں چھوڑتے ہیں، اور شور مچاتے ہیں۔ جب ہاتھی حلقے کے اندر آ جاتے ہیں تو جھٹ دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ اکیلا ہاتھی کئی ترکیبوں سے پکڑا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے، لیکن بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ تین چار سدھے ہوئے ہاتھی لے جاتے ہیں۔ ان پر موٹے موٹے رسے ہوتے ہیں۔ ایک سرا ہاتھی سے بندھا ہوتا ہے، دوسرے میں پھندا۔ ہر ایک ہاتھی پر تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ مہاوت گردن پر، پھندا ڈالنے والا پیٹھ پر، ریلنے والا دم کے پاس پٹھوں پر۔ جب جنگلی ہاتھی پاس رہ جاتا ہے تو ہاتھیوں کو اس کے پیچھے ڈالتے ہیں۔ زد میں آ جاتا ہے تو پھندے والے ادھر ادھر سے اس کی گردن میں پھندے ڈالتے ہیں، اور بچارے کو پھانس لیتے ہیں۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہتنی کے ساتھ اور ہاتھیوں کا غول اکثر دو تین دن وہیں رہتا ہے۔ اس عرصے میں بچہ چلنے پھرنے لگتا ہے اور سفر کے قابل ہو جاتا ہے۔ کہیں دریا کے پار جانا ہوتا ہے تو ماں پانی میں پیچھے رہتی ہے، بچے کو آگے کرتی ہے، اور سونڈ سے سہارا دیتی ہے۔ جب تین چار مہینے کا ہو جاتا ہے تو پانی میں اکیلا تیرتا ہے یا ماں کے کندھوں پر چڑھ لیتا ہے۔ ہاتھی پچیس برس میں پورے قد کا ہوتا ہے۔ پینتیس برس میں خوب مضبوط ہو جاتا ہے۔ اکثر اسی برس تک جیتا ہے۔ کوئی سو یا سو سے زیادہ تک بھی پہنچتا ہے۔

کُتّا

جہاں دس گھر بھی آدمیوں کے ہوں گے وہاں ایک کتا ضرور موجود ہوگا۔ اس کی خوبیاں ایسی ہیں کہ خواہ مخواہ اس کا رہنا غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ ایسا غریب، ایسا ہشیار، ایسا محبت والا کوئی جانور نہیں۔ یہ اشرافوں کا دربان ہے۔ گڈریوں کا چوکیدار ہے۔ شکاریوں کا مددگار ہے۔

اس کی سمجھ بہت اچھی ہے۔ جس طرح سدھاؤ، اسی طرح کام کرتا ہے۔ اسے غریبی اور امیری برابر ہے۔ جس کا ہو رہا، اسی کا ہو رہا۔ سوکھے ٹکڑے آدھے پیٹ کھائے گا مگر جس گھر کا ہے وہیں رہے گا۔ اچھے کھانوں کے لئے امیر کے گھر نہ جا رہے گا۔ اپنے مالک کا برے وقتوں میں رفیق رہتا ہے، اور وقت پڑے پر جان تک دے دیتا ہے۔ یہ نیک جانور نیکی کو یاد رکھتا ہے۔ برائی کو بھول جاتا ہے۔ نیکی کرنے والا اسے دکھ بھی دے تو خیال نہیں کرتا۔ ابھی بلائیے تو دم ہلاتا چلا آتا ہے۔ جس ہاتھ سے مار کھاتا ہے، دم بھر میں اسی کو چاٹنے لگتا ہے۔

دیکھو! تصویر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماں

بچے کو چارپائی پر سوتا چھوڑ کہیں کام کو گئی ہے۔ بھیڑئے نے لڑکے کو کپڑے سمیت پکڑ کر گھسیٹ لیا ہے، مگر بچے کے بچانے کو گھر کا وفادار کتا چلا آتا ہے۔ یقین ہے ایسا بچائے گا جیسا اس کہانی میں ہے۔

ایک شخص کو شکار کا بہت شوق تھا۔ اس نے ایک کتا بھی پال رکھا تھا۔ اسے بہت پیار کرتا، اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک دن شکار کو گیا اور کتے کو گھر چھوڑ گیا۔ اس کے نہ ہونے سے شکار میں بھی مزا نہ آیا۔ شام کو پھر کر آیا تو کتا اسے دیکھتے ہی دم ہلاتا دوڑا آیا۔ اس نے دیکھا کہ کتے کا منہ اور پنجے لہو میں بھرے ہیں۔ اندر آیا تو دیکھا کہ جا بجا لہو کی چھینٹیں بھی پڑی ہیں۔

اس شخص کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اسے ادھر ادھر دیکھا، کہیں دکھائی نہ دیا۔ پکارا تو بھی نہ بولا، سمجھا کہ کتے نے ضرور بچے کو مار ڈالا۔ بہت رنج ہوا۔ تلوار کھینچ کر دوڑا، اور بولا۔ "کہ ظالم تو نے غضب کیا، میرے کلیجے کے ٹکڑے کو پھاڑ کھایا"۔ غریب کتا دبک کر زمین پر گر پڑا، اور اس کی طرف ایسا دیکھنے لگا، جیسے کوئی کہتا ہے کہ رحم کرو، رحم کرو۔ مالک کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو رہی

تھی۔ ایک ایسی تلوار ماری کہ کتے نے ایک چیخ ماری ، اور دم توڑ کر رہ گیا۔ بچہ اس کا الگ کمرے میں سوتا تھا۔ کتے کی آواز سے وہ چونکا، اور رونے لگا۔ یہ حیران ھوکر وھاں گیا۔ دیکھے تو بچہ بھلا چنگا اپنے بچھونے پر لیٹا ھے ، اور ایک بھیڑیا اس کے پاس مرا پڑا ھے۔ معلوم ھوا کہ بھیڑیا گھر میں گھس آیا تھا۔ وہ بچے کو کھانا چاھتا تھا، اور کتے ھی نے اسے مار کر بچے کی جان بچائی تھی۔ بچے کو جلدی سے گود میں اٹھا لیا، اور بہت پچتایا، مگر پھر پچتائے سے کیا ھوتا تھا۔

تم اکثر دیکھوگے کہ ٹھنڈے ملکوں میں کتوں کے لمبے اور گھن کے بال ھوتے ھیں، اور گرم ملکوں میں چھوٹے چھوٹے۔

خدا کی قدرت ھے جہاں خدا کسی کو رکھتا ھے ویسے ھی سامان دے دیتا ھے۔ بھلا ان بچاروں کو وھاں لحاف توشک کون دیتا۔

اس کی پھرتی اور دوڑ غضب ھے۔ بڑے بڑے بھگیت جنگلی جانور اس کا شکار ھیں۔ خرگوش ، لومڑی قسمت ھی سے بچ نکلتے ھیں۔ شکار کی بو دور سے لیتا ھے اور بو کے پتے پر زمین کھود کے نکال لاتا ھے۔ مگر ان باتوں کے لئے سدھانا ضرور ھے۔ ھمارے ملکوں

میں کسی کو خیال نہیں۔ ولایت میں لوگوں نے قسم قسم کے کتے پالے ہیں۔ انہیں سدھایا ہے۔ ان سے سب طرح کے کام لئے اور معلوم کیا کہ کس قسم کا کتا کیا کام دیتا ہے۔ کوئی گھروں کا چوکیدار ہے۔ کوئی بھیڑوں کے گلوں پر رہتا ہے۔ کوئی لومڑی کے شکار کا ہے۔ کوئی خرگوش مارتا ہے۔ جب شکار بھاگ جاتا ہے، بو دار کتا اس کی بو پر جاتا ہے، اور پکڑوا دیتا ہے۔ پہاڑوں میں مسافر برف کے نیچے دب جاتے ہیں تو کتے انہیں نکالتے ہیں۔ پانی میں چیز پھینک دو تو کتے غوطہ مار کر نکال لاتے ہیں۔ بعض کتوں نے ڈوبتے آدمیوں کو نکالا ہے۔ ایک قسم کا کتا ہوتا ہے کہ اسے چیز دکھا دو اور اس سے الگ ہو کر کہیں چھپا دو، پھر گھنٹہ بھر کے بعد کوس دو کوس جا کر کہو کہ جاؤ، وہ چیز لے آؤ۔ کتا جاتا ہے، اور جہاں ہو، دیکھ بھال کر نکال لاتا ہے۔ بعض ملکوں میں کتوں کو گاڑیوں میں جوتتے ہیں۔ وہ خاصی طرح کھینچتے ہیں۔ ان میں تیس تیس کتے تک لگتے ہیں۔ دن بھر میں ستر اسی میل جاتے ہیں۔ یہاں ہوں تو ایک تماشا ہو جائے۔ ہمارے ملک کے کتے ہشیار نہیں، نہ انہیں کوئی ایسا سدھاتا ہے۔ پھر بھی بعض جگہ کتے بڑے کام دیتے ہیں۔ سیکڑوں بکریوں کا

ریوڑ ہوتا ہے۔ ایک یا دو کتے چوکیداری کرتے ہیں۔ بھیڑئے کی مجال نہیں کہ پاس آسکے۔ دو کتے بھیڑئے کو مار لیتے ہیں۔

نیولا

ذرا جھاڑی کی طرف دیکھنا۔ نیولے اور سانپ کی لڑائی ہو رہی ہے۔ نیولا بڑا سیانا ہے۔ سانپ کی گردن منہ میں ایسی دبائی ہے کہ بچارے کی زبان باہر نکلی رہ گئی ہے۔ سانپ بھی نیولے کے گلے کا ہار ہو گیا ہے۔ دیکھو! گلے میں کیسا بل دیا ہے، پر کیا کرے، بے بس ہے۔ دشمن نے قابو پایا ہے۔ نیولے کو دیکھو کیا مزے سے سانپ کی گردن چبائے جاتا ہے۔ اب تھوڑی دیر میں سانپ کا کام تمام ہو جائے گا۔ پھر یہ اور شکار کی تاک لگائے گا۔

یہ بڑا دل چلا جانور ہے۔ ہونٹ ایسے لال لال ہوتے ہیں، جیسے پان کھایا ہے۔ بدن دیکھو۔ کیا پھرتیلا ہے۔ دوڑنے میں بہت چالاک ہے۔ چھپ کر گھات لگاتا ہے۔ وقت پڑے تو اچھل کر بھاگ جاتا ہے۔ اپنے شکار پر جھپٹ کر حملہ کرتا ہے۔ ہمیشہ چوکنا رہتا ہے۔ پاؤں کے بل کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس طرح ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ ہنسی آتی ہے۔ اس کے دانت تیز ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جانور شکار کرکے کھاتا ہے، مگر چڑیاں بہت بھاتی ہیں۔

اس کا رنگ خاکی ہوتا ہے، اس لئے غریب جانوروں کو خبر نہیں ہوتی - یہ بے خبر اپنے شکار کو جا دباتا ہے - اس کا شکار سامنے نہ ہو تو پتا لگا لیتا ہے، اور اچھے سدھے ہوئے کتے کی طرح کونے کونے ڈھونڈتا پھرتا ہے، اور اسے نکال لیتا ہے - تیتر، بٹیر وغیرہ جو زمین پر انڈے دیتے ہیں، ان کے انڈے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھا لیتا ہے - مرغیوں اور کبوتروں کے حق میں بڑا ظالم ہے - گردن توڑتا ہے، اور لہو پی جاتا ہے - چوہے، چھپیاں، چھوٹے چھوٹے سانپ اور چھپکلیاں بھی مار ڈالتا ہے -

چیونٹی

کیا ننھی سی جان ہے! کیا ہمت ہے۔ اپنے سے
دگنا بوجھ اٹھا لیتی ہے۔ نہ ہمت سے منہ موڑتی ہے،
نہ محنت سے جی توڑتی ہے۔ کیسی جان کھپاتی ہے!
کس مصیبت سے روزی کماتی ہے! خدا کی قدرت دیکھو۔
کیا بلا کی یاد ہے! کہاں کہاں پہنچتی ہے، پھر
بھی اپنا ٹھکانا نہیں بھولتی۔

مٹھاس تو اس کی جان ہے، مگر اور چیزیں بھی
نہیں چھوڑتی۔ مکھیاں اور مرے ہوئے کیڑے بھی
کھاتی ہے۔ زخمی ہوں تو بھی گھسیٹ لے جاتی ہے۔
دیکھنا! بھڑ مری پڑی ہے۔ انہیں شکار ہاتھ آیا۔
کیسی چمٹ گئی ہیں۔ کوئی پر کھینچتی ہے۔ کوئی
دھڑ گھسیٹتی ہے۔ کوئی منہ کو چمٹی ہے۔ کوئی
پاؤں کو لپٹی ہے۔ جو ہے اسی خیال میں لگی ہے۔
دو انڈے لئے جاتی ہیں۔ ایک اڑ رہی ہے۔ بچاری کی
موت آن پہنچی ہے۔ بھلی چنگی تو ہے۔ کیونکر جانا
مرے گی؟ جب ان کے پر نکل آتے ہیں تو مرنے کے
دن قریب آ جاتے ہیں۔ یہ مثل نہیں سنی؟ 'چیونٹی
کے پر نکلے ہیں'۔ یہ وہاں بولتے ہیں جہاں کوئی شیخی

مارتا ہے ، اور اس کی موت آ پہنچتی ہے ۔ ان میں یہ بڑی خوبی ہے ، کہ ایک کو پتا لگ جاتا ہے تو سب کو خبر کر دیتی ہے ، اور جو کچھ پاتی ہیں ، مل بانٹ کر کھاتی ہیں ۔ اسی طرح جب آرام کی جگہ دیکھتی ہیں تو سب وہیں آ جاتی ہیں، اور مل کر رہتی ہیں ۔

آؤ باغ چلیں ۔ ان کی سیر دیکھیں ۔ دیکھنا ! وہ چیونٹیوں کی فوج کیسی قطار باندھے جاتی ہے ۔ ایسی نظر آتی ہیں، گویا بڑی مہم پر جاتی ہیں ۔ دیکھو ! کیا سیدھی لکیر باندھی ہے ۔ مجال ہے کہ سڑک سے کوئی ادھر ادھر ہو جائے ۔ جیسے ان کے ننھے ننھے پاؤں ہیں ، ویسی پتلی سڑک بنتی جاتی ہے ۔ کتنی تو انڈے لئے جاتی ہیں ۔ بہتوں نے اناج کی بھرتی بھری ہے ۔ بعض خالی ہاتھ چلی جاتی ہیں ۔ پر جو ہے ، اسی دھن میں لگی ہے ۔

یہ جو الٹی چلی آتی ہے ، ایسی جاتی ہے ، جیسے کوئی چیز بھول گئی ہو ۔ کبھی قطار کے دائیں طرف آ جاتی ہے، کبھی بائیں طرف، مگر قطار سے الگ نہیں ہوتی ۔ کبھی ٹھیرتی ہے اور سامنے والی سے ذرا منہ ملا کر اپنی راہ لیتی ہے ، جیسے کچھ باتیں کرنے کو ٹھیری تھی ۔

آؤ ذرا بڑھ کر دیکھیں یہ سب کہاں جاتی ہیں ؟

یہاں گھاس میں آکر تو سب کی سب غائب ہوگئیں۔ اور آگے چلو۔ ان پھولوں کی کیاریوں میں ضرور نظر آئیں گی۔ لو وہ تو سچ مچ کیاریوں کے کنارے کنارے چلی جاتی ھیں۔ دیکھنا مٹی کے ڈھیلوں اور کیاری کے پودوں سے کیا بچ کر نکلی ھیں! یہ جو درخت کا بڑا سا ٹہنا کٹا پڑا ھے، اس سے بچ کر کہاں جائیں گی۔ وہ تو خاصی طرح ٹہنے کے اوپر سے ھوکر جاتی ھیں۔

آگے تو سیدھا رستہ تھا، یہاں سے کیوں نہ گئیں؟ گڑھے میں پانی بھرا ھوا ھے۔ اس کے کنارے کنارے جانے کو اتنا پھیر کھایا ھے۔ اب تو ایک پرانے درخت کی جڑ میں پہنچ گئیں اور یہیں غائب بھی ھوگئیں۔ یہ جو دراڑ سی نظر آتی ھے، سب اس میں اترتی چلی جاتی ھیں۔ شام ھوگئی۔ اب نگاہ کام نہیں کرتی۔ گھر چلو۔

چیونٹیوں کی اور بہتیری عجب عجب باتیں ھیں، مگر وہ مشکل ھیں اس لئے یہاں نہیں لکھی گئیں۔ اگلی کتابوں میں آئیں گی۔

مکڑی

یہ بڑی گھات سے شکار کھیلتی ہے۔ ایسے مہین مہین جالے تنتی ہے کہ نگاہ کام نہیں کرتی۔ وہیں کسی کونے میں آپ بھی دبک رہتی ہے۔ جو بھنگا یا مکھی جال میں پھنسی، اس کی موت آئی۔ ذرا اس کی تصویر دیکھو! جنگل ہے۔ پھولوں کے دو درخت ہیں۔ ان کے بیچ میں مکڑی نے جالا تنا ہے۔ کیسے خوب صورت کنڈل بنائے ہیں کہ دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے۔ جالے کے بیچوں بیچ مکڑی بیٹھی ہے۔ مکھی پکڑ لائی ہے۔ کیا مزے سے کھا رہی ہے۔ ایک اور مکڑی شکار کی تاک لگائے، کونے میں بیٹھی ہے۔ ننھے ننھے جانوروں کو کیا خبر کہ ظالم ہمارے خون کا پیاسا بیٹھا ہے۔ جو کوئی اڑتا اڑتا آئے گا اور جالے میں پھنس جائے گا، یہ شیر کی طرح جھپٹے گی اور اسے جا دبوچے گی۔ وہیں غریب بے بس کا کام تمام کرے گی۔ دیکھو! مرے ہوئے بھنگے، مچھر جالے میں لٹک رہے ہیں۔ ان غریبوں کی جانیں اسی ظالم نے نکالی ہیں۔

جالا کس چیز سے بنتا ہے؟ مکڑی کے پچھلے دھڑ میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں۔ ان میں

سے چیپ نکلتا ہے۔ وہ ہوا لگ کر سخت ہو جاتا ہے۔
اسی سے جالا بنتا ہے۔ مکڑی کے پر نہیں اس نے درختوں
کے درمیان کیونکر جالا تنا ہے۔ سنو! مکڑی جہاں
بیٹھتی ہے، ذرا سا چیپ وہاں لگا دیتی ہے اور آپ
نیچے لٹک جاتی ہے۔ تار چھوڑتی جاتی ہے، اور نیچے
ہوتی جاتی ہے۔ جب گز آدھ گز تار ہو جاتا ہے
تو وہیں ٹھیر جاتی ہے اور جھولنے لگتی ہے۔ تار بہت
ہلکا ہوتا ہے۔ ذرا سی ہوا بھی سرسراتی ہے تو وہ
اڑتا ہے، اور اس کے ساتھ یہ بھی اڑتی رہتی ہے۔ یوں
ہی اڑتے اڑتے وہ دوسرے درخت کی ٹہنی کو جا لگتا
ہے۔ اب دو درختوں کے بیچ میں ایک الگنی سی تن جاتی
ہے۔ یہ تار پر سے کبھی ادھر آتی ہے، کبھی ادھر
جاتی ہے۔ اسی طرح تانا بانا تن کر اپنا جال لگا دیتی
ہے۔ صبح شام کو ننھے ننھے کیڑے خوشی خوشی
اڑتے پھرتے ہیں۔ جالا انہیں دکھائی نہیں دیتا۔ جہاں
ادھر آئے اور پھنسے۔ اسے گھر بیٹھے روز تازہ شکار
پہنچ جاتا ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا، بعضی چھوٹی سی مکڑی
ہوتی ہے۔ وہ ادھر ادھر اچھلتی پھرتی ہے۔ بھوکی ہوتی
ہے تو دبک کر زمین پر چپک جاتی ہے اور تاک لگائے
بیٹھی رہتی ہے۔ جہاں کوئی مکھی سامنے آ کر بیٹھی،

اور یہ آہستہ آہستہ چلی۔ زمین سے لگی لگی اس طرح جاتی ہے کہ مکھی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ جہاں مکھی ایک چھلانگ بھر دور رہی، اور یہ شیر کی طرح جھپٹی، اور دبوچ لیا۔ بعضی مکڑیوں میں سانپ کی طرح زہر ہوتا ہے جب وہ مکھی یا اور ننھے کیڑوں کا شکار کرتی ہیں تو ان کے کاٹنے سے وہ کیڑے مر جاتے ہیں۔

درختوں کا بیان

بڑ

بتاؤ، اس تصویر میں کیا کیا چیزیں ہیں؟
بڑ کا ایک پرانا درخت ہے۔ رھٹ چل رہا ہے۔ گاھدی[1] پر لڑکا بیٹھا ہے۔ ھاتھ میں لکڑی ہے۔ بیلوں کو ھانک رھا ہے۔ ایک عورت پانی بھرتی ہے۔ دوسری گھڑا لئے کھڑی ہے کہ یہ اٹھے تو میں بھروں۔ دو بکریاں بڑ کے پتے کھا رہی ھیں۔ سامنے بچہ کھڑا ہے۔ دو آدمی کھڑے آپس میں باتیں کر رہے ھیں۔ دو بیٹھے ھیں۔ ان میں میاں تو حقہ پی رھا ہے۔ بیوی کسی چیز پر پانی ڈال رہی ہے۔

یہ بڑے پھیلاؤ کا درخت ہے۔ بعضے بڑ کے سائے میں ایک پلٹن آتی ہے اور آرام سے اترتی ہے۔ اس بڑ کو تو دیکھو کیا بڑا چتر[2] چھایا ہے۔ نام کو ایک درخت ہے مگر تنے بہت سے نظر آتے ھیں۔

۱۔ گاھدی پنجابی مین اس لکڑی کو کہتے ھیں جس پر بیٹھ کر بیلوں کو ھانکتے ھیں (مصنف کا نوٹ)

۲۔ چھتر۔

یہ سب میں موٹا تنا جو بیچ میں ہے پہلے یہی ہوگا۔ باقی تنے جو ستونوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں یہ سب پیچھے پیدا ہوئے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ماں اپنے بچوں کو لئے کھڑی ہے۔

باقی تنے کیوں کر بنے؟ دیکھو سامنے لال لال ڈاڑھیاں لٹک رہی ہیں۔ یہی زمین پر پہنچ کر تنے بن جاتی ہیں۔ اس کا پتا تو توڑو کیسا دودھ نکلتا ہے۔ بڑ کے دودھ میں بڑا لیس ہوتا ہے۔ ذرا سا انگلی میں لگا کر تار تو اٹھاؤ، دیکھو! کہاں تک نکلتا چلا جاتا ہے۔

اکثر شوقین اس سے گلدم پکڑا کرتے ہیں۔ چڑی مار اور جانور بھی مار لیتے ہیں۔ دیکھنا! اس درخت پر گلہریوں کا کیا زور ہے! بڑ کیا ہے، گلہریوں کا شہر ہے۔ پرندوں نے بھی بہت گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ بھلا ایسا سایہ کہاں ملے گا۔

هریل، تلیر، طوطوں نے اس کے پھلوں پر لوٹ مچا رکھی ہے۔ ذرا سا کترا، اور پھینک دیا۔ بھلا اس بڑ کی کیا عمر ہوگی؟ ہاں چار سو برس سے کیا کم ہوگی۔ جب اس کا پودا اگا ہوگا تو خدا جانے یہاں جنگل ہوگا یا کوئی شہر آباد ہوگا۔ کون جانتا ہے کہ اس کے سائے میں کس کس نے آکر آرام لیا اور کہاں چلا گیا؟

پیپل

بتاؤ پیپل کے نیچے کتنے آدمی ھیں ؟ چھ ھیں۔
چبوترے کے ایک طرف تین لڑکے ھیں۔ دوسری طرف
تین مرد۔ یہ کیا کرتے ھیں ؟ ایک مرد بیٹھا ھے۔
ایک حقہ پی رھا ھے۔ ایک چبوترے کے کنارے پاؤں
لٹکائے بیٹھا ھے۔ ایک لڑکا چبوترے پر ھاتھ ٹیکے
کھڑا ھے۔ ایک پاؤں لٹکائے بیٹھا ھے۔ ایک سامنے
کھڑا ھے۔ اس تصویر میں اور کیا کیا چیزیں ھیں ؟
ایک عورت چلی جاتی ھے۔ ایک گھڑا سر پر ھے،
دوسرا ھاتھ میں۔ پیچھے بچہ بھی دکھائی دیتا ھے۔
ایک لڑکی بیٹھی گوبر اٹھا رھی ھے۔ سر پر ٹوکری ھے۔
ایک چھوٹا سا لڑکا لنگوٹی باندھے دیوار سے لگا کھڑا ھے،
ایک پیپل کا درخت اس دیوار میں سے بھی اگا ھے۔

یہ ھندوستان کا بڑا نامی درخت ھے۔ بڑائی میں
بڑ اور پیپل کا نام برابر آتا ھے۔ خدا کی شان دیکھو،
درخت تو اتنے بڑے گویا آسمان سے باتیں کرتے ھیں،
بیج ایسا ننھا سا، جیسے خشخاش کا دانہ۔ اس کا پتا
کیا خوبصورت ھوتا ھے ! اس کا کرارا پن، اس کی سبزی،
اس کی چکناھٹ دیکھنے کے لائق ھے۔ اس کی لکڑی

مضبوط نہیں ھوتی۔ غریب آدمی اپنے گھر بنانے کے کام میں لے آتے ھیں۔ سایہ بھی ھوتا ھے مگر آم یا نیم کے برابر گھن کا نہیں ھوتا۔

جب پیپلیاں پکتی ھیں تو جانوروں کے لئے دسترخوان بچھتا ھے۔ اس پر نہ غلے کا خوف نہ کھٹکے کا ڈر۔ جتنی جی چاھے کھائے جائیں۔ بڑ اور پیپل جانوروں کے ماں باپ ھیں۔ جو پھل آتا ھے انہیں کا حق ھوتا ھے۔

اس درخت میں بڑی خوبی یہ ھے کہ اسے اچھی زمین یا کھلی جگہ کی پروا نہیں۔ دیوار کی درزوں میں چھت کی منڈیر پر، کنوئیں کے دھانے پر، برج کی چوٹی پر، جہاں دیکھو، پیپل کا پودا موجود ھے مگر ایسی جگہ بہت پھیلتا نہیں۔ اگر پھیلتا ھے، تو اس عمارت کو خراب کر دیتا ھے۔

آم

ذرا سامنے دیکھنا! کتنے سارے آموں کے درخت ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کالی گھٹا چھائی ہے۔ جو درخت ورے ہیں وہ بڑے نظر آتے ہیں۔جو پرے ہیں وہ چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔درختوں کے نیچے ایک آدمی بھی چلا جاتا ہے۔سر پر گٹھڑی ہے۔ دائیں ہاتھ سے اسے پکڑے ہوئے ہے۔ کندھے پر لکڑی ہے۔اوپر کے سرے سے گٹھڑی کو سہارا دے رکھا ہے۔ نیچے کا سرا ہاتھ سے دبا رکھا ہے۔اس طرح گٹھڑی ذرا ابھری رہتی ہے۔ بوجھ کم معلوم ہوتا ہے۔دو بکریاں بھی ہیں۔ایک سر جھکائے گھاس کھا رہی ہے۔ دوسری گردن موڑے اسے دیکھ رہی ہے۔

یہ میوہ ہندوستان میں بہت ہوتا ہے۔اس کی خوبی تو دیکھو خوب صورت درخت، گھن کا سایہ، کچا پھل بھی کام کا، پکا بھی کام کا۔ کچا ہو، تو چٹنی پیستے ہیں۔اچار اور مربا ڈالتے ہیں۔سکھا کر سیکڑوں من امچور بناتے ہیں۔ پکتا ہے تو تراش کر کھاتے ہیں۔ پلپلا کرکے چوستے ہیں۔

پھل کا رنگ، اس کا مزا، اس کی خوشبو سب تعریف کے لائق۔ پنجاب میں اس کی بہار چیت بیساکھ میں شروع ہوتی ہے۔ پھر جو دیکھو تو درخت مور سے لدا ہوا ہے۔ جب مور جھڑ جاتا ہے تو ننھے ننھے سبز پھل نظر آتے ہیں۔ جوں جوں وہ بڑے ہوتے ہیں گلہریاں اور طوطے انہیں بہت کھاتے ہیں۔ اکثر درخت بہت پھلتے ہیں۔ جب آندھی آتی ہے تو اتنے پھل جھڑتے ہیں کہ زمین پر بچھونا ہو جاتا ہے۔ پھر بھی وہ لدے ہی نظر آتے ہیں۔

جہاں آم پر رنگ آیا، طوطوں کے جھنڈ کے جھنڈ گرنے شروع ہوئے۔ اے بے رحم مالی! طوطے بے شک تیرے مال کا نقصان کرتے ہیں مگر ایسا غلہ نہ ماریو کہ بچارے کا بازو ٹوٹ جائے اور پھڑک کر دم نہ مار سکے۔

پیوندی درختوں پر کچھ اور ہی بہار ہے۔ ذرا ذرا سا پودا ہے۔ جس میں آدھ آدھ سیر کے پان چھ آم لگے ہیں اور ٹہنیاں بوجھ کے مارے زمین سے لگ گئی ہیں۔ آم کا درخت ایک سال تو ایسا پھلتا ہے کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے سال بہت ہی کم آم آتے ہیں کہ آدمی اور جانور دونوں ترستے رہ جاتے ہیں۔ بعض درخت ایک برس پھلتے ہیں ایک

برس نہیں پھلتے۔ بعض بارہ مہینے پھلتے ھیں۔ انہیں بارہ ماسیا کہتے ھیں۔

یہ میوہ جیسا بوڑھے اور جوان کو بھاتا ھے ویسا ھی بچے کو بھی پیارا ھے۔ دودھ پیتے بچے کو ایک دفعہ ذرا سا رس چٹا دو۔ پھر پیچھا نہ چھوڑے گا۔ آم کو دیکھا اور ھاتھ دوڑایا۔ کویل کا اور آم کا ساتھ ھے۔ آم نے رنگ پکڑا اور کویل آئی۔ آم ھو چکتے ھیں تو یہ اور ملکوں میں چلی جاتی ھے۔ برسات کے موسم میں کویل کی آواز دور سے کیا بھلی معلوم ھوتی ھے۔

نیم

نیم خاص ہندوستان کا درخت ہے۔ پنجاب میں کم ہوتا ہے۔ اس کا سایہ ٹھنڈا اور چھاؤں گھن کی ہوتی ہے۔ اس لئے اکثر لوگ گھروں میں لگاتے ہیں۔ ہندوستانیوں کے مکان ہوا دار کم ہوتے ہیں۔ نیم کا درخت ان کے لئے ایک ہوا دار کمرہ ہو جاتا ہے۔

نیم کے سائے میں دھوپ بہت کم چھنتی ہے۔ پتے ایسے گھنے ہوتے ہیں کہ ان میں چھوٹی موٹی ڈالیاں چھپ جاتی ہیں۔ چڑیاں بولتی بہت ہیں مگر دکھائی نہیں دیتیں۔ پھول بھی بہت آتا ہے۔ اس کی خوشبو سے آس پاس کے مکان مہک جاتے ہیں۔ پتے ٹہنی میں لگے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے برابر جھالر کتر کر لگائی ہے۔

نیم کی کڑواہٹ ہندوستان میں ایسی ہی مشہور ہے جیسی گنے کی مٹھاس، لیکن جیسا کڑوا ہے ویسے ہی گن میٹھے ہیں۔ اس کے پتے، اس کی چھال، اس کا پھل، اس کا پھول، اس کا مد، بیسیوں بیماریوں کی دوا ہے۔

نیم کی لکڑی جب پرانی ہو جاتی ہے تو مضبوطی

میں شیشم سے کم نہیں ہوتی اس میں بڑا جوہر یہ ہوتا ہے کہ گھن نہیں لگتا بلکہ اس کے صندوق میں کپڑے رکھیں یا کتابوں اور پشمینے میں اس کے پتے دھریں تو ان میں بھی کیڑا نہیں لگتا۔ اس کی نبولی جب پکتی ہے تو کچھ مٹھاس پر آ جاتی ہے۔ اسے طوطے اور کوے بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ جب نیم بہت پرانا ہو جاتا ہے تو اس کی کسی ٹہنی میں سے خود بخود پانی رسنے لگتا ہے۔ یہ پانی اکثر بہار کے موسم میں رستا ہے۔ اسی کو مد کہتے ہیں۔ لوگ اس کے نیچے ہنڈیاں باندھ دیتے ہیں اور مد کو لے کر شیشیوں میں بھر رکھتے ہیں۔

روئی

ذرا یہ تصویر دیکھنا! ایک آدمی ٹوکرے میں کپاس، لئے کھڑا ہے۔ یہ روئی نکلوانے آیا ہے۔ دیکھو سامنے بیلنا رکھا ہے ایک آدمی بیٹھا کپاس بیل رہا ہے۔ بنولے ورے گرتے جاتے ہیں، روئی پرے۔ ایک لڑکی بیٹھی ہے۔ دوسری اس کے پاس کھڑی ہے ایک عورت چرخا کات رہی ہے۔ ایک عورت ہاتھ میں کوچ لئے تانی صاف کر رہی ہے۔ بغل میں لڑکا ہے۔ پرے درختوں کے نیچے ایک آدمی کھڑا ہے۔ وہاں بھی ایک تانی پھیلی ہے۔

روئي کا درخت بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ گز ڈیڑھ گز اونچا، ہرے ہرے پتے، زرد زرد پھول جب پھول کھلتا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیسر پھولی ہے۔ اس کا کچا پھل سبز ہوتا ہے مگر ذرا سرخی مارتا ہے۔ جب پک جاتا ہے اور سوکھتا ہے تو پھٹ کر کنول کی طرح کھل جاتا ہے۔ اس وقت اس کے اندر ایک چیز برف سی سفید اور ریشم سی نرم دکھائی دیتی ہے۔ وہی روئی ہے۔

اس میں بنولے بھی ہوتے ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے۔ بنولا اس کا بیج ہے۔ گائے بھینسوں کو کھلاتے ہیں۔

تو ان کے دودھ میں مکھن بہت ہوتا ہے۔ بیلوں کو دانے کی جگہ دیتے ہیں۔ وہ اس سے خوب موٹے ہوتے ہیں۔ اس کی روئی ہمارے تمھارے کام آتی ہے۔

روئی کے مہین کپڑے بھی بنتے ہیں اور موٹے بھی۔ مہین امیر پہنتے ہیں۔ موٹے جھوٹے غریبوں کے کام آتے ہیں۔ روئی کی بدولت جاڑے میں گرم رہتے ہیں اور گرمی میں گرمی سے بچتے ہیں۔ نرم نرم تکئے اس کے بنتے ہیں۔ گرم گرم گدیلے اس کے ہوتے ہیں۔

ہندوستان سے ہزاروں من روئی ولایت کو جاتی ہے اور یہاں کپڑے بن کر آتی ہے۔ ولایت میں اس کی کلیں ہیں مگر کلیں کیا ہیں ایک طلسمت ہیں۔ کسی میں روئی صاف ہوتی ہے۔ کسی میں سوت کت جاتا ہے۔ کسی میں تانا بانا ہوکر کپڑا تیار ہوجاتا ہے۔

یہ ساری پھرتیاں کلوں کی بدولت ہیں اور ان ہی کی برکت ہے کہ باریک کپڑا اتنا سستا بکتا ہے۔ ہاتھوں سے بنتے تو جو کپڑا آنوں گز آتا ہے اس پر روپوں کی لاگت آتی۔ موٹا کپڑا اب بھی جلاہے بنتے ہیں۔ اب ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی کپڑے کی کلیں چلنے لگی ہیں۔ یقین ہے یونہی ہوتے ہوتے بہتیری ہوجائیں گی۔

گنّا

دیکھنا ! درخت کے نیچے گنڈیری والا بیٹھا ہے۔ درخت سے لگی پھاندی کھڑی ہے۔ ٹوکرا سامنے رکھا ہے۔ ہاتھ میں سروتا ہے۔ گنڈیریاں کاٹ رہا ہے۔ ایک لڑکا بیٹھا گنڈیریاں لے رہا ہے۔ دوسرا لے چکا ہے۔ ایک ہاتھ میں رومال کے اندر گنڈیریاں ہیں۔ دوسرے سے لے لے کر چوس رہا ہے۔ ایک عورت کی گود میں ننھا سا بچہ ہے۔ ساتھ چھوٹی سی لڑکی ہے۔ لڑکی نے گنڈیریاں دیکھی ہیں۔ ایک ہاتھ ان کی طرف پھیلا رکھا ہے۔ دوسرے ہاتھ سے ماں کو کھینچتی ہے کہ چل مجھے گنڈیریاں لے دے۔

یہ ہندوستان کی عجب نعمت ہے۔ اس سے اس ملک کو بڑے بڑے فائدے ہیں۔ اس کی مٹھاس دور دور تک پہنچتی ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو۔ ہر ایک درخت تھوڑا بہت پھل لاتا ہے۔ یہ سر سے پاؤں تک پھل ہے۔ اس میں جو گانٹھیں ہیں انہیں سے پیدا ہوتا ہے۔ پنجاب میں جو گنے بونے کے لئے رکھتے ہیں انہیں ماگھ میں کاٹتے ہیں اور ایک گڑھے میں دبا دیتے ہیں کہ جاڑے سے بچے رہیں۔ پھاگن یا چیت میں

ہر ایک گنے کے پاؤ پاؤ گز کے ٹکڑے کاٹ لیتے ہیں اور کھیت میں دبا دیتے ہیں۔ ایک ایک گانٹھ سے کئی کئی شاخیں نکل آتی ہیں اور وہی شاخیں گنے بن جاتی ہیں۔ دیمک اور کیڑا بھی اسے لگ جاتا ہے۔ چوہا بھی بہت کچھ نقصان پہنچاتا ہے۔

گنے کی بہت قسمیں ہیں۔ ان میں سے پونڈا بہت کھانے میں آتا ہے۔ شہروں میں اس کی گنڈیریاں سیکڑوں من بکتی ہیں۔ ایک گنڈیری میں اتنا رس ہوتا ہے کہ سارا منہ بھر جاتا ہے۔ دیکھو! ایک گنا، جس میں تین مزے۔ اکھولا تو پھیکا پانی، جڑ حد سے زیادہ میٹھی، بیچ میں نہ بہت پھیکا، نہ بہت میٹھا۔ گنے اکثر جانوروں کو بھی بھاتے ہیں۔ خاص کر ہاتھی اور بندر تو بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ اس کی مٹھاس بہت محنت سے بنتی ہے۔ آٹھ نو مہینے میں تو گنا پکتا ہے۔ پھر اسے کولھو میں پیلتے ہیں۔ روز جتنا رس نکلتا ہے اسے کڑھاؤ میں پکا لیتے ہیں۔ گڑ بنانا ہو تو اسے خشک کر لیتے ہیں۔ راب بنانی ہو تو گاڑھا رکھتے ہیں۔ راب سے شکر بنا لیتے ہیں۔ شکر سے کھانڈ، قند اور مصری بنتی ہے اور ان سے مٹھائیاں بنتی ہیں۔ امیر سے غریب تک سب انہیں لے کر کھاتے ہیں۔

وقت اور موسموں کا بیان

دن رات

آؤ تمھیں دن رات کی تصویریں دکھائیں دیکھو!
دو تصویریں ھیں۔ ان میں دن کی تصویر کون سی ھے ؟
جو اوپر ھے اس میں کیا کیا چیزیں ھیں ؟ ایک
عورت بیٹھی ھے۔ سامنے دیگچی اور چنگیر رکھی ھے۔
عورت کے بائیں ھاتھ میں ایک روٹی ھے۔ چنگیر میں
سے اٹھائی ھے۔ دائیں ھاتھ میں چمچہ ھے۔ دیگچی
میں سے سالن نکالا ھے۔ روٹیوں پر رکھ رھی ھے۔ سامنے
ھاتھ پھیلائے ایک لڑکا بیٹھا ھے۔ اسے روٹی دے گی۔
ایک اور لڑکا لنگوٹی باندھے کھڑا ھے۔ ایک ھاتھ میں
روٹی ھے۔ دوسرے ھاتھ سے کھا رھا ھے۔ عورت کے
پیچھے ایک پلنگ بچھا ھے۔ اوپر الگنی تنی ھے۔
اس پر کپڑا پڑا ھے۔ طوطے کا پنجرا بھی ٹنگا ھے۔
دن کی تصویر کی چیزیں تو تم نے ٹھیک ٹھیک
بتائیں۔ بتاؤ رات کی تصویر میں کیا کیا چیزیں ھیں ؟
وھی مکان ھے جو دن کی تصویر میں ھے۔ ایک پلنگ

آگے اجالے میں بچھا ہے ، دوسرا پیچھے اندھیرے میں - دونوں پر ایک ایک لڑکا پڑا سوتا ہے - مکان کے اندر الگنی پر کپڑا پڑا ہے - طوطے کا پنجرا ٹنگا ہے - مکان کے صحن میں چاندنی کھلی ہوئی ہے - مقبرے کے پاس کھجور کے درخت کے اوپر پورا چاند نظر آتا ہے - ایک جانوردبے پاؤں جا رہا ہے - گیدڑ معلوم ہوتا ہے -

خدا نے دن روشن بنایا اور رات اندھیری - دن کے اجالے میں دنیا کے کام چلتے ہیں - رات کو آرام کرتے ہیں - دن کو چوپائے چرتے ہیں - پرندے چگتے ہیں - ہم روزی کماتے ہیں - آپ کھاتے ہیں - اوروں کو کھلاتے ہیں - دنیا کے تماشے دیکھتے ہیں - پھلے پھولے باغ ، ہرے ہرے جنگل جھومتے ، درخت بہتے ندی نالے بھرے تلاؤ ، یہ سب دن کی بدولت نظر آتے ہیں -

سورج کیسا آہستہ آہستہ پورب سے پچھم کو چلا جاتا ہے - صبح سے دوپہر تک اوپر کو چڑھتا معلوم ہوتا ہے - دوپہر سے شام تک اترتا دکھائی دیتا ہے -

لو اب دن چھپا - رات آئی - سب نیند کے متوالے ہوگئے - پرندوں نے درختوں پر بسیرا لیا - آدمی بچھونوں پر جا سوئے - تارے رات کے دربار کے امیر ہیں - کیسے چمک رہے ہیں - ! جب چاند کی سواری نکلتی ہے تو

سب مدھم پڑ جاتے ھیں۔ اس کے آگے صبح تک کوئی
دم نہیں مارتا اور سورج نکلتا ھے تو چاند بھی ماند
پڑجاتا ھے۔

صبح

گاڑی بان کچھ رات سے اٹھتے ھیں۔ بیلوں کو صاف کرتے ھیں۔ چھکڑے جوتتے ھیں۔ جہاں لے جانا ھو وھاں لے جاتے ھیں۔ ذرا تصویر دیکھو! چار چھکڑے جا رھے ھیں۔ پیچھے جالی میں چارا ھے۔ چھکڑوں میں غلہ ھے۔ شہر کو لئے جاتے ھیں۔ وھاں بیچیں گے۔ دو چھکڑے تو صاف نظر آتے ھیں۔ ایک پیچھے ھے۔ وہ کم دکھائی دیتا ھے۔ ایک بائیں طرف ھے۔ اس کے پیچھے کا رخ کچھ نظر آتا ھے۔ چھکڑوں کے ساتھ گاڑی بان ھیں۔ ایک مسافر بھی کچھ فاصلے پر ھے۔ اس کے پیچھے ایک کتا چلا جاتا ھے۔ ابھی شہر والے پڑے سوتے ھوں گے۔ یہ ان کے اٹھنے سے پہلے ھی جا پہنچیں گے۔

سونے والو! اٹھو۔ بہت سو چکے نیند، کے مزے لے چکے۔ کل دن بھر کی تھکن اتر چکی آنکھیں! کھولو۔ ھشیار ھو۔ زمین آسمان پر دیکھو۔ کیسی روشنی پھیلتی جاتی ھے۔ اندھیرا گھٹتا جاتا ھے۔ اجالا بڑھتا جاتا ھے۔ کیا ٹھنڈی ٹھنڈی ھوا ھے! پھولوں میں بسی ھوئی ھے۔ جان میں جان آتی ھے۔

پرندوں نے اپنی راگنیاں چھیڑ دیں - رات چلی - اب سورج نکلے گا - اس وقت یہ آوازیں کیا بھلی معلوم ہوتی ہیں -

یہ کیا رات کو رخصت کرتے ہیں ؟ نہیں، سورج کے نکلنے کی خوشیاں مناتے ہیں - وہ پل کے پل میں سامنے سے سر نکالے گا اس کا منہ کندن سا دمکتا ہوگا - سر پر کرنوں کا تاج ہوگا - آس پاس کے بادل رنگا رنگ کی بہار دکھائیں گے -

لو وہ سورج بھی نکلا - دنیا کا رنگ بدل گیا - غریب مزدور جو رات کو چور ہوکر پڑے تھے، کمر باندھ رہے ہیں - بچوں نے ناشتے کھا کھا کر کتابیں بغل میں ماری ہیں - سونے والو! صبح کی بہار تو دیکھو، اب کوئی دم میں یہ سماں چلا - افسوس ان پر ہے جو ابھی بچھونوں میں پڑے ہیں - انگڑائیاں لیتے ہیں - کروٹیں بدلتے ہیں، پھر آنکھیں بند کر لیتے ہیں -

آؤ! باغ چلیں - ہوا کھائیں - آہا ! کیا سبز میدان ہے - یہ ہری ہری گھاس ہے یا سبز مخمل کا فرش بچھا ہے - دیکھنا گلاب کی ٹہنیاں کیسی جھوم رہی ہیں - ذرا اس پھول کو دیکھو پتیوں پر کیا ننھی ننھی اوس ہے - بس ہوا بہت کھا چکے - چلو ! اب گھر چلیں -

اپنا کام کاج کریں۔ سویرے سویرے ہاتھ پاؤں چالاک
ہوتے ہیں۔ جی خوش ہوتا ہے۔ کام پر دل لگتا ہے۔
جو کام کرو اچھا ہوتا ہے۔ صبح کو نکمے رہے تو
سارے دن جی نہیں لگتا۔

شام

بتاؤ! شام کی تصویر میں کیا کیا چیزیں ھیں؟
ٹیکرے کے پیچھے سورج ڈوبتا معلوم ھوتا ھے۔ درختوں کے نیچے تین چھکڑے ھیں۔ تینوں کے پاس بیل بھی نظر آتے ھیں۔ دو بیٹھے ھیں، باقی کچھ کھا رھے ھیں۔ ایک آدمی زمین پر لاٹھی ٹیکے کھڑا ھے۔ ایک بیٹھا آٹا گوندھ رھا ھے۔ سامنے آگ رکھی ھے۔ تاک لگائے کتا کھڑا ھے۔ تین آدمی بیٹھے باتیں کر رھے ھیں۔ یہ سب آدمی پڑاؤ میں اترے ھیں۔ رات کو یہیں رھیں گے۔ کام کاج کی محنت سے دن کاٹنا مشکل ھوگیا۔ ایک ھی بات برابر چلی جاتی ھے تو جی دق ھو جاتا ھے۔ دن کو دیکھتے دیکھتے تھک گئے۔ دھوپ سے آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔ شام ھوئی آرام کا وقت آیا۔ جوں جوں اندھیرا ھوتا ھے، ھوا ٹھنڈی ھوتی جاتی ھے۔ اب کام ھے تو یہ ھے کہ ھوا کھانے باھر جائیں۔ گھر میں آکر کھانا کھائیں۔ دوست آشناؤں سے ملیں۔ کچھ ھنسیں، کچھ بولیں، کچھ کہیں، کچھ سنیں۔

مسافر منزل پر پہنچ گئے۔ کوئی پاؤں کی گرد جھاڑتا ھے۔ کوئی بستر پر ھے۔ کوئی دن بھر کے دکھ

یاد کرتا ھے۔اس غریب پر بڑا ترس آتا ھے کہ ابھی منزل دور ھے۔پاؤں تھک گئے اور شام نے آ لیا۔ سراؤں میں دن بھر خاک اڑتی تھی۔اب رونق کا وقت آیا ھے۔شہر شہر کا مسافر موجود ھے۔چولھے گرم ھیں۔سودے والے پکارتے ھیں اور بھٹیاریاں لڑ رھی ھیں۔ایک سے ایک کہتی ھے کہ تونے میرا مسافر چھین لیا۔

بازار میں عجب کیفیت ھے۔دکان دکان چراغ روشن ھیں۔ ھر شخص اپنے کام سے گھر کو پھرا ھے۔ کچھ نہ کچھ سودا ضرور لے گا کہ بھرے گھر میں خالی ھاتھ کیا جائے۔جب بال بچوں میں آتا ھے تو انھیں دیکھ کر خوش ھوتا ھے۔ جو لاتا ھے۔انھیں دیتا ھے۔آپ کھاتا ھے، انھیں کھلاتا ھے۔

گرمی

آؤ! تمھیں گرمی کی تصویر دکھائیں۔ دروازے کی محراب میں طوطے کا پنجرا ٹنگا ہے۔ نیچے ایک آدمی بیٹھا اونگھ رہا ہے۔ حقہ سامنے رکھا ہے۔ بھنگی کی رسی ہاتھ میں ہے۔ بھنگی میں کیا ہے؟ پانی کی صراحیاں ہیں۔ اس میں کیوں رکھی ہیں؟ پانی ٹھنڈا کرنے کو۔ کیوں کر ٹھنڈا ہوتا ہے؟ ایک آدمی رسی کھینچتا ہے۔ بھنگی جھولتی ہے۔ صراحیوں کو ہوا لگتی ہے۔ اس سے پانی جلدی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مسہری پر کون ہے؟ ایک بابو لیٹے ہیں۔ گرمی کے مارے بے تاب ہیں۔ پگڑی اتار مسہری کے پائے پر رکھ دی ہے۔ سیدھا ہاتھ گھٹنے پر ہے۔ الٹے ہاتھ میں پنکھا ہے۔ نوکر پاس کھڑا پنکھا جھل رہا ہے۔ جھلتے جھلتے تھک گیا ہے۔ گردن ایک طرف جھکادی ہے۔

ہائے گرمی! جوں جوں دھوپ چڑھتی ہے منہ اترتے جاتے ہیں۔ سورج نکلتے ہی کیسی ہوا گرم ہوگئی۔ دھوپ کی چمک آنکھوں سے دیکھی نہیں جاتی۔ کیا کوئی لکھے، کیا پڑھے ہوش ٹھکانے نہیں۔ پسینے بہتے ہیں۔ مکھیاں ستاتی ہیں۔ زمین آسمان تپ رہے ہیں۔

درخت زرد ھیں - جانور بچاروں کا دم گھٹتا ھے تو چونچیں کھول دیتے ھیں - دھوپ سے بچاؤ کے لئے ٹہنیوں میں گھسے جاتے ھیں -

مسافر جنگل میں چلا جاتا ھے - اوپر سے دھوپ پڑتی ھے - نیچے زمین تپتی ھے - کہیں درخت کا سایہ پاتا ھے تو جانتا ھے کہ بہشت میں آگیا - مگر لو چلتی ھے تو نہ درخت کا سایہ کام کرتا ھے نہ چھتری کی چھاؤں - چھوٹے بچوں کا عجب حال ھے - پھول سے چہرے کملائے ھوئے ھیں - رنگ زرد ھیں - ابھی کٹوری منہ سے چھٹی، ابھی پھر پانی - پیاس کسی طرح نہیں بجھتی -

جنہیں خدا نے دیا ھے، دن کو کبھی ٹٹیاں چھڑکواتے ھیں - کبھی تہ خانوں میں گھس جاتے ھیں - رات کو کوٹھوں پر ھیں - بچھونوں پر پھول پڑے ھیں - پنکھے ھو رہے ھیں - آپ پڑے لوٹتے ھیں کہ ھائے ھوا گرم ھے - تن بدن جلا جاتا ھے -

جاڑا

برسات ہو چکی جاڑا آیا - تلاؤ سوکھے جاتے ہیں - دریا اتر گئے - ندی نالے سے رہ گئے - دن گھٹتے ہیں - راتیں بڑھتی ہیں - ہوا ٹھنڈی ہوتی جاتی ہے - اب نہ مینڈک ٹرائیں گے نہ مچھر ستائیں گے - سانپ بانبیوں میں جا بیٹھے - گرگٹ دیواروں کی درزوں میں جا دبکے - ان دنوں بہتیرے پرندے گرم ملکوں میں چلے جاتے ہیں - اور ان کی جگہ اور آن موجود ہوتے ہیں - ہنسوں ، کونجوں اور مرغابیوں کو سردی بھاتی ہے - قطاریں باندھ کر آتی ہیں - جنگلوں میں ندیاں اور جھیلیں آباد کرتی ہیں -

ذرا • تصویر دیکھنا ! اونٹوں کی قطار پہاڑی سڑک پر سے اتر رہی ہے - افغانستان کے میوے ولایتی لا رہے ہیں - بڑے بڑے شہروں میں بیچیں گے - ان ولایتیوں کی صورتیں تو دیکھو - کیسی ڈراؤنی ہیں ! لمبے لمبے بال ، لال لال منہ ، میلے کچیلے - ڈھیلے ڈھالے کپڑے - یہ لوگ گھوڑے بھی بیچتے ہیں - ان کے گھوڑوں کے قد تو چھوٹے ہوتے ہیں مگر بڑے مضبوط اور چالاک -

ان دنوں اکثر سرکاری افسر دورہ کرتے ہیں - رعایا اپنی فریادیں سناتی ہے اور انصاف پاتی ہے -

مدرسوں کے صاحب انسپکٹر بھی انہی دنوں میں دورہ کرتے ہیں - دیہات کے لڑکوں کا امتحان لیتے ہیں - جو اچھے نکلتے ہیں وہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے ہیں - اسی موسم میں سپاہی مقام بدلتے ہیں - ایک پڑاؤ روز چلتے ہیں - بڑی بڑی منزلیں طے کرتے ہیں - روز کی ورزش اور تازی تازی ہوا کھانے سے بڑے مضبوط رہتے ہیں -

دیکھو! سورج ڈوبتے ہی کیسی ٹھنڈک ہوگئی - آؤ! اندر بیٹھیں - انگیٹھی جلائیں - آگ سینکیں - سبق یاد کریں - مطالعہ دیکھیں - بعضے بچارے میدانوں میں راتیں کاٹتے ہیں - کمبل اوڑھے الاؤ پر بیٹھے رہتے ہیں - جاڑے کے مارے کانپتے ہیں - دانت سے دانت بجتے ہیں - سورج نکلتا ہے تو جان میں جان آتی ہے -

آج کل پہاڑوں پر برف پڑتی ہے - بڑی نرم اور ہلکی ہوتی ہے جیسے روئی کا گالا - کئی کئی مہینے اونچے اونچے پہاڑ اس سے ڈھکے رہتے ہیں - کبھی کبھی گھاٹیاں بھی سفید ہو جاتی ہیں - ان مقاموں پر پانی کے چشمے جم جاتے ہیں اور ایسے سخت ہوتے ہیں کہ لوگ ان پر چلتے پھرتے ہیں -

جب بہار کی رت آتی ہے تو موسم میں ذرا گرمی آ جاتی ہے - ننگے درخت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں -

طرح طرح کے پھول کھلتے ھیں۔ ان کے پیارے پیارے رنگ آنکھوں کو کیسے بھلے معلوم ھوتے ھیں۔ جدھر دیکھو عجب سماں ھے۔ بہار ھی بہار نظر آتی ھے۔ پرندوں میں جان سی پڑ جاتی ھے۔ خوشی کے مارے چہچہاتے ھیں۔ شاما اور کویل آموں کے درختوں پر آ موجود ھوتی ھیں۔ اور اپنی میٹھی میٹھی آوازوں سے دل لبھاتی ھیں۔ بھڑیں اڑتی پھرتی ھیں۔ چھتے بناتی ھیں۔ کسان ھل چلاتے ھیں۔ دھان بوتے ھیں۔ گیہوں پکنے پر آتے ھیں۔ اس وقت پانی کے دو چار چھینٹے پڑ جاتے ھیں تو زمیندار نہال ھو جاتے ھیں۔

برسات

گرمی گئی ، برسات آئی ۔ دیکھنا ! کیا کالی گھٹا
اٹھی ھے ۔ یہ برسے بغیر نہ رہے گی ۔ کواڑ بیشک کھول
دو ۔ اب لو نہیں چلتی ۔ ذرا باھر نکل کر تو دیکھو!
کیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ھے ۔ اے لو ! وہ گرجا ۔
وہ بجلی چمکی ۔ وہ بوندیاں بھی پڑنے لگیں ۔ دیکھو ۔
تو آن کی آن میں کیسی رت پھر گئی ۔

آج کوئی کسانوں کے جی سے پوچھے ۔ کیسی
خوشیاں ہو رہی ہوں گی ۔ لو صاحب ! اب تو موسلا دھار
برسنے لگا ۔ پرنالے دھائیں دھائیں گر رہے ھیں ۔ ٹھنڈی
ہوا کو جی ترس گئے تھے ۔ مدت کے بعد آج چین سے
سونا نصیب ہوگا ۔ دو تین دن یہی حال رہا تو جنگل
میں سبزہ ھی سبزہ نظر آئے گا ۔

اب تو مینہ تھم گیا ۔ آؤ! جنگل کی سیر کریں ۔
دیکھنا ! آسمان کا رنگ کیا صاف نکل آیا ھے ۔ آھا ! کمان !
دیکھو تو کیا کیا رنگ ھیں ! ذرا سننا ۔ کویل کیا
مزے سے کوک رہی ھے ۔ آج رات کو پپیہا بھی بولے
گا اور برسات کے گویے بھی گائیں گے ۔ ھیں ! وہ کون ؟
وہ مینڈک ۔ توبہ ! وہ تو ٹراتے ھیں ۔ اور سارا جنگل

سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

درختوں کو دیکھو۔ کیا دھوئے دھائے صاف نکلے ہیں۔ جیسے کوئی نہا کر اٹھتا ہے۔ ذرا آسمان کے کنارے کو دیکھنا۔ ان بادلوں کے رنگ کون گن سکے؟ اے لو؟ بیر بہوٹیاں بھی نکل آئیں۔ پرندے کرم چگتے چگتے تھک جائیں گے۔ اب تو گوالوں کے گھر گنگا ہے۔ گائے بھینسوں کا دودھ سمیٹے نہ سمٹے گا۔

نظم

بڈھا باپ

ایک لڑکے نے یہ بڈھے باپ سے اپنے کہا
آپ کا ظاھر میں یوں تو ھے بڑھاپا آگیا
بال ھے اک اک سفید اب آپ کے سر کا ھوا
فرق لیکن تن درستی میں نہیں آیا ذرا
مہربانی سے مجھے اس کا سبب دیجیے بتا

باپ نے سن کر دیا لڑکے کو اپنے یہ جواب
اے مرے پیارے! مرا تھا جن دنوں عہد شباب
میں سمجھتا تھا جوانی جانے والی ھے شتاب
اس لئے کرتا نہ تھا میں اپنی طاقت کو خراب
پھر بڑھاپے میں جوانی کا مجھے غم ھو تو کیا

پھر کہا لڑکے نے حضرت آپ تو بڈھے ھوئے
اور کل خوشیاں جوانی تک ھیں ساتھ انسان کے

ھیں بڑھاپے میں کہاں بابا جوانی کے مزے
آپ کو کچھ غم جوانی کا نہیں پھر کس لئے
مہربانی سے مجھے اس کا سبب دیجے بتا

باپ نے یہ سن کے لڑکے سے کہا اے میری جان
یہ تمھارا باپ بڈھا جن دنوں میں تھا جوان
تھا جوانی کو سمجھتا اپنے گھر کی میہمان
اس لئے ہر بات میں رکھتا تھا آئندہ کا دھیان
پھر بڑھاپے میں جوانی کا مجھے غم ہو تو کیا

عرض کی لڑکے نے چھایا اب بڑھاپا آپ پر
اور چلی جاتی ھے گزری عمر جلدی کس قدر
آپ لیکن اب بھی خوش ھی آتے ھیں ہر دم نظر
موت کا بھی ذکر کرتے آپ ھیں ھوکر نڈر
مہربانی سے مجھے اس کا سبب دیجے بتا

باپ بولا۔ ھاں خوشی ہر وقت ھے بیٹا مجھے
اور سن، معلوم ھے جو کچھ سبب اس کا مجھے
یاد جب ھر دم جوانی میں خدا آیا مجھے
اس لئے وہ بھی بڑھاپے میں نہیں بھولا مجھے
پھر بڑھاپے میں جوانی کا مجھے غم ھو تو کیا

صفائی

آؤ لڑکو کچھ تمھیں باتیں بتائیں
فائدے کچھ کچھ صفائی کے جتائیں
صاف رکھو جسم اور اجلا لباس
تا کہ سب تم کو بٹھائیں اپنے پاس
صاف رہنے سے رکھو تم خوب یاد
دل رہا کرتا ہے ہر دم شاد شاد
یاد رکھو خوب، ننگے پاؤں بھی
مت پھرو ہرگز یہ عادت ہے بری
دیکھو مٹی میں نہ کھیلو اے عزیز
مت اڑاؤ خاک، تم سیکھو تمیز
بات تم کو اک بتائیں اور ہم
اپنے کپڑوں سے نہ پونچھو تم قلم
روشنائی سے نہ بستے کو بھرو
اس کو ہر دم صاف اور اجلا رکھو
صاف اور اجلی رکھو اپنی کتاب
ہاتھ میلے مت لگیں، ہوگی خراب
اب سنائیں تم کو اک قصہ نیا
ہے سگے دو بھائیوں کا ماجرا

اجلے پن سے ایک کو عزت ملی
میلے پن سے ایک کو ذلت ملی
ایک حلوائی کے ہاں بیٹے تھے دو
پیار سے رکھتا تھا وہ ہر ایک کو
جو بڑا تھا اس کا جوتی نام تھا
تھا جو چھوٹا اس کا موتی نام تھا
دونوں بیٹھے ساتھ پڑھنے مدرسے
اک جماعت میں وہاں داخل ہوئے
یہ رہا کرتے تھے میلے ہر گھڑی
اس لئے واں سب کو نفرت ان سے تھی
سامنے اک روز دونوں کو بلا
اس طرح استاد سمجھانے لگا
صاف اور اجلے رہو لڑکو سدا
ہر طرح اس میں تمہارا ہے بھلا
ایک تو دل خود تمہارا خوش رہے
دوسرے ہر ایک خوش ہو کر ملے
تم کو میلا پائیں گے افسر اگر
شک نہ جانو ہوں گے ناخوش دیکھ کر
علم سے محروم رہ جاؤ گے تم
اور ساری عمر پچتاؤ گے تم
تھا اگرچہ عمر میں جوتی بڑا

عقل میں پر اس سے تھا موتی بڑا
جب سنا موتی نے یہ استاد سے
صاف رہنے کا ہوا بس شوق اسے
جب وہ کپڑے دیکھتا میلے ذرا
اور نہ آتا دھل کے جوڑا دوسرا
آپ دھوتا ان کو اپنے ھاتھ سے
صاف اجلا ہوکے جاتا مدرسے
اب یہاں سے تم سنو جوتی کا حال
اس پہ میلے پن نے کیا ڈالا وبال
ایک دن اس مدرسے میں ناگہاں
انسپکٹر آئے لینے امتحان
جب پڑی جوتی پہ صاحب کی نظر
ہوگئے ناخوش اسے وہ دیکھ کر
امتحاں میں بھی نہ جب اچھا رہا
اور بھی اب تو ہوئے صاحب خفا
اس کا جب استاد سے پوچھا سبب
کہہ دیا صاحب سے اس نے حال سب
حال جب صاحب نے سارا سن لیا
ہو خفا جوتی پہ جرمانہ کیا
مدرسے سے جب یہ دونوں آئے گھر
باپ نے دیکھا انہیں بھر کر نظر

ایک کا دل ہے خوشی سے باغ باغ
دوسرے کا جی ہے غم سے داغ داغ
آخر اس کا باپ نے پوچھا سبب
کہہ دیا موتی نے اس سے حال سب
باپ نے موتی کے سر پر پیار سے
ھاتھ پھیرا اور دئے پیسے اسے
اور جوتی سے کہا ہوکر خفا
بے حیا تجھ کو نہیں آتی حیا
دیکھ چھوٹا بھائی تو انعام پائے
تجھ پہ جرمانہ ہو اور ذلت اٹھائے
جب ہوا معلوم جوتی کو یہ حال
سب کے سب ناراض ہیں مجھ سے کمال
صاف ستھرا ہوگیا ناچار وہ
نیند سے گویا ہوا ھشیار وہ
اب تو سستی اس کی سب جانے لگی
اور چستی دن بدن آنے لگی
جی لگا کر لکھنے اور پڑھنے لگا
نمبر اس کا دن بدن بڑھنے لگا
امتحاں آکر جو صاحب نے لیا
سب سے اچھا امتحاں اس نے دیا

دیکھ کر اس کی لیاقت کا یہ حال
خوش ہوا استاد جی کا دل کمال
ہم جماعت آبرو کرنے لگے
سب خوشی سے گفتگو کرنے لگے
خوش بہت اس سے ہوئے ماں باپ بھی
ہوگیا آرام سے وہ آپ بھی

گالیوں کی بُرائی

نصیحت یہ تم یاد رکھنا سدا
زباں پر ہے گالی کا لانا برا
یہ لڑکوں نے استاد سے جب سنا
بہت ہو کے حیران سب نے کہا
کسی شخص نے کیا جواب آپ سے
ہماری شکایت ہے کی آن کے
نہیں ایک قصہ سناتے ہیں ہم
بدی گالیوں کی جتاتے ہیں ہم
یہاں ایک رہتا ہے منو کمہار
وہ خوب اپنے ہے کام میں ہوشیار
خدا نے ہے ایک اس کو بیٹا دیا
جو ہے اس کے تاریک گھر کا دیا
رکھا باپ نے اس کا چنو ہے نام
دیا مٹی کے بیچ لانے کا کام
گدھے لے کے جنگل وہ جاتا ہے روز
اور اک کھیپ مٹی کی لاتا ہے روز
اسے شہر میں لا کے ہے بیچتا
یہی کام اس کا ہے لڑکو سدا

گدھا ٹھیر جاتا جو لینے کو دم
ذرا سست یا وہ اٹھاتا قدم
یہ پہلے تو گالی سناتا اسے
پھر آگے اسی دم ھنکاتا اسے
زباں پر بہت چنو کے گالیاں
اسی طرح سے ہوگئی تھیں رواں
سنو اتفاق ایک دن کیا ہوا
کہ قیمت پہ مٹی کی جھگڑا ہوا
خریدار کچھ دام دیتا تھا کم
یہ بولا لیتے نہیں اتنے ھم
پھر اس نے یہ غصے سے اس کو کہا
کہ لے جا تو اپنی یہ مٹی اٹھا
ادھر آ گیا غصہ چنو کو بھی
جھٹ اک گالی اس نے سنا اس کو دی
خریدار نے جو ھی گالی سنی
پکڑ کر وھیں اس کی گت خوب کی
پڑ اب تو چنو وھاں اس قدر
پڑے زخم اس کے کئی جسم پر
گیا روتا اور پیٹتا اپنے گھر
ہوئی اس کو حیران ماں دیکھ کر

وھیں اتنے میں باپ بھی آگیا
جو بیٹے کو دیکھا تو گھبرا گیا

لگا پوچھنے کس نے مارا تجھے
بتا تو سہی کچھ تو بیٹا مجھے

کہا رو کے چنو نے یوں باپ سے
کہ میں حال کہتا ہوں سچ آپ سے

گدھے اپنے میں تھا لئے پھر رہا
خریدار بھی اک وھاں آ گیا

وہ تین آنے کو، مجھ سے مٹی چکا
ھنسی اور خوشی اپنے گھر لے گیا

زمیں پر دیئے میں نے جب بورے ڈال
تو دی اس نے مجھ کو دوانی نکال

میں دو آنے لیتا کیونکر بھلا
کہ تین آنے کا وہ مرا مال تھا

طلب میں نے جو تین آنے کئے
تو مجھ کو پکڑ کر لگا مارنے

سنا باپ نے جب یہ لڑکے سے حال
خریدار پر آیا غصہ کمال

وھیں ساتھ اپنے وہ چنو کو لے
گیا چیختا گھر خریدار کے

محلے کے لوگوں نے جب غل سنا
گھروں سے نکل کر یہ سب نے کہا
خطا تو بڑی تیرے لڑکے نے کی
خریدار کو گالی چھٹتے ھی دی
سنا منو نے جب یہ گالی کا حال
اسے چنو پر غصہ آیا کمال
وھیں سے اسے خوب گھڑتا ھوا
وہ اپنے گھر الٹا روانہ ھوا
سزا دو طرف سے جو کو ملی
تو چنو نے اپنی خطا مان لی
کہا جوڑ کر ھاتھ یوں باپ سے
کہ اب تو مری تو خطا بخش دے
میں گالی کسی کو نہ دوں گا کبھی
نہ آئندہ دنگا کروں گا کبھی
یہ سن بخش دی باپ نے بھی خطا
ھنسی اور خوشی پھر وہ رھنے لگا

حصۂ سوم

اردو کی تیسری کتاب

فہرست مضامین

صفحہ

دودھ پلانے والے جانوروں کا بیان

پرندوں کا بیان

صفحہ

درختوں کا بیان

تاریخی حالات

دُودھ پلانے والے جانوروں کا بیان

گائے

یہ ایسا جانور ہے کہ سب جانتے ہیں۔ اس کی صورت شکل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہندو اسے بڑا پاک جانور مانتے ہیں۔ نرا جانور ہی نہیں بلکہ اس سے بہت کچھ زیادہ خیال کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اسے بڑی محبت سے پالتے ہیں اور بہت کچھ سیوا کرتے ہیں۔ آدمی کو جو فائدے اس سے ہیں شاید اور کسی جانور سے نہیں۔ جب تک جیتی ہے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں ہمیں دیتی ہے۔ جس جانور سے اتنے فائدے ہوں لازم ہے کہ ہم بھی اچھی طرح اس کی خدمت کریں۔ اول تو ہمیں دودھ دیتی ہے میٹھا میٹھا تازہ تازہ۔ کون سا لڑکا یا لڑکی ہوگی کہ بھرا پیالہ ہو اور پینے کو جی نہ چاہے؟ ملائی، ربڑی، کھویا، دہی، مکھن، گھی، چھاچھ اور لسی دیتی ہے۔ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو ہمارے کھانے پینے کیسے روکھے رہتے۔ ملائی، کھویا، گھی

نہ ہوتا تو بہتیری مزے مزے کی مٹھائیاں نصیب بھی نہ ہوتیں - بیل ہل جوتتے ہیں - بوجھ ڈھوتے ہیں - چھکڑے کھینچتے ہیں - رہٹ ، چرسے اور کولھو میں چلتے ہیں - گوبر سے کچے مکان لیپتے ہیں - آپلے تھاپتے ہیں - جن غریبوں کو لکڑیاں جلانے کا مقدور نہیں وہ انہیں جلاتے ہیں - ہندو چوکا دیتے ہیں - مرنے کے بعد اس کے جسم کے بہت سے حصے کام میں آتے ہیں - کھال سے گھوڑوں کے ساز، بگھی کے سامان ، زین ، چابک ، لگام اور بہت سی چیزیں بنتی ہیں - سینگوں سے کنگھیاں ، چاقو اور چھریوں کے دستے ، پٹھوں ، نسوں وغیرہ سے سریش -

گائے روز دو دفعہ دودھ دیتی ہے - صبح اور شام دودھ کو مٹی کے باسنوں میں جوش دے کر رکھ چھوڑتے ہیں - پھر اس سے جو چاہتے ہیں بناتے ہیں - مکھن نکالنا ہو تو ذرا سا دھی ملا کر ڈھانک رکھتے ہیں - وہی جم کر دھی ہو جاتا ہے - پھر ایک مٹی کے باسن میں ڈال کر اسے رئی سے بلوتے ہیں - تھوڑی دیر میں مکھن جدا ہو جاتا ہے ، چھاچھ جدا - بعض ملکوں میں اور اور طرح بھی مکھن نکالتے ہیں مگر ہلاتے سب جگہ ہیں -

گائے اکثر گھاس اور چارا کھاتی ہے - دانہ اور

کھلی بھی دیتے ھیں۔ اس سے دودھ زیادہ ھوتا ھے۔
گوشت یا کوئی جان دار چیز نہیں کھاتی۔ گائے کی
صورت اور اس کے ڈیل ڈول کو سب پہچانتے ھیں۔
مگر یہ بہت لوگوں کو خبر نہیں کہ جو جانور جگالی کرتے
ھیں ان کا معدہ کچھ اور ھی طرح کا ھوتا ھے۔
اس میں چار خانے ھوتے ھیں۔ ھر ایک الگ الگ کام
دیتا ھے۔ اسے جگالی کرتے سب نے دیکھا ھے مگر
اصل حال کی خبر نہیں۔ سنو! اس کے اوپر کے دانت
نہیں ھوتے۔ ڈاڑھیں ھوتی ھیں مگر جلدی جلدی نہیں
چلنیں۔ چونکہ کھاتی بہت ھے اس لئے پہلے جو کچھ
سامنے آتا ھے اسے پورا نہیں چباتی، یوں ھی نگل
جاتی ھے۔ یہ دانہ ھو یا گھاس اول پہلے خانے میں
جمع ھوتا ھے پھر دوسرے خانے میں۔ جب نچنت ھوتی
ھے تو اس میں سے نکال نکال کر منہ میں لاتی ھے۔
دوبارہ چباتی ھے اور کھا جاتی ھے۔ جب گائے چر رھی
ھو تو یہ سمجھو کہ اپنی خوراک سمیٹ رھی ھے۔
کھاتی جب ھے کہ جگالی کرتی ھے۔ بھینس، اونٹ،
بھیڑ، ھرن، بکری سب جگالی کرنے والے جانور ھیں۔
ایسے جانوروں کے پاؤں یا کھر بیچ میں سے پھٹے
ھوئے ھوتے ھیں۔

گدھا

دیکھنا! بے درد کس بے رحمی سے اپنے گدھے کو مارتا ہے۔ بچارے پر اتنا بھاری بوجھ لادا ہے کہ ٹھوکریں کھاتا چلا آتا ہے۔ کیا وہ خدا کی جان نہیں؟ میاں کو حقیقت تو جب معلوم ہو کہ اسی بوجھ کو ذرا اپنی کمر پر رکھ لیں۔ پھر بوجھ کا مزا دیکھیں۔ گدھے بچارے کو سب سے برا تو چارہ دیتے ہیں۔ اس پر چاہتے ہیں کہ بوجھ وہ اٹھائے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں جہاں دیکھو گدھے کی ٹانگیں بوجھ کے مارے پھر گئی ہیں۔ کیا سبب ہے؟ بچپن ہی سے بھاری بھاری بوجھ لادنے لگتے ہیں۔

مانا کہ گدھا خوب صورت نہیں، بے شک لمبے لمبے کان اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے مریل معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی زیادتیاں سہتا ہے۔ انہیں باتوں نے اسے ذلیل کردیا ہے۔ مگر خدا نے بے سمجھ نہیں بنایا ہے۔ بعض مقاموں پر اس نے بڑی بڑی ہوشیاریاں دکھائی ہیں۔ جو مالک اسے چاہتا ہے یہ بھی اس

کی صورت پر عاشق ہوتا ہے۔ اس کا قدم ذرا سست تو
اٹھتا ہے مگر اس پر بھی پہروں برابر چلا جاتا ہے۔
خراب رستوں اور پہاڑوں میں تو زیادہ یہی کام دیتا ہے۔
سبب یہ ہے کہ اس کا قدم گھوڑے سے زیادہ جم کر
پڑتا ہے۔ پہاڑوں میں اکثر ایسی اوکھی گھاٹیاں اور
اتار چڑھاؤ کے رستے ہیں کہ ذرا قدم بے موقع پڑا
اور جان گئی۔ یہی بچارا ہے جو ایسے رستوں میں
صحیح سلامت بوجھ منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ اس کا بچہ
خوب صورت ہوتا ہے اور چالاک بھی۔ کلیلیں کرتا
ہے مگر اس پر بھی ادھر کام کی مصیبت پڑی آدھر
وہ ہونہار صورت خاک میں ملی۔ اچھی طرح پرورش
ہوتی، نہ صورت بگڑتی، نہ سمجھ جاتی۔ سچ ہے سارے
دن کام ہی کام۔ بہلاوے کا ذکر نہ کھیل کا نام۔
مودھو، بچارے کی عقل نہ جائے تو کیا ہو؟ گدھی
بچے کو بہت چاہتی ہے۔ جنتی ہے تو ایک ہی بچہ
پیدا ہوتا ہے۔ اس کا دودھ بہت خوب ہوتا ہے۔ بچوں
کے لئے بڑا مفید ہے۔

کہیں بے وقوفی کا ذکر ہوتا ہے تو پہلے اسی
بچارے کا نام آتا ہے۔ یہ لدو گدھوں کا بیان ہے
مگر جنگلی گدھے کا ایسا حال نہیں۔ وہ بڑا تیز رفتار ہے۔
ایک طرح کے جنگلی گدھے سندھ اور بلوچستان میں اور

پنجاب کی مغربی حد کی طرف ملتے ہیں۔ انہیں گورخر کہتے ہیں۔ یہ خوب صورت ہوتے ہیں۔ سرخی لئے خاکی رنگ لیکن منہ، چھاتی اور نیچے کا دھڑ سفید۔ پیٹھ کی لمبان پر بھوری دھاریاں اکثر کندھے اور پاؤں پر بھی دھاریاں ہوتی ہیں۔

گھوڑے اور گدھے سم دار جانور ہیں۔ ان کے سم ثابت ہوتے ہیں۔ چنگالی کرنے والے جانوروں کے پاؤں یا کھروں کی طرح بیچ میں سے پھٹے ہوئے نہیں ہوتے۔

بلّی

اسے سب جانتے ہیں ۔ ایسا کوئی ملک ہوگا
جہاں یہ نہ ہو ۔ آدمیوں سے اسے دلی لگاؤ ہے ۔ کتوں
کی طرح یہ بھی آدمیوں سے ہل جاتی ہے ۔ گھروں میں
نڈر اور بے خطر رہتی ہے ۔ اس مسکینی سے گزارا کرتی
ہے کہ بچے اس سے کھیلتے ہیں ۔ گری پڑی ہڈی
بوٹی لے لیتی ہے ۔ اسی پر گزران کرتی ہے ۔ یہ بڑی
پاک صاف اور ستھری ہے ۔ ہمیشہ اپنے بدن کو صاف
کرتی ہے ۔ منہ اور کھردری زبان اس کے لئے پانی اور
رومال ہے ۔ چہرہ یا کان جہاں زبان نہیں پہنچ
سکتی ہاتھ کو چاٹ کر گیلا کر لیتی ہے ۔ اس
سے مل مل کر صاف کرتی ہے ۔ بلی کے نرم نرم بال ہوتے
ہیں ۔ بعض ملکوں میں اس کے پوست سے پوستینیں
بنتی ہیں ۔ یہ اور پوستینوں سے کم قیمت ہوتی ہیں ۔
بلی کئی رنگ کی ہوتی ہے ۔ کالی ، سفید ، صندلی ، چتکبری ،
بھوری ۔ بعضوں پر سیاہی مائل دھاریاں ہوتی ہیں ۔
ولایتی بلی بہت خوب صورت ہوتی ہے ۔ اس لئے بہت
قیمت پاتی ہے ۔ یہ کابل اور ایران سے آتی ہے ۔ اکثر
یک رنگ سفید ہوتی ہے ۔ لمبی لمبی پشم ریشم جیسی

نرم - جنگلی بلیوں کی کئی قسمیں ہیں - رنگ اور قد میں فرق ہوتا ہے - بعض بڑی خوب صورت ہیں - بعض ڈھائی فٹ سے تین فٹ تک لمبی ہوتی ہیں -

بلی کی آنکھیں عجیب طرح کی ہیں - اندھیرے میں سب کچھ دیکھتی ہے - چوہے چھیاں اور اور جانور جو دن کو کم نکلتے ہیں - اپنی آنکھوں کی مدد سے ان کا شکار کرتی ہے - جب دھوپ میں لیٹی ہوئی اونگھتی ہے تو دھیمی آواز خر خر سے کیسی مسکین اور غریب معلوم ہوتی ہے - مگر موقع بن جائے تو شکار پکڑنے کو بڑی شیر ہے - اس کے ننھے ننھے دانت تو دیکھو کیسے باریک اور تیز ہیں - پنجے کو ذرا ہاتھ میں تھامو، کیا نرم ہے ! یہی سمجھو گے کہ اس میں دکھ دینے کی کوئی چیز نہیں - ٹھیر جاؤ ! ابھی نہ چھوڑنا - ذرا وہ دق ہو جائے - انھی نرم نرم پنجوں میں سے کیا نشتر سے ناخن نکل پڑتے ہیں - ناخن چھپے رہتے ہیں تو اس کے لئے بڑا آرام ہے - وہ لمبے اور ٹیڑھے ہیں اور نوکیں تیز - اگر کتے کی طرح نکلے رہتے تو چلنے پھرنے میں بلی کو بڑی مشکل ہوتی اور وہ بھی ایسے تیز نہ رہتے - اب ضرورت کے وقت نکالتی ہے اور جب چاہتی ہے اندر کھینچ لیتی ہے - پھر دیکھنے میں وہی نرم نرم اوپر ریشم سی پشم -

پلی ہوئی بلی بڑی غریب ہوتی ھے ۔ چمکارنے پچکارنے سے خوش ہوتی ھے ۔ چاھتی ھے کہ پیار سے رکھو ۔ ایک پیالی بھر کر دودہ اس کے سامنے دھر دو تو خوش ہو گی ۔ خر خر کرے گی ۔ پتلی ، گلابی ننھی سی زبان ھے ۔ اس سے چاٹے گی ۔ آنکھیں بند کرے گی ۔ میٹھے میٹھے دودہ کا مزا لے گی ۔ دودہ اسے بھاتا ھے مگر گوشت پر دوانی ھے ۔ پلی ہوئی نہیں ہوتی تو گوشت ھی پر گزارا کرتی ھے ۔ چڑیا ، بٹیر ، فاختہ ، سوئے تازے جانور اس کا من بھاتا کھاجا ھے ۔ پلی ہوئی بلی سے آدمی کو بڑے فائدے ھیں ۔ چوھے چھپاں وغیرہ مارتی ھے ، مگر کبھی کبھی نقصان بھی کرتی ھے ۔ کبوتروں اور مرغی کے بچوں کی سخت دشمن ھے ۔ دڑبے میں گھس جائے تو سب کو توڑ جاتی ھے ۔

کسی پرندے کا شکار کرتی ھے تو عجیب تماشا ہوتا ھے ۔ دیکھنا دیکھنا ! وہ جھاڑیوں میں کیسی چپکے چپکے دبے پاؤں گھات لگاتی پھرتی ھے ! نرم نرم پنجے کیسے آھستہ رکھتی ھے ! پاؤں کی آھٹ تک نہیں ۔ وہ ٹہنی کے پیچھے تاک لگائے بیٹھی ھے ۔ یہ کم بخت کیا بھولا بھالا جانور ھے ۔ دیکھو ! شکار اب اس کی زد پر آپہنچا ۔ وہ بلی جھپٹی ۔ ایک ھی چھلانگ میں جا لیا ۔ اے ھے ! کیسا بچارا پھڑکتا ھے ۔ بلی کا

چہرہ دیکھنا! کیا بگڑے ہوئے تیور ہیں ! کیا آنکھیں بدلی ہوئی ہیں ! چوہے کو شکار کرتی ہے تو پکڑتے ہی نہیں مار ڈالتی۔ تھوڑی دیر کھیلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بے بس کو تنگ کرکے خوش ہوتی ہے۔ پہلے اسے منہ سے چھوڑ دیتی ہے۔ بچارا تھوڑی دور بھاگ جاتا ہے۔ پھر جھپٹتی ہے۔ جھٹ دوڑ کر پکڑ لیتی ہے۔ غرض اسی طرح تھوڑی دیر اس سے کھلاڑیاں کرتی ہے۔ آخر کچھ ڈر ڈر کر کچھ تھک کر وہ غریب مر جاتا ہے۔

بلی سے اکثر تین سے چھ تک بچے ہوتے ہیں۔ نو روز تک ان کی آنکھیں بند رہتی ہیں۔ جب تک یہ چل پھر نہیں سکتے منہ میں داب کر ادھر آدھر پھرانے لیے جاتی ہے۔ یہ اپنے بچوں کو بہت چاہتی ہے۔ ان کی نگہبانی خوب کرتی ہے۔ ذرا غافل ہو جائے تو کتے بلیاں انہیں مار ڈالتے ہیں۔

بلی صورت شکل اور عادت میں شیر سے ملتی جلتی ہے۔ پر اتنا فرق ہے کہ یہ درخت دیوار ہر جگہ چڑھ جاتی ہے۔ شیر نہیں چڑھ سکتا۔ ہندوستانی اسے شیر کی استانی کہتے ہیں، اور اس پر یہ کہانی گھڑتے ہیں کہ شیر کو اس نے سب کرتب بتائے۔ آخر اس نے پوچھا۔ کہ خالہ بلی ! اور کوئی بات باقی ہے ؟

تاڑ گئی کہ اس کی نیت میں فساد ہے۔ سکینی سے بولی۔ بس بیٹا ! اب کچھ نہیں۔ شیر نے چاہا کہ پہلے اسی کو شکار کرے۔ دوڑ کر حملہ کیا۔ درخت پاس تھا۔ جھٹ اس پر چڑھ گئی۔ شیر منہ دیکھتا رہ گیا۔

بہت سے جانوروں کے ناخن ایسے ہیں کہ پنجوں میں چھپے رہتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں باھر نکال بھی سکتے ہیں۔ یہ سب گوشت کھانے والے جانور ہیں۔ اپنے ہی شکار کا گوشت بہت پسند کرتے ہیں۔ ان کے دانت شکار کے ڈھب کے خوب ہیں۔ زبان کھردری ہے۔ ھڈیوں میں کچھ گوشت لگا رہے تو اس سے کھرچ لیتے ہیں۔ یہ سب جانور انگلیوں کے بل چلتے ہیں۔ ان کی انگلیوں کے نیچے کی طرف نرم نرم گوشت ہے۔ یہی سبب ہے کہ چلنے میں پاؤں کی آہٹ تک نہیں نکلتی۔ آنکھیں ایسی ہیں کہ دن رات برابر دیکھ سکتی ہیں۔ خدا نے کان ایسے بنائے ہیں کہ ذرا سی آواز بھی سن لیتے ہیں، شیر، چیتا وغیرہ سب اسی طرح کے جانور ہیں۔

بھیڑیا

یہ اکثر ملکوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔
قد میں بڑے کتے کے برابر ہوتا ہے۔ شکل میں بھی
اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔ لیکن سر لمبا ہے، ناک
نکیلی، دم گپھے دار، آنکھیں ترچھی، مضبوط اور زور
آور ایسا کہ بھیڑ، بکری کو منہ میں آسانی سے اٹھا لے
جاتا ہے۔ یہ بڑا جھلا ہے، مگر ہلاؤ تو ہل جاتا ہے
اور اپنے پالنے والے سے محبت کرنے لگتا ہے۔ بھیڑنی
اپنے بچوں کو بہت چاہتی ہے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں
تو ایسے نظر آتے ہیں جیسے کتے کے پلے۔ ویسے ہی
آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں۔

بھیڑئے جنگلوں میں غاروں اور بھٹوں کے اندر
رہتے ہیں۔ اور سب شکاری جانوروں کی طرح یہ بھی اکثر
رات ہی کو شکار کرتے ہیں۔ یہ بلا نوش سب طرح
کے جانور کھا جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مینڈک اور
چھپکلی بھی نہیں چھوڑتے۔ ان کی ٹولیوں میں سے کوئی
بیمار ہو جائے تو بے درد اسے بھی اپنا ناشتا کر لیتے ہیں۔
جن گاؤں کے آس پاس کچھ کچھ دور تک آبادی نہیں
ان کے آگے پیچھے اندھیری اور سنسان رات میں آ لگتے

ھیں[1]۔ بھیڑ، بکری کے بچے اور بچھڑے کا گلا پکڑ کر اٹھا لے جاتے ھیں۔ داؤں لگ جائے تو آدمی کے بچے کو بھی لے بھاگتے ھیں۔ اکیلے بیٹھ کر اپنا شکار خوب مزے سے کھاتے ھیں۔ بھیڑئے بھوکے ھوں تو بڑے جھلے ھوتے ھیں۔ جن ملکوں میں برف پڑتی ھے اور ھفتوں تک زمین نہیں دکھائی دیتی وھاں انھیں خوراک کی بڑی مصیبت ھوتی ھے۔ بھوک سے بے قرار ھوکر آپے سے باھر ھو جاتے ھیں۔ ٹولیاں باندھ باندھ کر پھرتے ھیں۔ آدمیوں پر بھی حملہ کرنے میں نہیں جھجھکتے۔ کبھی درندوں ریچھ وغیرہ پر بھی حملے کرتے ھیں۔ ان موذیوں کی بہت سی کہانیاں ھیں کہ لوگوں کے مرنے میں بال ھی بھر کا فرق رہ گیا ھے۔ زندگی تھی کہ جانیں بچ گئیں۔ یہ ایسے جانور نہیں کہ جمع ھوکر آئیں تو خطرناک ھوں۔ نہیں اکیلا ھو تو بھی آفت ھے۔

کہتے ھیں کہ ایک کسان اپنے جھونپڑے میں بیٹھا تھا۔ سامنے انگنائی میں دیکھا کہ بھیڑیا دبے پاؤں آیا اور بکری کو جھٹ اٹھا کر لے چلا۔ کسان اٹھ کر دوڑا۔ گود میں ڈیڑھ برس کا بچہ تھا۔ جلدی سے اسے زمین پر بٹھا دیا اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر

---

[1] ۔ ن آ دھمکتے ھیں۔

بھیڑئے پر آیا۔ یہ موذی گھبرا کر بکری چھوڑ گیا۔ بچے پر نگاہ پڑی جھپٹ کر اسے لے بھاگا۔ باپ بچارا چلاتا پیچھے دوڑا مگر بے فائدہ تھا۔ بھیڑیا ہوا ہوگیا۔ بچے کا پتا نہ چلا۔

بھیڑئے، لومڑی، گیدڑ صورت شکل میں کتے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس شکل کے جانور گوشت کھاتے ہیں۔ سب کے دانت گنتی اور بناوٹ میں ایک سے ہوتے ہیں۔ بلی، شیرؔ وغیرہ کی طرح انگلیوں کے بل چلتے ہیں، پر ناخن ویسے تیز نہیں ہوتے، نہ ان کی طرح اندر کھینچ سکتے ہیں۔

خرگوش

تم کھیت یا جنگل میں چلے جاتے ہو تو ادھر ادھر کہیں جھاڑیاں سی دکھائی دیتی ہیں - کہیں جھنڈیاں نظر آتی ہیں - انہی میں سے ایک چھوٹی سی چیز پاؤں کے پاس سے نکل جاتی ہے - مٹیالا سا رنگ ہوتا ہے اور اس سناٹے سے جاتی ہے کہ تم دیکھتے رہ جاتے ہو - خرگوش یہی ہے - جس جھاڑی سے نکلتا ہے وہاں جا کر دیکھو تو کہیں نہ کہیں اس کا بستر ضرور نظر آئے گا - وہ اتنا ہوتا ہے کہ خرگوش اس میں ٹھیک سما جاتا ہے - صاف صاف نرم نرم گھاس پسند کرتا ہے - ہمیشہ وہیں رہتا ہے - گھاس میں بدن کا ویسا ہی نشان پڑ جاتا ہے - لومڑی چوہوں کی طرح زمین میں نہیں رہتا - نہ کوئی ایسی جگہ بناتا ہے کہ وقت پڑے تو پناہ کے لئے کام آئے - دشمنوں سے بچنے کے لئے اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں - پاؤں کی پھرتی ہی بچاؤ ہے -

خرگوشنی برس میں تین چار دفعہ بچے دیتی ہے - اکثر ایک جھول میں چار تک ہوتے ہیں - پیدا ہوتے ہی بچوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں - ادھر ادھر پھدکتے

پھرتے ہیں۔ مہینہ بھر میں ماں سے الگ ہوکر چرنے چگنے لگتے ہیں۔ خرگوش کا رنگ مٹیالا سا ہوتا ہے، پیٹ سفید، اوپر کو اٹھی ہوئی چھوٹی سی سفید دم۔ چار لمبے لمبے تیز دانت آگے کو۔ دو نیچے۔ دو اوپر۔ ان سے اپنی خوراک کترتا ہے۔ اس کا ہلکا پھلکا جسم لمبی گٹھیلی ٹانگیں بھاگنے کے ڈھب کی خوب ہیں۔ اس پر کوئی حملہ کرتا ہے تو اونچائی کی طرف بھاگتا ہے۔ سبب یہ ہے کہ اس کے پچھلے پاؤں لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ چڑھائی پر آسانی سے چڑھ جاتا ہے۔ خدا نے کان ایسے بنائے ہیں کہ انہیں ہر طرف پھیر سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کھٹکا ہوتے ہی جھٹ چوکنا ہو جاتا ہے۔ گدھے کی طرح لمبے لمبے کان ہیں۔ اسی لئے خرگوش کہتے ہیں[1]۔ آنکھیں پیچھے کی طرف اتنی ہٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ منہ پھیر کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ پیچھے کی چیزیں خوب معلوم ہوتی ہیں۔ اوپر کا ہونٹ چرا ہوا ہوتا ہے۔

پھرتی اور چوکنے پن کے سوا اس کے پاس ایک اور بچاؤ کی چیز ہے۔ وہ کیا؟ اس کی مکاری۔ کوئی شکاری اس کا پیچھا کرتا ہے تو یہ ہزاروں چھل

۱۔ آزاد یہاں بھی اپنے لسانی ذوق کو نہیں بھولے۔ 'خرگوش' کی وضاحت اس کا ثبوت ہے۔

بٹے دے کر نکل جاتا ہے ۔ اسے دو طرح کے کتوں سے شکار کرتے ہیں ۔ ایک تازی جن کے بڑے بڑے قد ہوتے ہیں اور لمبی لمبی ٹانگیں ۔ وہ دیکھتے جاتے ہیں اور پیچھے دوڑتے ہیں ۔ نزدیک آ جاتے ہیں تو خرگوش کترا جاتا ہے ۔ کتے جلدی سے رک نہیں سکتے آگے نکل جاتے ہیں ۔ پھر اس کے نزدیک پہنچتے ہیں تو یہی چال چلتا ہے ۔ اس لئے خرگوش کے پکڑنے میں کتوں کو بڑا ہیر پھیر کھانا پڑتا ہے ۔ دوسرے بو گیر کتے ، ان کے قد چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں ۔ خرگوش ان سے بہت آگے نکل جاتا ہے ۔ یہ پیچھے پیچھے بو سونگھتے دوڑتے جاتے ہیں ۔ خرگوش خوب جانتا ہے کہ اس کی بو کھوئی جائے تو پھر ان کے ہاتھ نہ آئے گا ۔ کبھی دیوار پر چڑھ جاتا ہے ۔ اوپر اوپر چلا جاتا ہے ۔ دوسری جگہ جا اترتا ہے ۔ کبھی جس رستے جاتا ہے ۔ اسی رستے الٹ کر اور طرف نکل جاتا ہے ۔ جھاڑیاں ہوں تو ایک سے دوسری میں کودتا چلا جاتا ہے ۔ پانی سامنے آ جائے تو کود پڑتا ہے ۔ تھوڑی دیر تیر کر کسی اور طرف جا نکلتا ہے ۔ کبھی لومڑی وغیرہ کے بھٹوں میں بھی جا چھپتا ہے ۔

خرگوش کے دشمن بہت ہیں ۔ آدمی کھاتے ہیں ۔ بہتیرے پرندے اور جانور بھی اس پر حملہ کرتے ہیں ۔

غرض اتنے مارے جاتے ہیں کہ اگر ایسی بہتات سے بچے نہ دیا کرتے تو ایک خرگوش بھی نہ دکھائی دیتا۔ یہ جانور آدمیوں سے بہت بدکتا ہے لیکن پھر بھی کبھی کبھی بہت ھل جاتا ہے۔ یہ گھاس پات کھاتا ہے۔ ترکاریاں بھی بہت بھاتی ہیں۔ یہ اناج کی ہری ہری کھیتیاں برباد کر دیتے ہیں۔ یعنی جڑوں تک کھا جاتے ہیں۔

خرگوش کی طرح اور بھی بہت سے جانور ہیں کہ ان کے منہ میں آگے کو چار لمبے لمبے تیز دانت ہوتے ہیں۔ دو نیچے دو اوپر۔ ان سے اپنی خوراک کترتے ہیں اور ڈاڑھوں سے چبا کر کھاتے ہیں۔ گلہری، چوھا، چھچھا، گھونس، سیہہ وغیرہ سب کترنے والے جانور ہیں۔

بندر

یہ گرم ملکوں میں اکثر ہوتے ہیں - بہتیری طرح کے ہیں - بعض کے قد آدمی کے قریب قریب ہیں ، بعض کے بہت چھوٹے - شکلوں میں بھی بہت فرق ہے - کسی کی دم لمبی ہے ، کسی کی چھوٹی ، کسی کی ہوتی ہی نہیں - ہاں ایک بات میں سب یکساں ہیں کہ چار ہاتھ ہوتے ہیں - اگلے پچھلے چاروں پنجے برابر چلتے ہیں - جیسے آدمی کے ہاتھ ویسی ہی انگلیاں ، ویسا ہی انگوٹھا - ان سے ہر چیز کو پکڑ لیتے ہیں - اسے چوھتا جانور کہنا بجا ہے - جہاں اور جانور نہیں چڑھ سکتے - انہی ہاتھوں کی مدد سے یہ بے لاگ اور بے خطر چڑھ جاتے ہیں - یہ بات بھی سب میں پائی جاتی ہے کہ طرح طرح کی شرارتیں کرتے ہیں - لوگوں کی نقلیں اتارتے ہیں - یہ کمال ہے کہ جو کچھ دیکھتے ہیں جھٹ وہی کرنے لگتے ہیں -

جو بندر اس ملک میں اکثر دکھائی دیتے ہیں ، ان کے قد درمیانی ہیں - لمبی دم ، بھوری سی پیٹھ ، ٹانگیں اور باقی جسم خاکستری ، سیاہ ہتیلیاں - بندر جوانی پر آتا ہے تو بندریا سے زیادہ اس کا منہ سرخ ہو جاتا ہے - یہ ایک اچنبھے کا جانور ہے - جہاں کثرت سے پائے

جاتے ہیں ایک آفت ہوتی ہے۔ ہندو اسے پاک جانور سمجھتے ہیں۔ یہ مندروں اور شوالوں کے آس پاس بڑے موذی اور دلیر بن جاتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ سیانا ہے۔ وہ بھی سمجھتا ہے کہ یہاں مجھے کوئی تکلیف نہ دے گا۔ گاؤں کے رہنے والے گھروں کی چھتوں پر کانٹوں کی جھاڑیاں بچھا دیتے ہیں مگر بے فائدہ۔ یہ انہیں پھینک دیتے ہیں۔ ادھر ادھر کودتے پھاندتے پھرتے ہیں۔ طرح طرح کی شرارتیں کرتے ہیں۔ جنگل میں ہوتے ہیں تو میوے اناج، چھوٹے چھوٹے درخت چبا چبا کر گزران کرتے ہیں۔ لیکن بستی ہو تو بازاروں میں بھاگتے پھرتے ہیں۔ حلوائیوں اور نانبائیوں کی دکانوں پر تاک لگائے رہتے ہیں۔ دکان دار کی ذرا آنکھ بچ جائے تو جو پاتے ہیں لے بھاگتے ہیں۔ لوگ چلاتے رہ جاتے ہیں کہ لیجئو لیجئو! وہ لے گیا، وہ لے گیا۔ عجب تماشا ہوتا ہے۔ یہ دیوار یا درخت پر مزے سے کھائے جاتا ہے۔ مالک نیچے حیران کھڑا دیکھ رہا ہے۔ برا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ دیکھ دیکھ کر کبھی ہنستا ہے کبھی بھبکیاں دیتا ہے کبھی منہ چڑاتا ہے۔ جب میوہ کھاتا ہے تو سمٹ سمٹا کر بیٹھ جاتا ہے۔ نرم نرم انگلیوں سے اس کے چھلکے اتارتا ہے اور کترتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

کوئی چٹورا بچہ چاٹ مزے لے لے کر کھا رہا ہے۔

یہ بڑے سمجھ دار ہوتے ہیں۔ جو سکھاؤ آسانی سے سیکھ جاتے ہیں۔ تماشا گروں کے ساتھ سدھے ہوئے جانور ہوتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے تماشے کرتے ہیں۔ ان میں ایک دو بندر ضرور ہوتے ہیں۔ وہ ناچتے ہیں، ڈگڈگی بجاتے ہیں، قلا بازیاں کھاتے ہیں، کبھی بکرے پر سوار ہوتے ہیں۔ غرض ایسے فرماں بردار رہتے ہیں کہ اپنے مالک کے ہر ایک اشارے کو مانتے ہیں۔

بندروں کی عجیب مزے مزے کی نقلیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک امیر کے پاس دو بندر تھے۔ ایک بڑا تھا لیکن بد صورت۔ دوسرا چھوٹا تھا پر خوب صورت۔ چھوٹے کو سب پیار کرتے تھے۔ بڑا جل جل کر اس کا دشمن ہوگیا۔ ہمیشہ تاک میں رہتا تھا کہ داؤں لگے تو بدلہ لے کر جی ٹھنڈا کرے۔ ایک دن گھر میں سفیدی ہو رہی تھی۔ راج مزدور تو کام میں لگے، بڑے بندر نے یہ موقع غنیمت سمجھا۔ سفیدی کی بھری ہوئی ہانڈی لی۔ رفیق کی گردن پکڑ کر اس کے سارے بدن پر پھیر دی۔ کونچی کو پھینک جھٹ درخت پر چڑھ گیا۔ اب کس کا ڈر تھا۔ مزے سے جا بیٹھا۔ ہنس ہنس کر منہ چڑانے لگا۔ بچارا بہتیرا ہی سفید خلعت کو اتارتا تھا مگر کچھ نہ ہوسکتا تھا۔

جنگلی چوہا

ہندوستان میں اسے جنگلی چوہا کہتے ہیں، پر
حقیقت میں یہ چوہے کی قسم سے نہیں - ایک چھوٹا سا
عجیب جانور ہے - کوئی نو انچ لمبا - پیٹھ پر کانٹوں
دار قدرتی زرہ - چھوٹی چھوٹی کمزور ٹانگیں - لمبی ناک -
ننھی ننھی آنکھیں - پاؤں - چہرہ - نیچے کے اعضاء نرم نرم -
پیٹھ پر کانٹے نہ ہوتے تو بے پناہ تھا - یہ زرہ اس لئے
ہے کہ اس کا بچاؤ رہے - اس پر کوئی حملہ کرتا ہے
تو سمٹ کر گیند ہو جاتا ہے - سر کو دم سے ملا دیتا
ہے - سکڑ کر رہ جاتا ہے - ٹانگیں اور نرم نرم بدن
چھپ جاتا ہے - کانٹے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں -
اب ایسا نظر آتا ہے جیسے ارنڈ کا ایک بڑا سا بھورا
پھل - اب دشمن اس پر حملہ کرے تو کیا کرے؟
اسے اپنی مضبوطی کی آپ بھی خبر ہے - دیکھو سمٹ
جاتا ہے تو آگ یا پانی ڈالے بغیر نہیں کھلتا - مادہ
اپنے بچوں کو بہت چاہتی ہے - بچے بہت سارے ہوتے
ہیں - سب کی وہی خبر لیتی ہے - ان کی صورت شکل
عجیب و غریب ہوتی ہے - پیٹھ پر ننھے ننھے سفید کانٹے،

گلابی چہرہ ، بند آنکھیں -

یہ جانور دن کو کم دکھائی دیتا ھے - شام کو باھر نکلتا ھے - جتنی رات آتی ھے اتنا ھی اس کا جی خوش ھوتا ھے - خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتا پھرتا ھے - چھوٹے چھوٹے کیڑے ، پھل ، جڑی بوٹی اس کی خوراک ھے - سانپ ، مینڈک ، چھپکلی بھی کھا جاتا ھے - اس کے دانت تو چھوٹے چھوٹے ھوتے ھیں مگر شکار ھڈیوں سمیت ایسا چبا جاتا ھے جیسے گھوڑا گاجر چباتا ھے - اس کی زیادہ گزران کیڑوں پر ھے - کرم خور اسے کہنا بجا ھے -

کرم خور جانور اور بھی بہت سے ھیں جیسے چھچھوندر وغیرہ -

چمگادڑ

دونوں وقت ملتے جب چراغوں میں بتی پڑتی ہے
تو ایک نرالی شکل کا جانور ہمارے سر پر سے اڑتا ہوا
جاتا ہے، بڑی تیزی سے مگر چپ چاپ۔ ایسا ہلکا
پھلکا، جیسے کوئی پرچھائیں نکل گئی۔ تم جانتے ہو؟
چمگادڑ یہی ہے۔ اگرچہ یہ اڑتا ہے، پر اصل میں
پرندوں کی قسم سے نہیں۔ انڈے نہیں دیتا۔ چوپایہ
جانور ہے۔ بچوں کو چھاتیوں سے دودھ پلاتا ہے۔
جسم تو دیکھو جیسے چھپیا۔ نرم نرم بھورے رونگٹے،
گول گول لمبوترے کان۔ تم کبھی خیال کرکے دیکھنا
کہ اس کے بازوؤں میں پر نہیں۔ لیکن چکنی کالی سی
جھلی ہے کہ اگلے پنجوں سے پچھلے پنجوں تک
چھائی ہوئی ہے۔ جیسے تم پتنگ اڑاتے ہو اور اس
کی کانپوں پر کاغذ منڈھا ہوتا ہے اس کے جھلی منڈھی
ہے۔ یہی اسے پروں کا کام دیتی ہے۔ اگرچہ اس کے
پاس اڑنے کے اتنے سامان ہیں۔ اور تم بھی روز دیکھتے
ہو کہ ہوا میں ہزاروں چکر لگاتی ہے۔ پلٹیاں کھاتی
ہے، پر اکثر پرندوں کے برابر ہوا میں دیر تک تھم
نہیں سکتی۔

چمگادڑ بہت طرح کی ہے۔ بعض میوے کھاتی ہیں۔ بعض کیڑے مکوڑے۔ پر عام چمگادڑ ہر جگہ موجود ہے۔ شام کے وقت جب چاہو دیکھ سکتے ہو۔ لو! وہ روشنی کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ اسے ڈراؤ نہیں۔ یہ مچھر پکڑتی ہے۔ مچھر، بھنگے اور طرح طرح کے کیڑوں سے گزارا کرتی ہے۔ وہ نہایت پھرتی سے ہمارے پاس سے نکل جاتی ہے، تو اسی شکار کی تلاش میں ہوتی ہے۔ بڑی مبارک شام ہے، جس میں اسے بہت سے کیڑے مل جائیں۔ جاڑے میں اس کا شکار کم نظر آتا ہے تو کئی دن تک برابر پڑی سوتی ہے۔ شام سے پہلے کبھی نہیں نکلتی۔ دن کو اندھیرے سوراخوں میں، چھتوں کے کونوں میں، گھری چھاؤں کے درخت میں، کسی چٹان یا کسی عمارت کی دڑاڑ میں چمٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا سونا بھی دنیا سے نرالا ہے۔ سر نیچے کرتی ہے۔ ایک پنجے سے کسی چیز کو پکڑتی ہے اور لٹک رہتی ہے۔

شاید تم پوچھو گے کہ اندھیرے میں دیکھتی کیونکر ہے؟ سبب یہ ہے کہ اس کی آنکھیں بھی ایسی ہی ہیں جیسی بلی کی، پر اتنا فرق ہے کہ زیادہ روشنی میں گھبرا جاتی ہے۔ اسی سبب سے ٹکر کھاتی ہے۔ مگر جب سنبھل کر اڑتی ہے۔ تو وہی جھلی جو پروں

کا کام دیتی ھے اس کی رھبر بنتی ھے[۱]۔ یعنی اس کی مدد سے آس پاس کی چیزوں کا حال اسے معلوم ھو جاتا ھے۔ اس کے سوا ایک اور بات بھی ھے۔ وھی مہین جھلی جو اس کے ھاتھوں سے پاؤں تک منڈھی ھوتی ھے اور پروں کا کام دیتی ھے وہ بھی اسے ھر بات کی خبر دیتی ھے اور اس سے ھر چیز کا حال معلوم کر لیتی ھے۔ تم کہو گے کہ بازوؤں سے تو چیز کو جب ھی معلوم کریں گے کہ بازوؤں سے لگے۔ جب ٹکر لگ گئی تو پھر معلوم ھونے کا فائدہ کیا؟ مگر یہی تماشے کی بات ھے کہ اسے بغیر چھوئے بھی معلوم ھو جاتی ھے۔ یعنی جب وہ اڑنے کے لئے ھوا میں بازو مارتی ھے، اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز پاس ھوتی ھے تو فوراً بازوؤں کو معلوم ھو جاتی ھے۔ جھٹ بچ کر نکل جاتی ھے۔ عقل مندوں نے اس بات کو ثابت کیا ھے، مگر عجیب بے رحمی سے۔ کئی چمگادڑیں پکڑ کر ان کی آنکھیں نکال لیں۔ پھر ایک کمرے میں ادھر ادھر ڈورے تان دئے۔ ان مسکین جانوروں کو اندھا کرکے چھوڑ دیا۔ دیکھا کہ وہ خاصی طرح فرائے بھرتی پھرتی

۱۔ بعد کے ایڈیشنوں میں یہ عبارت یوں ھے: "تو وھی مہین جھلی جو اس کے ھاتھوں سے پاؤں تک منڈھی ھوئی ھوتی ھے اور پروں کا کام دیتی ھے وہ اسے ھر بات کی خبر دیتی ھے"

تھیں ۔ ڈورے سے ذرا ٹکر نہیں کھاتی تھیں ۔ اس لئے
کہ جب ڈورے کے پاس آتی تھیں تو ان کے نازک
پروں کو فوراً معلوم ھو جاتا تھا ۔

پرندوں کا بیان

مرغ

مرغا مرغی بہت مشہور ہیں - زیادہ اتا پتا بتانے کی ضرورت نہیں - جس ملک میں جاؤ وہیں پھرتے نظر آتے ہیں - کتے ، بلی ، گھوڑے ، بیل کی طرح جہاں آدمی رہ سکتا ہے وہاں یہ بھی ملتے ہیں - پرندوں میں سب سے زیادہ فائدے اس جانور سے ہیں -

مرغ بڑا بہادر اور خوب صورت ہے - جب وہ اپنی مرغیوں کے جمگھٹے کو لئے تنتا ہوا چلتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ بھی خوب سمجھتا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں ، اور کس آن بان سے چلے جاتے ہیں - کسی دیوار یا پتھر یا ٹیلے پر بیٹھتا ہے تو تیس مار خاں معلوم ہوتا ہے - گلا پھلاتا ہے - چھاتی ابھارتا ہے اور سارے بدن کا زور لگا کر چلاتا ہے - کہ ککڑوں کوں - گویا ساری دنیا کو سناتا ہے کہ دیکھو ہم کیسے بانکے اور سورما ہیں - یہ لڑائی پر مرتا ہے - اس کی ٹانگوں کے اندر کی طرف تیز کانٹے ہوتے ہیں - ان سے

اپنے دشمن کو بڑا نقصان پہنچاتا ہے۔ کبھی کبھی
بے رحم لوگ اس کی جنگی عادت سے اپنے دل خوش
کرتے ہیں۔ وہ اس کے اصلی ہتیاروں یعنی کانٹوں پر بھی
بس نہیں کرتے بلکہ ان پر تیز لوہا چڑھاتے
ہیں، اور اسے دشمن کے سامنے چھوڑتے ہیں
کہ وہ بھی اسی طرح تیار ہوتا ہے۔ تعجب کی بات ہے
کہ جب وحشیانہ لڑائی ہوتی ہے تو بعض آدمی اس
بے رحمی کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔
جو آدمی جواں مرد یا لڑکا بہادر ہوگا وہ تو ایسے کام
میں خوشی سے کبھی شامل نہ ہوگا۔

مرغی بہت انڈے دیتی ہے۔ کھانے میں بڑے
مزےدار ہوتے ہیں۔ بچے نکالتی ہے تو بڑے صبر سے
اکیس دن تک بیٹھی انڈے سیتی ہے۔ یہ اپنے بچوں کو
بڑی دلیری سے بچاتی ہے، کتے، بلی اس کے دڑبے کے
پاس جائیں تو پروں کو پھلا کر کڑکڑاتی ہوئی
دوڑتی ہے۔ اس کی ڈراؤنی صورت سے معلوم ہوتا ہے
کہ مرنے مارنے کو تیار ہے۔ اس وقت دل جلے ہی
جانور کا کام ہے کہ اس کا سامنا کرسکے۔ چیل اس
کے بچوں پر منڈلاتی ہوئی آتی ہے تو جھٹ ان کو پروں
کے نیچے چھپا لیتی ہے۔ اس کے بچے بڑے خوب صورت
ہوتے ہیں۔ گلابی ٹانگیں، گول گول کالی آنکھیں، تارا

سی چمکتی ہوئیں - زرد ، سفید ، نرم نرم روئیں دار کھال کا کرتہ پہنے چوں چوں کرتے پھرتے ہیں -

مرغے ، مرغیاں کرم وغیرہ کھاتے ہیں - کھیتوں ، گھروں اور رستے پر سے دانے دنکے چگ لیتے ہیں - یہ اپنی خوراک اکثر زمین کرید کر نکالتے ہیں - اس لئے خدا نے ان کی ٹانگیں مضبوط بنائی ہیں - پنجے چوڑے چوڑے ، ناخن خم دار ، مور ، پیرو یعنی فیل مرغ ، چکور تیتر ، بٹیر سب اسی طرح کے کریدنے والے جانور ہیں -

چینیا بطخ

یہ بڑی تیراک ہے۔ زمین سے پانی پر نہایت آرام سے رہتی ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی، کیسی ہوا سی تیرتی جاتی ہے! کہیں ڈبکی مارتی ہے، کہیں جا نکلتی ہے۔ کیا خوب صورت ہے! چالاک معلوم ہوتی ہے۔ دیکھنا! وہ کنارے پز جا پہنچی۔ اب اوپر چڑھتی ہے۔ اس کا لمبوترا بدن ہے۔ چھوٹی چھوٹی ٹانگیں دم کے پاس ہیں۔ بھدی سی ہے۔ تمہیں یقین آتا ہے! یہ وہی ہے۔ جو تیر رہی تھی؟ اس کی ٹانگیں ذرا غور سے دیکھو، پھر جانو گے کہ ایسی پھرتی سے کیوں تیرتی ہے۔ بھدے پن سے کیوں چلتی ہے۔ دیکھو! اس کی ایک انگلی پیچھے مڑی ہوئی ہے۔ سامنے کی باقی تین انگلیوں میں ایک جھلی پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے سارا پنجہ چپٹا ہوکر ایک پنکھا سا معلوم ہوتا ہے۔ تیراکی میں یہ چالاکی انہی پنجوں کی بدولت ہے۔ یہ اسے چپو کا کام دیتے ہیں۔ پانی کو بڑے زور سے پیچھے ہٹاتے ہیں، مگر چلنے میں دق کرتے ہیں۔

یہ انڈے بہت دیتی ہے، پر بے صبر اور بے پروا

ہے - اچھی طرح نہیں سیتی - اسی واسطے اس کے انڈے
اکثر مرغی کے نیچے بٹھاتے ہیں - چھوٹے چھوٹے بچے
زرد زرد روئیں کی پوستین پہنے ہوئے جب کسی مرغی
کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں تو عجیب تماشا ہوتا ہے -
مرغی پانی کے پاس پہنچتی ہے تو انہیں اپنے ہی
بچے جان کر اور اپنا سا حال سمجھ کر کنارے پر روکتی
ہے - وہ غڑپ پانی میں اترے اور تیرنے لگے - ماں
کنارے پر کھڑی دیکھتی ہے - حیران ہوتی ہوگی کہ
بچے تو وہ بات کرتے ہیں جو مجھ سے بھی نہیں ہوسکتی -
اس کی خوراک اچھی نہیں - گندہ خور جانور ہے - کیچڑ،
پانی ، تمہاری پھینکی پھکائی چیز جو کچھ سامنے آئے
کھا پی لیتی ہے - اسے صاف پانی سے میلا کچیلا پانی
بہت بھاتا ہے - بند پانی میں جہاں کائی وغیرہ ہو
بہت خوش ہوتی ہے - کیونکہ چھوٹے چھوٹے کیڑے
اسے یہیں ملتے ہیں - انہیں اپنی چپٹی اور چوڑی چونچ
سے پکڑتی ہے اور نگل جاتی ہے -

پلی ہوئی چنیا بطخوں کے بازو ایسے چھوٹے چھوٹے
ہوتے ہیں کہ مشکل سے اڑ سکتی ہیں - ہاں جنگلی
بطخیں یعنی مرغابیاں جو دریاؤں اور جھیلوں کے آس
پاس نظر آتی ہیں وہ خوب اڑتی ہیں - مگر پانی سب کو
بھلا معلوم ہوتا ہے - چلنے اور اڑنے سے پانی میں بہت

خوش ہوتی ہیں۔ اسی طرح کے اور بہتیرے تیراک پرندے ہیں جیسے ہنس، چکوا، خدا نے ان کے پاؤں بھی ایسے ہی بنائے ہیں۔

گدھ

ذرا سامنے دیکھنا! کتنے گدھ اکٹھے ہو رہے ہیں! کسی چاٹ کا لالچ ہوگا۔ اوھو! کوئی مردار بیل ہے یا کسی گدھے کی لاش۔ ایسے ہی گوشت کھا کھا کر گزارا کرتے ہیں۔ ان کی صورتیں کیسی مکروہ اور ڈراؤنی ہیں۔ بڑے بڑے قد، بھورے سے میلے پر۔ ننگی ننگی گردنیں، گنجے گنجے سر، مڑی ہوئی چونچیں، پھٹے پھٹے دیدے۔ کیا گھناؤنے جانور ہیں! کیسی غلیظ چیزیں مزے لے لے کر کھاتے ہیں! یہ اپنے کھاجے پر ایسے گرتے ہیں کہ ہم سر پر جا پہنچتے ہیں، جبھی خبر ہوتی ہے۔ پھر اپنی ضیافت حسرت سے چھوڑ دیتے ہیں۔ چوڑے چوڑے پر پھیلا کر چپ چاپ اڑ جاتے ہیں۔ کچھ دور نہیں جاتے۔ آس پاس جو درخت ہیں، انہی پر جا بیٹھتے ہیں کہ من بھاتی خوراک آنکھ سے اوجھل نہ ہو۔ جب موقع پائیں جھٹ آن موجود ہوں۔ یہ بڑا کھاؤ ہے۔ چاھتا ہے کہ ناکوں ناک بھر جاؤں۔ خوب پیٹ بھر جاتا ہے تو کسی درخت کے ٹھنڈ یا کسی اونچے سے پتھر پر جا بیٹھتا ہے۔ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ادھ موا سا

اتنی دیر بیٹھا رہتا ہے کہ وہ مکروہ غذا پچ جاتی ہے۔
ہڈیوں سے مردار لاش میں گوشت نوچنے کو
گلے گلے تک اتر جاتا ہے۔ سر اور گردن میں پر ہوتے
تو آلائش میں لتھڑ کر چمٹ جاتے۔ اس کی خمدار
تیز چونچ اور سڑے ہوئے مضبوط پنجے مردار کے نوچنے
پھاڑنے کو بڑے اچھے اوزار ہیں۔

بعض قافلوں کے جانور جنگل پہاڑوں کے سفر
میں بیمار ہو جاتے ہیں، یا ایسے گرتے ہیں کہ اٹھنے
کے قابل نہیں رہتے۔ لوگ ان کی سسکتی جان کو موت کے
حوالے کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ گدھ دور سے بیٹھے
ان کی نگہبانی کرتے ہیں۔ اسی انتظار میں رہتے ہیں
کہ ان کی جان کب نکلے اور کب اپنی ضیافت پر
آن بیٹھیں۔ اسے ذرا پروا نہیں کہ کیا کھاتا ہے۔
جتنا گلا سڑا مردار ہو اتنا ہی زیادہ بھاتا ہے۔
البتہ ہمارا فائدہ ہے۔ وہ مرداروں کو نہ کھائے
تو ہوا خراب ہو جاتی۔ وبا سے لوگوں کی جانیں جاتیں۔
یہ جیتے جانوروں پر کم گرتا ہے۔ ہاں کبھی بہت
بھوکا ہو اور بھیڑ بکری کا چھوٹا سا بچہ نظر آ جائے
تو اسے اٹھا لے جاتا ہے۔ میدان میں درختوں پر اپنا
گھونسلا بناتا ہے۔ اس کے اکثر گھونسلے پیپل کے
درختوں پر پائے جاتے ہیں۔ یہ اکثر مل گجا سا ایک

انڈا دیتا ہے۔ پہاڑی گدھ کا گھونسلا پہاڑوں میں بلند چوٹیوں پر ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کوئی نہیں جا سکتا۔

بہت سے پرندے اناج اور کیڑے کھاتے ہیں مگر گدھ گوشت ہی کھاتا ہے۔ یہ شکاری پرندہ ہے، گو اسے شکار سے مردار بہت بھاتا ہے۔ باز، شکرا، بہری، لگھڑ، چیل، الو وغیرہ سب شکاری پرندے ہیں۔

لم ڈھیک

یہ ہندوستان میں بہت ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے پرندوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کھڑا ہوتا ہے تو پورا پانچ فٹ اونچا نظر آتا ہے۔ خیال کرو تو آدمی کے قد کے لگ بھگ ہے۔ بازو پھیلاتا ہے تو عرض میں چودہ فٹ ہوتا ہے۔ چونچ تو دیکھو! کیا بڑی سی ہے! اس سے بڑی بڑی چیزیں اٹھا لیتا ہے۔ چونچ کے نیچے ایک بڑی سی تھیلی لٹکتی ہے۔ سر، گردن اور تھیلی پر پر نہیں ہوتے۔ نیچے کا دھڑ سفید ہوتا ہے، اوپر کا خاکستری۔ مگر بعض موسموں میں نر کا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہ بڑا پیٹو ہے۔ ایک دفعہ کسی شکاری نے لم ڈھیک مارا تھا۔ پوٹا چیرا تو دس انچ لمبا کچھوا اور ایک کالا بلاؤ نکلا۔ دونوں کو ثابت کا ثابت نگل گیا تھا۔ کبھی خرگوش اور لومڑی کو بھی سارے کا سارا ڈکار گیا ہے۔ قسائی کے ٹوکرے پر پہنچا اور داؤں لگ گیا تو بھیڑ کا بڑا سا ٹکڑا بھی اڑا کر ہڑپ کر گیا ہے۔

اس کا اتنا بڑا تو قد ہے مگر بڑا ہی ڈرپوک ہے۔ کوئی اسے ذرا ڈانٹے تو چونچ کھول دیتا ہے۔

چلاتا ہے ، جھنجھلاتا ہے ، پھر بھاگ جاتا ہے۔ مرغی بھی اپنے بچوں کے بچاؤ کے لئے لڑے تو سامنا نہیں کرتا۔ اتنے بڑے پرندے کو خوراک بھی بہت ہی چاہئے۔ جیتا جانور مارنے کی تو ہمت نہیں۔ گدھوں کی ضیافت میں جاکر شریک ہوتا ہے اور اپنی جان پالتا ہے۔ چوھا ، گرگٹ ، مینڈک اور چھوٹے چھوٹے جانور بھی ناشتا کر جاتا ہے۔ ایسی خدمتوں سے لوگ اسے اچھا جانتے ھیں۔ بلکہ غنیمت سمجھ کر اس کی خبرداری کرتے ھیں۔ یہ تمام سال ھندوستان میں نہیں رھتا۔ گرمیوں میں آ جاتا ہے۔ برسات بعد چلا جاتا ہے۔

یہ ھندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے آس پاس اکثر نظر آتا ہے۔ بہت اچھی طرح سے صفائی کا حق ادا کرتا ہے۔ جھیل یا دریا کے کنارے خوش رہتا ہے۔ وھاں اس کی لمبی لمبی ٹانگیں بڑا کام دیتی ھیں۔ کیچڑ پانی میں پڑا پھرتا ہے۔ دھڑ الگ تھلگ اونچا رھتا ہے۔ لمبی سی چونچ سے کیچڑ گھنگولتا ہے۔ مینڈک ، مچھلی ، کچھوا جو کچھ پاتا ہے چکھ جاتا ہے۔ بگلا ، کلنگ ، سارس اور بہت سے پرندے اسی طرح پانی میں چل پھر کر اپنی خوراک ڈھونڈ لیتے ھیں۔ ان سب کو ھم پانی میں چلنے والے کہیں گے۔

پھُٹکی

اس باغ کے کنارے پر دیکھنا! امرود کے درخت
میں اس کا گھونسلا ہے۔ یہ دیکھنے کے لائق ہے۔
چھوٹے سے جانور نے اسے کیسی ہوشیاری اور دانائی
سے بنایا ہے۔ اس کے پاس نہ سوئی دھاگا ہے، نہ
انگشتانہ۔ اس پر ایسی کاریگری سے سلائی کرتا ہے
کہ درزی پرندے کا خطاب اسی پر سجتا ہے۔ دیکھو!
امرود کے دو موٹے موٹے چکنے پتوں کو موڑا ہے۔
اندر باہر کس صفائی سے بخیہ کیا ہے! کس خوب صورتی
سے ان کا ایک پیالہ بنایا ہے! دیکھو تو سہی، اس
قدرتی درزی نے کیا مضبوطی سے پتوں کے کنارے
جوڑے ہیں! کس خوب صورتی سے دھاگوں کے سروں
میں گرھیں دی ہیں کہ کام ادھڑ نہ جائے۔ اس پیالے
میں وہ چھوٹا سا معمار گھر بناتا ہے۔ روئی، پشم،
پر غرض جو ملائم چیز پاتا ہے وہ لاتا ہے۔ موقع موقع
سے سجاتا ہے۔ اس آرام کے گھر اور گرم گھونسلے میں
اس کی مادہ تین چار چھوٹے چھوٹے سفید انڈے دیتی ہے۔
ان پر لال لال چتیاں پاس پاس ہوتی ہیں۔ تھوڑے دنوں
انہیں سیتی ہے۔ پھر ننھے ننھے سے بچے نکلتے ہیں۔

اور دیواروں کے سوراخوں میں اپنا گھونسلا گھاس تنکوں سے بناتی ہے - اس میں پروں کی موٹی تہ جماتی ہے - اگرچہ سختی سہ سکتی ہے ، سردی کا دکھ جھیل سکتی ہے ، پر یہ بھی جانتی ہے کہ آرام کیا ہے - دن بھر کی محنت کے بعد گرم اور ملائم بچھونوں میں کیا مزا ہے - یہ پانچ چھ انڈے دیتی ہے - ان پر بھورے یا لاکھی رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں - کسی میں زیادہ ، کسی میں کم - یہ اکثر سال بھر میں دو یا تین جھول نکالتی ہے -

اس کی اصل خوراک اناج اور چھوٹے چھوٹے کیڑے ہیں - خیال کرو تو کوئی ایسی چیز نہیں جسے یہ نہ کھائے - روٹی کا ٹکڑا ٹیرا ، کھانے کا چورا چارا ، بنئے کی دکان کی جھاڑن جھوڑن ، کنجڑے کے ٹوکرے کی جھڑن ، یہ سب اس کا من بھاتا کھاجا ہے - کبھی دیکھو تو ہڈی پر بیٹھی ہے - گوشت نوچتی جاتی ہے - مزے لے لے کر کھاتی ہے - یہ لالچی ہے - گیہوں اور اناج بھی اسے بہت بھاتا ہے - اس لئے کسان کو کچھ نقصان پہنچاتی ہے - پر حق پوچھو تو کھیتوں کے کیڑے مار کر بڑا فائدہ دیتی ہے - چڑیا نہ ہوتی تو اتنے کیڑے ہوتے کہ کسان کی فصل کا ستیاناس کر دیتے - بچوں والی چڑیا اور اس کا چڑا ایک ہفتے میں کئی ہزار کیڑے مار ڈالتے ہیں -

بہت سے ایسے پرندے ہیں جن کے پنجے چڑیا کی طرح درخت کی ٹہنیاں آسانی سے پکڑ سکتے ہیں - ان کی تین انگلیاں اکثر آگے ہوتی ہیں - ایک پیچھے - ان سب کو ہم درخت نشین کہیں گے - ان میں سے بہتیرے ایسے ہیں کہ ان کی چونچ چڑیا کی مانند گول، موٹی، نکیلی ہے - انہیں ہم گاؤ دم چونچ والے کہیں گے، مینا، کوا، چنڈول، اگن، بیا، پڈری، لال، چٹی یعنی منیا سب اسی طرح کے جانور ہیں -

چڑیا

یہ بڑی مشہور ہے۔ اسے سب جانتے ہیں ۔ ہندوستان میں کوئی آدمی نہ ہوگا جس نے بچپن میں چڑے چڑیا کی کہانی نہ سنی ہو۔ جس موسم میں دیکھو، گھروں میں ادھر ادھر موجود ہے ۔ کھیتوں میں چگتی پھرتی ہے ۔ باغوں میں اڑتی نظر آتی ہے ۔ حقیقت میں آدمیوں سے اسے ایک قدرتی لگاؤ ہے ۔ جہاں وہ رہتے ہیں ، یہ ضرور وہاں ہوگی۔ یہ ہر جگہ مزے سے رہتی سہتی ہے ۔ خواہ شہر کے بازار ہوں اور بھیڑ بھاڑ ، خواہ باہر کی تازی ہوا اور سنسان ۔ اس کے پروں کا رنگ شوخ نہیں ، صوفیانہ ہے ۔ مگر پھر بھی ایک شان رکھتا ہے ۔ اور رنگوں کا میل جول بھی خوش نما ہے ۔ اس کی آنکھیں، تو دیکھو۔ کیسی روشن اور چمکتی ہیں ! چونچ کیا مضبوط ہے ! نوک تیز ، اوپر سے موٹی ۔ اس کی دم سرے پر سے گول ہے ۔ اکثر پرندوں کی طرح دونوں کنارے نکیلے نہیں ۔ چڑا چھوٹا سا جانور ہے مگر بڑا لڑاکا ہے ۔ اسے اپنے دشمنوں سے لڑنے کا شوق ہے اور طاقت بھی ۔ ڈھیٹ ایسا ہے کہ بہت ہی کم ڈرتا ہے ۔

چڑیا سائبانوں کی اولتیوں میں ، گھروں کی کڑیوں

جیسے گوشت کی بوٹی۔ ھنڈولا سا گھونسلا آھستہ آھستہ
ھوا کے جھوکوں سے ھلتا رھتا ھے۔ بچے وھیں پلتے
ھیں۔ وھیں پر نکالتے ھیں۔ وھیں سے اڑ جاتے ھیں۔

یہ ننھا سا جانور جب اپنا کام کرتا ھے تو تعجب
آتا ھے کہ پتلی سی چونچ سے سوئی کا کام لیتا ھے۔
بہت سے دھاگے تو گھاس کے ھوتے ھیں۔ ھاتھ آتا ھے
تو سوت کا دھاگا بھی اڑا لاتا ھے۔ کبھی ایسا بھی ھوتا
ھے کہ ایک ھی بڑا سا پتا یہ اپنے گھونسلے کے لئے
پسند کرتا ھے۔ اسے موڑ کر ایک پیالے کی طرح بنا
لیتا ھے۔ پر اکثر دو ھی پتوں کا ھوتا ھے جو کسی
ٹہنی کے سرے میں ھوتے ھیں۔ بندر، سانپ اور بہت
سے جانور اس کے بچوں کے دشمن ھیں۔ ایسا نہ کرتا
تو وہ بچوں کو نہ چھوڑتے۔

نر ساڑھے چھ انچ تک لمبا ھوتا ھے۔ مادہ پانچ
انچ۔ پھنکی کے اوپر کا دھڑ سبزی لئے ھوتا ھے،
نیچے کا سفید۔ اس کی تیز چونچ ایسی بنی ھوئی ھے کہ
ننھے ننھے جانور، ننھے ننھے کیڑے اچھی طرح اس سے
اٹھا سکتی ھے۔ چونچ کے اوپر کے حصے میں مہین سا
دندانہ ھوتا ھے۔ چیونٹیاں، طرح طرح کے کیڑے جو
درختوں کے پتوں اور چھال پر ھوتے ھیں انہیں کھاتی
ھے۔ یہ جانور ھندوستان میں بہت ملتا ھے۔ لوگ اسے

کم جانتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ صوفیانہ رنگ ہے۔ نگاہ کم پڑتی ہے۔ اس کا گھونسلا پتوں کا ہوتا ہے۔ وہ بھی کم نظر آتا ہے۔ اکثر جوڑے کا جوڑا درختوں کی ٹہنیوں پر تھرکتا نظر آتا ہے۔ اپنی میٹھی میٹھی رسیلی آواز سناتا رہتا ہے۔ اس حالت میں ہوتا ہے تو دم کو تھرکاتا ہے۔ دم کی تھرک، بدن کی پھرت اور چمکیلی آنکھوں سے شوخ اور بانکا نظر آتا ہے۔

درخت نشین پرندوں میں سے بہتیرے ایسے ہیں جن کی چونچیں پھٹکی کی طرح دندانہ دار ہیں۔ ان سب کو ہم دندانہ منقار کہیں گے۔ ہندوستانی بلبل یعنی گلدم، ہزار داستان، کستورا، پودنہ، ممولہ، شاما، پدا، جھانپل یا کال کلچی یہ سب اسی طرح کے جانور ہیں۔

ابابیل

جاڑا آ پہنچا۔ دیکھو سامنے ابابیلیں اڑتی پھرتی ہیں۔ کیا تانا بانا سا تنتی ہیں! انہیں دیکھ کر چمگادڑ کی اڑان یاد آتی ہے۔ یہ مکھیوں اور بھنگوں کا شکار کرتی ہیں۔ ان کا بڑا سا منہ اس کام کے لئے بہت خوب ہے۔ ایسے بھنگے بہت کم ہیں کہ ابابیل جیسے جانور سے بچ نکلیں جس کی اڑان میں قیامت کی جھپٹ ہے۔ دیکھو تو سہی، کیا چھوٹا سا جسم ہے۔ اور اس پر کیا بڑے بڑے بازو ہیں! جبھی ایسی تیزی سے اڑتی ہے۔ اس کی لمبی اور دو شاخی دم کی طرف بھی دیکھتے ہو؟ اسی کے بل اڑنے میں ہیر پھیر کھاتی ہے۔ یہ خوب صورت بھی ہے۔ اس کی سرمئی پیٹھ چمکتی ہوئی کیا بھلی معلوم ہوتی ہے! گلے کی سرخی، نیچے کے دھڑ کی سیاھی، سفیدی اور لالی روشنی میں کیا چمک دمک دکھاتی ہے۔ پاؤں چھوٹے چھوٹے سے ہیں۔ بہت کم کام آتے ہیں، کیونکہ اکثر اڑتی رہتی ہے۔ اس کے بدن پر خیال کرو تو سر بھی چھوٹا ہے۔ ہاں جبھی ہندوستان میں بعض جگہ اسے بن سرا جانور کہتے ہیں۔

ہندوستان میں سارے برس نہیں رہتی۔ نہ

بہت گرمی اس کے مزاج کے موافق ہے، نہ بہت سردی۔
یہاں گرمی کا زور ہوتا ہے تو ٹھنڈے ملکوں میں
چلی جاتی ہے۔ وہاں سردی پڑتی ہے تو پھر یہیں
چلی آتی ہے۔ مگر ایک طرح کی ابابیل تو تھوڑے ہی
دنوں جاتی ہے۔ سارے برس یہیں رہتی ہے۔ نکلتی
گرمی، آتی برسات میں جھلڑ کے جھلڑ اکٹھے ہوکر
آسمان پر اڑتے ہیں، غل مچاتے ہیں۔ ہندوستان کی
عورتیں کہتی ہیں کہ دیکھو مینہ برسے گا۔ ابابیلیں
جھوم ڈالتی ہیں۔ مسجدوں، مندروں اور پرانے مکانوں
کی اولتیوں میں گھر بناتی ہیں۔ یہ نرالی وضع کا ہوتا ہے۔
چکنی مٹی کا گارا لیتی ہیں۔ دیوار سے چپکاتی جاتی ہیں۔
اس کا ایک پیالہ سا بناتی ہیں۔ اسے نرم نرم پروں سے
سجاتی ہیں۔ ہم کسی دیوار میں چراغ رکھنے کی جگہ
بنی ہوئی دیکھتے ہیں تو اس کا گھر یاد آ جاتا ہے۔
یہ اکثر پانچ انڈے دیتی ہے۔ انڈوں کا رنگ سفید ہوتا
ہے۔ کہیں کہیں لال لال چتیاں بھی ہوتی ہیں۔

چین میں ایک طرح کی ابابیل ہوتی ہے، وہ
عجیب طرح کا گھونسلا بناتی ہے۔ اس کا رنگ سفید ہوتا
ہے۔ وہ سریش جیسی ایک لیس دار چیز سے بنتا ہے۔
ابابیلیں سمندر کی لہروں کے اوپر اڑتے اڑتے طرح طرح
کی روئیدگی نگل جاتی ہیں۔ اس میں ان کے اندر کی

رطوبت مل کر ایک طرح کا لیس پیدا ہو جاتا ہے۔
اسے اگل دیتی ہیں۔ پھر اس سے اپنا گھونسلا بناتی ہیں۔
یہ گھونسلے سمندر کے اونچے اونچے کڑاڑوں میں ملتے
ہیں، اور ایسے خطرناک مقاموں میں ہوتے ہیں کہ
مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔ چینی انہیں ایک نعمت سمجھتے
ہیں۔ ان کا شوربا پکاتے ہیں، اور خوب مزے سے
کھاتے ہیں۔

ابابیل کا منہ چوڑا ہے۔ چونچ بہت پھیل سکتی
ہے۔ درخت نشین پرندوں میں سے بہتیرے ایسے ہیں
کہ ان کی چونچ اسی طرح کی ہے۔ ان کو ہم کشادہ
دھن کہیں گے۔ جیسے ہریل، نیل کنٹھ۔ ماہی گیر یا
پن ڈبی جو اکثر پانی کے اوپر ہوا میں اڑتی رہتی ہے
غوطہ مار کر ننھی ننھی مچھلیاں پکڑ لے جاتی ہے۔

ہُدہُد یا کھٹ بڑھئی

اسے دیکھنا ، کبھی درخت کی اس شاخ پر آتا ہے
کبھی اس شاخ پر جاتا ہے ۔ کیا خوب صورت ہے !
شعلہ رنگ تاج دھوپ سے چمکتا ہے ۔ تاج کے ہر پر کی
نوک کیا صاف سیاہ ہے ! دیکھو ۔ پیٹھ پر بھی ان کے
جواب میں تین کالے گنڈے ہیں ۔ چوڑے چوڑے بازو
بھی خوب صورت ہیں ۔ ان پر برابر سیاہ سفید دھاریاں ہیں ۔
یہ اور بھی بہار دیتی ہیں ۔ دیکھنے کے قابل تو چونچ
ہے ۔ لمبی ، پتلی ، خم دار ۔ اس سے اس کے بڑے بڑے
کام نکلتے ہیں ۔ زمین میں اور گلے سڑے درختوں میں
جو کیڑے ہوتے ہیں اس چونچ کی بدولت انہیں
اندر سے نکال لیتا ہے ۔ یہ اپنا کام سوچ بچار کر سہج
سہج کرتا ہے ۔ محنت کا انعام اکثر یہی ہوتا ہے
کہ ضیافت میں کئی موٹے موٹے کیڑے مل جاتے ہیں ۔
کھانے لگتا ہے تو کیڑوں کو چونچ سے کچل کر
گوندا سا کر لیتا ہے ۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ
اس کے بچوں کی چونچ ٹیڑھی نہیں ہوتی ۔ نہ انہیں اس
کی ضرورت ہے ۔ ماں باپ چوگا لاتے ہیں ۔ انہیں کھلا
جاتے ہیں ۔ جوں جوں بڑے ہوتے ہیں آپ کھانے

اگتے ہیں ۔ اتنی ہی چونچ بھی مڑتی جاتی ہے ۔

یہ کھوکھلے درختوں اور دیواروں کے چھیدوں میں گھونسلا بناتا ہے ۔ گھاس پات کی ڈنڈیوں اور پروں سے اپنا گھر سجاتا ہے ۔ چار سے سات تک انڈے دیتا ہے ۔ ان کا رنگ نیلاھٹ لئے سفید ہوتا ہے ۔ چنڈول ، اگن اور کستورے کی طرح راگ نہیں گاتا ۔ ملائم گلے سے برابر ہوپ ہوپ کئے جاتا ہے ۔

اس کے سر پر جو تاج ہے قدیم سے سب کی آنکھ پہلے اسی پر پڑتی ہے ۔ لوگوں نے اس کی بہت سی عجیب عجیب کہانیاں بنا رکھی ہیں ۔ مصر کے لوگ اسے حضرت سلیمان (ع) کا بیٹا کہتے ہیں ۔ انہی کی ایک روایت ہے کہ پہلے اس کا تاج سچ مچ سونے کا تھا ۔ لالچ سے لوگ اسے مار ڈالا کرتے تھے ۔ اس نے حضرت سلیمان (ع) سے فریاد کی اور مقدمہ پیش کیا ۔ وہ سمجھے کہ سونے کا تاج اس کی جان کا جنجال ہے ۔ جب تک یہ سر پر ہے ۔ لالچی لوگ اسے مارتے رہیں گے ۔ حکم دیا کہ پروں کا تاج ہو جائے ۔ جب سے سونا اڑ گیا ، پر ہو گئے ۔

تاج کے باب میں پہلی روایت کی طرح اور بہت سی روایتیں لوگوں نے بنائی ہیں ۔ سچ پوچھو تو خیال کرنے کے قابل اس کی چونچ ہے جس کا ذکر پہلے

آچکا ہے۔ جتنے پرندوں کی چونچ ایسی ہے ان کو ہم پتلی چونچ والے کہیں گے۔ یہ کئی طرح کے ہیں، اور سب درخت نشین ہیں۔

طوطا

پیپل کے درخت پر یہ کیا غل مچا رہے ہیں؟ ڈال ڈال پات پات پھرتے ہیں۔ جب کسی جھومتی ہوئی ٹہنی پر جاتے ہیں پہلے ذرا ہوا میں تھر تھراتے ہیں۔ ان کے ہلتے ہوئے بازو، پھیلی ہوئی دم کیا بہار دکھاتی ہے۔ یہ پیپلیاں کھا رہے ہیں۔ اس وقت کوئی رسیلی مزےدار پیپلی ڈھونڈتے ہیں۔ جبھی چھوٹے چھوٹے پھل کتر کتر کر پھینکتے ہیں۔ دیکھنا کیا ٹپر ٹپر زمین پر مینہ برس رہا ہے۔ ہرے ہرے پتوں میں ان کے سبز بدن مشکل سے نظر آتے ہیں۔ ذرا تالی بجاؤ۔ ابھی ٹیں ٹیں کرتا ہوا جھلڑ کا جھلڑ اٹھے گا۔ دیکھنا دیکھنا! وہ اڑے۔ اڑتے وقت ان کی لمبی لمبی دمیں کیا بہار دکھا رہی ہیں۔

یہ کسانوں کا بہت نقصان کرتے ہیں۔ مکئی اور باجرے کے کھیت پر گرتے ہیں۔ بال کی ڈنڈی پنجوں سے پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مڑی ہوئی چونچ سے کتر کتر کر خراب کرتے ہیں۔ دو چار دانے اس بال سے کھائے، دو چار اس بال سے۔ کوئی نہ اڑائے تو سارے کھیت کو کتر کر پھینک دیں۔ انہیں خربزے، کھیرے، ککڑیاں، گنے بہت بھاتے ہیں۔ کسان

بچارا ایک لڑکا نوکر رکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں گوپیا ہوتا ہے۔ وہ کھیت کی رکھوالی کرتا ہے۔ یہ اکثر پرانے درختوں اور مکانوں میں کوئی سوراخ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اس میں گھونسلا بناتے ہیں۔ اکثر چار سفید انڈے دیتے ہیں۔

یہ بڑا پیارا جانور ہے۔ اس کی عادتیں اور حرکتیں ایسی ہیں کہ دیکھ دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ بعض طوطے چند لفظ سیکھ لیتے ہیں۔ انہیں خوب صفائی سے بولتے ہیں، پر جو کچھ بولتے ہیں خود ذرا نہیں سمجھتے۔ ہاں آواز کی نقل خوب کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے طوطا پالا اور اس کے پڑھانے پر بہت مغز مارا۔ پر وہ اس کے سوا کچھ نہ سیکھا کہ ''دریں چہ شک،، سارا دن یہی کہتا تھا۔ مالک نے دق ہو کر اپنے ایک نئے پنجرے میں ڈالا۔ سفید بستنی چڑھائی۔ بازار میں جا کر آواز دینے لگا۔ ''کوئی خریدار ہے؟ کوئی خریدار ہے؟ اچنبے کا طوطا لو تیس روپے کو،،۔ ایک شخص سن کر پاس آیا۔ حیران ہوا کہ ٹکے ٹکے طوطا بکتا ہے، یہ تیس روپے کا طوطا کیسا ہوگا؟ ہنس کر پوچھا کہ میاں مٹھو! کیا تم سچ مچ تیس روپے کا مال ہو؟ طوطے نے کہا کہ ''دریں چہ شک،،۔ برجستہ جواب سن کر حیران ہوا۔ جھٹ طوطے کو مول لے لیا۔

خوشی خوشی گھر لے آیا۔ دو چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ اسے تو دریں چہ شک کے سوا کچھ آتا ہی نہیں۔ بھولا بھالا خریدار اس سودے پر بہت پچھتایا۔ ایک دن دق ہوکر کہا۔ بڑی حماقت کی کہ اس طوطے پر تیس روپے خراب کئے۔ طوطا بولا، دریں چہ شک۔مالک ہنس پڑا۔ کھڑکی کھول کر طوطے کو اڑا دیا۔

اس کی چونچ تو دیکھو، کیا وضع پائی ہے۔ خم دار، مضبوط، قینچی سی تیز۔ انگلی سامنے نہ کرنا۔ ابھی بوٹی اڑا لے گا۔ اسے کترنے کا ذاتی مرض ہے۔ جو چیز پاتا ہے کتر کتر کر ڈھیر لگاتا ہے۔ اس کی موٹی سی زبان کیا ہے گویا ایک چمچا ہے۔ آم یا کوئی نرم چیز پاتا ہے تو اس سے گودا نکال کر کھاتا ہے۔ نر کے گلے میں قدرتی کنٹھ ہوتا ہے، نیچے سیاہ، اوپر گلابی۔ پر اس وقت اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ نر جوانی پر آتا ہے۔ طوطے کی ٹانگیں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس لئے زمین پر اچھی طرح چل نہیں سکتا۔ اس طرح چلتا ہے، جیسے آدمی اکڑوں۔ اس کے پنجے میں چار انگلیاں ہیں۔ دو آگے، دو پیچھے۔ پنجہ ایسا ہے کہ جھومتی ٹہنی یا لٹکتی رسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ پنجوں سے پکڑتا ہوا اوپر کو آسانی سے چڑھ سکتا ہے۔ چڑھتے میں چونچ

سے بھی مدد لیتا ہے۔ اسے ہم چڑھنے والا کہیں گے۔
کٹھ پھوڑا جس کا بیان اگلی کتاب میں ہے ، اور کوئل
اسی طرح کے جانور ہیں۔

کیڑوں کا بیان

تم نے اکثر مکھی کو شیشے پر چلتے دیکھا ہوگا۔ شیشہ دیوار کی طرح سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور ایسا صاف شفاف جس پر کوئی چیز ٹھیر نہیں سکتی۔ یہ اس پر خاصی طرح چلتی ہے۔ کیونکر چلتی ہوگی؟ بعض جانور ناخنوں سے دیوار یا درخت کو پکڑ کر اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے پاؤں ایسے ہیں کہ شیشے کو اس زور سے پکڑتے ہیں کہ اس کے سارے بوجھ کو سہارے رہتے ہیں۔ تم اسے اچھی طرح سے دیکھو۔ اس میں الگ الگ تین حصے معلوم ہونگے۔ سر، سینے والا حصہ۔ پیٹ والا حصہ۔ اس کے سر کو دیکھو۔ دو شاخیں سی پیشانی پر نکلی ہوئی ہیں۔ ان سے چیز کو ٹٹول لیتی ہے۔ ایک سونڈ ہے۔ رسیلی چیز ہو تو اس سے چوس لیتی ہے۔ سر کے دائیں بائیں ایک ایک آنکھ ہے کہ بہتیری ننھی ننھی آنکھوں سے مل کر بنی ہے۔ ان کے سوا تین چھوٹی چھوٹی آنکھیں سر کے اوپر بھی ہیں۔ دو پر ہیں صاف شفاف، جیسے ابرق کے ننھے ننھے باریک پرت۔ اور چھ ٹانگیں ہیں۔ یہ سب سینے والے حصے میں ہیں۔ مکھی میں ہڈی کا نام نہیں۔

تماشا یہ ہے کہ منہ سے سانس نہیں لیتی۔سینے اور پیٹ والے حصوں کے دونوں طرف مہین مہین سوراخوں کی ایک ایک قطار ہے۔ان سے دم لیتی ہے۔

مکھیاں بہتیری طرح کی ہوتی ہیں۔اکثر کے اڑنے میں بھنبھناہٹ نکلتی ہے۔عام مکھیاں گھروں میں اڑتی پھرتی ہیں۔یہ میلی میلی جگہ انڈے دیتی ہیں۔کبھی جانوروں کے زخموں پر بھی۔بعض مکھیاں گھوڑوں، بھیڑوں اور مویشیوں کو بڑی تکلیف دیتی ہیں۔اور غضب کرتی ہیں کہ ان کی کھال کے نیچے انڈے دے آتی ہیں۔بعض گوشت پر انڈے دیتی ہیں۔بعض پودوں پر۔ان میں سے کرم نکلتے ہیں۔وہیں پلتے ہیں۔پودوں والے کرم۔جڑوں، پتوں اور پھلوں پھولوں کو بہت خراب کرتے ہیں۔بڑے ہوتے ہیں تو اکثر اپنی خوراک چھوڑ دیتے ہیں اور زمین پر گر پڑتے ہیں۔کبھی زمین کے اندر بیٹھ جاتے ہیں، کبھی الگ بچاؤ کی جگہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔وہاں اپنا پہلا پوست اتارتے ہیں۔اب اور ہی شکل بن جاتے ہیں۔گول مول، لمبوترے اور نکیلے سے دونوں طرف ہو جاتے ہیں۔سر، دھڑ، پاؤں ذرا معلوم نہیں ہوتا۔اس حالت میں نہ ہلتے جلتے ہیں، نہ کچھ کھاتے پیتے۔تھوڑے عرصے بعد اندر ہی مکھی بن جاتے ہیں۔پوست

پھاڑ کر نکل آتے ھیں - اڑتے پھرتے ھیں - سب کو دق
کرتے ھیں - ان کرموں سے کچھ کچھ فائدے بھی
ھیں - کیونکہ بہت سی گلی سڑی چیزوں اور سب طرح
کی آلائشوں کو کھا کر صاف کر دیتے ھیں - اور آپ
بھی سب حالتوں میں بہتیرے جانوروں کا ناشتا بنتے ھیں -

مچھروں کے بھی مکھیوں کی طرح دو شغاف پر ھیں -
ان کے سوا اور باتوں میں بھی مکھیوں سے ملتے جلتے
ھیں - ان کی ایک لمبی سی سونڈ ھوتی ھے - بال سے بھی
زیادہ باریک - اور ایسی تیز کہ چمڑے کے پار ھو جاتی
ھے - اس سے لہو چوس لیتے ھیں اور ایسا زھر چھوڑ
دیتے ھیں کہ جس سے بڑی تکلیف ھوتی ھے - مچھر میں
جو بھنبھناھٹ ھے ، وہ پروں کی آواز ھے - یہ جانور سیل
اور گیلی جگہ میں خوش رھتا ھے - بند پانی کی سطح پر انڈے
دیتا ھے - جب ان میں سے بچے نکلتے ھیں تو بڑے
تیز ھوتے ھیں - پانی میں ترمر ترمر تیرتے پھرتے ھیں -
ڈبکی مارتے ھیں - دم لینے کو اوپر آ جاتے ھیں -
مگر تماشا یہ ھے کہ سر نیچے کرکے سانس لیتے ھیں -
پیٹ والے حصے میں سے ایک مہین سی نلی نکلتی
ھے - اسی سے دم لیتے ھیں - مردار جانور اور گلی سڑی
بناس پتی کھاتے ھیں اور ننھے ننھے کیڑے جو پانی
میں رھتے ھیں انہیں بھی چٹ کر جاتے ھیں - مچھر

انڈے سے نکل کر پندرہ دن میں پورے قد کا بن جاتا ہے۔ اب پہلی شکل بدل جاتی ہے۔ دوسری صورت کچھ اور ہی نکل آتی ہے۔ دو نلیاں آگے کی طرف سے نکلتی ہیں۔ ان سے دم لیتا ہے۔ جب تیسری شکل میں آنے پر ہوتا ہے۔ تو پہلے پانی کے اوپر آ جاتا ہے۔ پھر پوست پھاڑ کر نکل آتا ہے۔ مچھر بن کر اڑ جاتا ہے۔

بہتیرے ایسے کیڑے ہیں جن کے بدن کے تین حصے مکھی کی طرح ہیں۔ انہیں ہم تین حصے والے کہیں گے۔ ان میں سے اکثر تین شکلیں بدلتے ہیں۔ بدن میں ایک کے ہڈی نہیں۔ سب کے سروں پر دو شاخیں سی ہیں اور اکثر کی دو آنکھیں جو بہتیری ننھی ننھی آنکھوں سے مل کر بنی ہیں۔ سب کی چھ ٹانگیں ہیں۔ یہ سب سینے والے حصے میں ہیں۔ اسی حصے میں کسی کے چار پر ہیں، کسی کے دو۔ بعض کے دونوں طرف مہین مہین سوراخوں کی قطار ہے۔ سب انہی میں سے دم لیتے ہیں۔ گبریلا یعنی گوبر کا کیڑا، شہد کی مکھی، بھڑ، چیونٹی، جھینگر، ٹڈی، پروانہ، تیتری، کھٹمل، پسو اور سیکڑوں جانور اسی طرح کے ہیں۔ بعض سے بڑے بڑے فائدے ہیں۔ شہد کی مکھی شہد بناتی ہے۔ موم بھی اسی کی بدولت ہے۔ ریشم کے کیڑے ہزاروں لاکھوں روپے کا ریشم تنتے ہیں۔

قرمز کیڑے سے قرمزی رنگ بنتا ہے۔ یہ رنگ نہایت خوب صورت ہوتا ہے۔

مکڑی ان کیڑوں میں سے نہیں جن کے بدن کے تین حصے ہیں، نہ تین شکلیں بدلتی ہے۔ اس کا سینہ اور پیٹ ایک ہی حصے میں ہے۔ دوسری کتاب میں کچھ اس کا بیان آچکا ہے۔ آگے کچھ اور بھی آئے گا۔

مچھلی

یہ کون ہے؟ اس کے ہاتھ میں کیا ہے؟ مچھلیاں پکڑتا ہے۔ جال کی رسی ہاتھ میں ہے۔ جال کو تھوڑے پانی میں ڈالا ہے۔ وہ اسے کھینچتا ہے۔ مچھلیاں بھاگتی ہیں مگر جال کے پھندوں میں الجھتی ہیں۔ پھنس جاتی ہیں۔ بچاری غریب منہ کھول کھول کر کیسی تڑپتی ہیں! ان کے دم گھٹتے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں بس مر جائیں گی۔ یہ ہماری طرح ہوا میں جی نہیں سکتیں۔ پانی سے باہر نکالتے ہیں تو ان کا ایسا حال ہوتا ہے جیسے ہمارا حال پانی میں۔

مچھلیاں ہماری طرح دم نہیں لیتیں۔ ان کے پھیپھڑا نہیں ہوتا۔ مچھلی کو غور سے دیکھو تو اس کے دھڑ اور سر کے کٹاؤ میں گلابی رنگ کے ریشوں کی خم دار جھالریں تلے اوپر لگی ہیں۔ انہیں گلپھڑے کہتے ہیں۔ تعجب آتا ہے کہ یہی اسے پھیپھڑے کا کام دیتے ہیں۔ یہ بات ابھی تمہاری سمجھ میں آنی مشکل ہے کہ وہ اس میں سے کیونکر دم لیتی ہیں۔ سہج سہج سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

اس مچھلی کو دیکھو۔ اس کے بدن پر چاندی کے پترے سے کیا چمکتے ہیں! یہ اس کے چھلکے ہیں۔ اس کے بدن میں دونو طرف یہ کیا ہے؟ یہ پر ہیں۔ تیرنے میں اسے چپو کا کام دیتے ہیں۔ اکثر مچھلیوں میں دونو گلپھڑوں کے پاس ایک ایک پر ہوتا ہے۔ یہ چھاتی کے پر ہیں۔ ان کے نیچے بھی دونو طرف ایک ایک پر ہے۔ یہ پیٹ کے پر ہیں۔ چھاتی کے پر گویا اس کے ہاتھ ہیں اور پیٹ کے پر پاؤں۔ اکثر دو پر پیٹھ کی دھار پر بھی ہوتے ہیں۔ وہ پیٹھ کے پر ہیں، اور ایک دم کے پاس نیچے کو۔ یہ پیچھے کا پر ہے۔ جب اوپر کو آتی ہے، یا نیچے کو جاتی ہے تو چھاتی اور پیٹ کے پروں سے کام لیتی ہے۔ چھاتی کے پروں سے ٹٹول بھی لیتی ہے کہ نیچے پانی میں کیا ہے۔ جیسے ہم ہاتھوں سے دیکھ لیتے ہیں انہیں کی بدولت پیچھے بھی ہٹ جاتی ہے۔ سارے پر اس کو برابر پانی میں تلا رکھتے ہیں۔ ان میں ایک بھی کاٹ ڈالو تو برابر تلی نہ رہے گی۔ مچھلی کسی طرف کو پھرنا چاہتی ہے، تو جدھر کو مڑے گی اس کے دوسری طرف دم مارتی ہے اور جھٹ مڑ جاتی ہے۔ دم کو دائیں بائیں دونوں طرف مارتی ہے تو تیر سی پانی میں چلی جاتی ہے۔ دم اس کے تیرنے کا بڑا اوزار ہے۔ لیکن پر اور پیٹھ

کی ہڈی کو ہلانا بھی آگے بڑھنے میں کچھ کام دیتا ہے - پہلے آچکا ہے کہ اوپر آنے اور نیچے جانے میں چھاتی اور پیٹ کے پر کام آتے ہیں - پروں کے سوا اکثر مچھلیوں میں ایک جھلی کا پھکنا ہے - پھلاتی ہیں تو آسانی سے اوپر آجاتی ہیں - سکیڑ لیتی ہیں تو نیچے چلی جاتی ہیں - تم جانتے ہو کہ تونبے کے ساتھ آدمی کیا آسانی سے تیر سکتا ہے ! پس مچھلی کا جو پھکنا ہے ، وہی اس کا تونبا سمجھ لو - دودھ پلانے والے جانوروں اور پرندوں کا لہو گرم ہوتا ہے مگر مچھلی کا لہو ٹھنڈا ہے -

مچھلیاں ہر سال ہزاروں انڈے دیتی ہیں - ان سے بہت سے بچے نکلتے ہیں - بچارے بڑے نہیں ہونے پاتے کہ بہتیری بڑی مچھلیوں کی ضیافت بنتے ہیں یا اور طرح ضائع ہو جاتے ہیں - بعض ایسی مچھلیاں ہیں کہ انڈوں سے پیٹ کے اندر نکل آتی ہیں - پھر پیدا ہوتی ہیں - سمندر میں بے شمار مچھلیاں رہتی ہیں - بعض بہت بڑی ہوتی ہیں - بعض بہت چھوٹی - بعض کی شکل بڑی عجیب و غریب ہوتی ہے - کئی بڑی پیٹو اور لالچ خوری ہیں - تالاب ، جھیل اور دریا میں بھی بہتیری طرح کی مچھلیاں ہوتی ہیں - بہت طرح کی آدمیوں کے کھانے کے لائق ہیں ، بلکہ بعض ملکوں میں جو لوگ

سمندر کے کنارے پر ھیں ، مچھلیوں پر اکثر ان کا گزارا ھے ۔ جہاں سمندر میں مچھلیوں کا شکار ھے روز جہاز کے جہاز جاتے ھیں اور لدے ھوئے آتے ھیں ۔ بہت سی یوں ھی سکھا رکھتے ھیں ۔ بہتوں کو نمک لگاتے ھیں ۔ بہتوں کا اچار ڈالتے ھیں ۔ بعض کا تیل نکالتے ھیں ۔ تیل بد مزا ھوتا ھے مگر بڑی طاقت دیتا ھے ۔

مینڈک

یہ عجیب طرح کا جانور ہے۔ جس آسانی اور آرام سے پانی میں رہ سکتا ہے، اسی طرح باہر۔ سب طرح کی مچھلیاں پانی کے نیچے رہتی ہیں۔ انسان، چوپائے، پرندے خشکی پر۔ لیکن ایسے جانور بہت کم ہیں کہ مینڈک کی طرح پانی کے نیچے اور خشکی کے اوپر بخوبی جی سکیں۔ مینڈک کنارے پر آتا ہے تو زمین پر پھدکتا پھرتا ہے۔ بے تکان ادھر ادھر چھلانگیں مارتا ہے۔ پانی میں جاتا ہے تو تیرتا پھرتا ہے۔ جب چاہتا ہے غوطہ مار جاتا ہے۔ کبھی کبھی دم لینے کو اوپر بھی آ جاتا ہے۔ تم چاہو کہ سانس کو روکے رہو تو ایک آدھ منٹ سے زیادہ نہ روک سکوگے۔ مگر مینڈک ایک دفعہ دم لے کر جو غوطہ مارتا ہے تو گھڑیوں کی خبر لاتا ہے۔ مزے سے پانی کے اندر بیٹھا رہتا ہے۔

مینڈک کچھ خوب صورت جانور نہیں۔ موٹا اور بے ڈھنگا بدن، بڑا سا منہ ننھے ننھے سے دانت، بڑی بڑی بھونڈی آنکھیں، نرم نرم لجلجی کھال، چپچپا اور ٹھنڈا ایسا کہ ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا۔ کچھ مدت بعد چمڑا اتر جاتا ہے۔ نیچے سے اور نیا چمڑا

نکل آتا ہے - تم کسی مینڈک کو تیرتے ہوئے دیکھو۔
اس کے بازو اور ٹانگیں ایسی ہیں جیسی آدمی کی۔
تیرنے میں بھی اسی طرح ٹانگیں اور بازو ہلاتا ہے۔
آگے بڑھنے کے لئے پچھلے پاؤں کے پنجے میں جھلی
منڈھی ہوئی ہے، جیسے بطخ کے پاؤں میں - اس کی
ٹانگوں کے پٹھے بڑے مضبوط ہیں پھرتیلا ایسا ہے
کہ اپنے سے بیس گنی اونچائی پر اچھل جاتا ہے۔
اور پچاس گنی لمبائی پھلانگ سکتا ہے۔

سب سے عجیب یہ بات ہے کہ وہ مینڈک
کی صورت میں پیدا نہیں ہوتا - انڈے سے مچھلی کی صورت
نکلتا ہے - مینڈکی انڈے دیتی ہے، تو ایک نرم نرم
لعاب دار شفاف چیز میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں - پانی
کی تہ میں کہیں رکھ کر چلی جاتی ہے - چند روز بعد
بچے نکل آتے ہیں - مگر ان کی ٹانگیں نہیں ہوتیں۔
بڑا سا سر، پتلی سی دم معلوم ہوتی ہے - گلپھڑا ہوتا ہے۔
جس سے دم لیتے ہیں - جب تک ان کی یہ شکل رہتی
ہے، پانی سے نہیں نکلتے - اس صورت کے جانور ہندوستان
کے ہر تالاب میں ہوتے ہیں - پانی کے کنارے پر اکثر
دیکھا ہوگا کہ تمہارے آتے ہی چھوٹی چھوٹی سیاہ
رنگ کی مچھلیاں جھلک دکھا دکھا کر پانی کی طرف
جاتی ہیں - وہ اصل میں مینڈکوں کے بچے ہوتے ہیں۔

تھوڑے ہی دنوں بعد ان کی شکل بدلنے لگتی ہے۔
پہلے تو ان کا دھڑ موٹا ہوتا جاتا ہے۔ پھر آہستہ
آہستہ پچھلی ٹانگیں نظر آنے لگتی ہیں۔ ہاتھ چمڑے
کے نیچے سے بن جاتے ہیں۔ پہلے پہل وہ ایسے ہوتے
ہیں کہ مینڈک انہیں باہر نکال سکتا ہے اور اندر
کر سکتا ہے۔ جب آٹھ ہفتے کے ہوتے ہیں تو خاصے
مینڈک بن جاتے ہیں۔ دم گھٹتے گھٹتے بالکل غائب
ہو جاتی ہے۔ اب گلپھڑے کی جگہ پھیپھڑا ہوتا ہے۔
مینڈک اسی سے دم لیتا ہے۔ خشکی پر جاتا ہے۔
ادھر ادھر پھدکتا پھرتا ہے۔

برسات آتی ہے تو مینڈکوں کی آواز تم بھی
سنتے ہوگے۔ جانتے ہو یہ کہاں سے آتے ہیں؟
مینڈکوں کو پانی کی بہتات اور سیلی ہوئی ہوا بہت
بھاتی ہے۔ سردی یا گرمی بہت ہو، تو وہ کبھی تالاب
کے نیچے کی مٹی میں، کبھی نالوں اور نہروں کے کنارے
کے سوراخوں میں اس طرح رہتے ہیں جیسے کوئی پڑا سوتا
ہے۔ برسات آتے ہی خواب غفلت سے جاگ اٹھتے ہیں۔

مینڈک طرح طرح کے کرم اور کیڑے کھا جاتے
ہیں۔ اس ملک میں بہتیرے مینڈک مچھروں کا شکار
کرنے گھروں میں چلے آتے ہیں۔ سچ پوچھو تو ان
باتوں کے لئے مینڈک بہت اچھے ہیں۔ مگر آپ بھی

سانپوں کی مزیدار خوراک ھیں۔ جب بہت مینڈک
گھروں میں پھرتے ھوں تو بڑا خیال رکھنا چاھئے
کہ کہیں سانپ ادھر ادھر نہ ھوں۔ ھندوستان میں
بڑے بڑے مینڈک رات کو بڑی تکلیف دیتے ھیں۔
گھنٹوں تک مل مل کر ٹراتے ھیں۔ ایسا غل مچاتے ھیں
کہ سونے نہیں دیتے۔

بعض ملکوں میں ایک خاص طرح کا مینڈک
ھوتا ھے۔ وھاں کے لوگ اس کی رانیں پکڑتے ھیں۔
اور خوب مزے سے کھاتے ھیں۔

مینڈک کے سوا کچھ اور بھی جانور ھیں
کہ شکل بدلتے ھیں۔ ان کے گلپھڑے بچپن میں ھوتے
ھیں۔ بڑے ھوتے ھیں تو بعض کے غائب ھو جاتے
ھیں بعض کے باقی رھتے ھیں۔ لیکن پھیپھڑا سب میں
بن جاتا ھے۔

سانپ

خبردار ! اس لمبی لمبی گھاس میں ننگے پاؤں نہ جانا - ایسا نہ ہو کسی سانپ پر پاؤں پڑ جائے - یہ سچ ہے کہ سارے سانپ زھریلے نہیں - مگر ہندوستان میں بہت ہوتے ہیں - ہر طرح ہوشیار رہنا چاہئے - اس کے چھوٹے قد پر نہ جاؤ - یہ بڑا موذی ہے - کالے ناگ کا کاٹا اکثر آدھ گھنٹے کے اندر ہی مر جاتا ہے -

سانپ کو جب چھیڑیں تو کالی ، لمبی ، پتلی سی دو شاخی زبان ایسی جلدی جلدی نکالتا ہے اور اندر لے جاتا ہے ، گویا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے منہ میں کئی زبانیں ہیں - سب سانپوں کے چھوٹے چھوٹے دانت ہوتے ہیں - مگر زہریلوں میں تیز ، پتلی دو کھوکھلی کچلیاں بھی اوپر کے جبڑے میں ہوتی ہیں - یہ پیچھے کو جھکی رہتی ہیں - کاٹتے ہیں تو سیدھی ہو جاتی ہیں - کالے سانپوں اور بعض اور طرح کے سانپوں میں دو کھوکھلی کچلیاں تو ہوتی ہیں مگر ہل جل نہیں سکتیں - تالو سے اوپر اور کچلیوں سے کچھ پیچھے دو چھوٹی سی تھیلیاں ہیں - کاٹتا ہے تو تھیلیوں میں سے زہر بہ کر کچلیوں میں آ جاتا ہے - ان میں سے زخم

میں جا پہنچتا ہے۔ گرم ملکوں کے سانپ سرد ملکوں کے سانپوں سے زیادہ زهریلے ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان کے زہریلے سانپ جاڑے کی نسبت گرمی میں سخت آفت ہو جاتے ہیں۔ سانپ ایک سست جانور ہے۔ جب تک اسے کوئی نہ چھیڑے یا اتفاق سے اس پر پاؤں نہ پڑ جائے، کم کاٹتا ہے۔ ان کی عقل حیوانی نے سب سے پہلے یہی بات سمجھائی ہے کہ بھاگ جانا بہتر ہے۔ یہ انسان کی خوش قسمتی ہے۔ کیونکہ جیسا وہ زہریلا ہے ایسا ہی دلیر اور تیز بھی ہوتا تو نہایت ہی سخت دشمن تھا۔

اس ملک میں ایک ایسی قوم ہے جو کہتی ہے کہ ہم سانپ کے منتری ہیں۔ وہ دعوی کرتے ہیں کہ منتروں کے زور سے ہم زہریلے سانپوں کو بانبیوں سے نکالتے ہیں۔ انہیں چھیڑتے ہیں۔ ان سے کھیلتے ہیں۔ وہ ذرا نہیں کاٹتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جن سانپوں سے یہ کھیلتے ہیں وہ ہلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی زہریلی کچلیاں نکال ڈالتے ہیں۔ اس لئے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

سانپ کی پیٹھ کی ہڈی عجب بناوٹ کی ہے۔ سارے جوڑ آپس میں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ سانپ کنڈلی مار سکتا ہے۔ جدھر چاہتا ہے مڑ جاتا ہے۔

اس کے پاؤں نہیں ہوتے۔ بہت سی پسلیاں ہیں
کہ پیٹھ کی ہڈی سے جڑی ہوئی ہیں۔ انہیں کی لچک
سے چلتا ہے۔ انہیں زمین پر ٹیک کر آگے بڑھتا ہے۔
بہت تیزی سے بھی چل سکتا ہے۔ سانپ کو اپنے بدن
کے چھلکوں سے بھی چلنے میں مدد ملتی ہے۔ جب
چاہتا ہے بدن پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سے
زمین کو پکڑ لیتا ہے۔ بعض سانپ بڑے خوش رنگ
ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر موذی نہیں ہوتے۔ سانپ تھوڑی
مدت بعد اپنا پوست اتار دیتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں
کہ سانپ نے کینچلی جھاڑ دی۔ جب اس پر کینچلی
ہوتی ہے تو بہت سست ہوتا ہے۔ دکھائی بھی کم
دیتا ہے۔ اس کے نیچے کا چمڑا سخت ہو جاتا ہے
تو پرانے چمڑے کو گردن کے پاس سے چیر کر نکل آتا
ہے۔ اس وقت اکثر جھاڑیوں میں ہوکر نکلتا ہے۔
اور کینچلی ان میں الجھا کر چلا جاتا ہے۔ سانپ کی
آنکھیں تیز اور نگینے سی چمکتی ہیں۔ پپوٹوں کی جگہ
ساری آنکھ پر ایک پتلا سا شفاف پردا چھایا ہوا ہے۔
اسی سبب سے آنکھیں جھپکتی نہیں۔ ہمیشہ گھورتی
ہوئی نظر آتی ہیں۔ پرندے اور چھوٹے چھوٹے جانور
سانپوں کی خوراک ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان پتھرائی
ہوئی آنکھوں کے سامنے سے وہ ہل نہیں سکتے۔ جہاں

ھوتے ھیں - وھیں سن رہ جاتے ھیں - یہ انہیں جھٹ پکڑ لیتا ھے - سانپ منہ کو خوب پھیلا سکتا ھے - اس کا چمڑا ایسا پھیل جاتا ھے کہ جو جانور اس سے بھی موٹے ھیں انہیں نگل جاتا ھے - یہ اپنے شکار کو ھمیشہ سارے کا سارا اتار جاتا ھے - ایک دفعہ کی خوراک کئی دن بلکہ کئی ھفتوں کے لئے کافی ھوتی ھے - پانی کی اسے ضرورت ھی نہیں - اکثر طرح کی سانپنیں[۱] گرم جگہ میں انڈے دے کر چلی جاتی ھیں - گرمی سے بچے نکل آتے ھیں - بعض سانپنوں میں خاص کر زھریلیوں میں یہ بات پائی جاتی ھے کہ بچے پیٹ کے اندر ھی انڈوں سے نکل آتے ھیں -

---

۱. پنجابی سپنیاں

درختوں کا بیان

کھجور

ھندوستان کے خشک ریتیلے اور بنجر حصوں میں یہ درخت بہت ملتے ھیں - انہی زمینوں میں جلدی بڑھتے ھیں ، اور اس جگہ بھی پھلتے پھولتے ھیں جہاں اور پودے مشکل سے رہ سکتے ھیں - لیکن کسی قدر تری کا ہونا ضروری ھے - یہ درخت اکثر درختوں سے شکل میں نرالا ھوتا ھے - اس کی شاخیں نہیں ھوتیں - زمین سے سیدھا نکلتا ھے - بعض تیس چالیس گز بلند ھو جاتے ھیں اس لمبے اور پتلے سے تنے کے اوپر آٹھ نو فٹ لمبے پتوں کا گچھا ھوتا ھے - یہ چھتری کی طرح چاروں طرف پھیل جاتا ھے - کھجور ایک چھوٹا سا پھل ھے ، پر نہایت شیریں اور مزےدار - اس کے بیچ میں سے ایک سخت لمبی گٹھلی نکلتی ھے - وہ جڑواں ھوتی ھے جیسے گیہوں - یہی کھجور کا بیج ھے -

یہ درخت بہت کام آتا ھے - اس کے اکثر حصوں سے کچھ نہ کچھ کام نکلتا ھے - لکڑی نرم اور کم قیمت

ھوتی ھے - اکثر جلانے ھی کے کام آتی ھے - دیہات میں
اس کے شہتیر بھی کچے مکانوں میں ڈالتے ھیں - پتوں کے
بورے اور دستی پنکھے بنتے ھیں - ڈنٹھلوں کے پالان -
پتوں کے ریشے ٹوکریاں اور بورے بننے کے کام آتے ھیں -
رسیاں بھی ان کی بناتے ھیں - ھندوستان میں بہتیری
جگہ اس کے چھوٹے چھوٹے بیچ کے پتے پھیلنے سے
پہلے توڑ لیتے ھیں - انہیں ساگ کی طرح پکا کر کھاتے
ھیں - بعض جگہ کھجور کا رس اس طرح نکالتے
ھیں کہ باھر کا پوست کاٹ کر اس کے نیچے برتن لٹکا
دیتے ھیں - رس بہ کر اس میں آ جاتا ھے - اسے سیندھی
کہتے ھیں - اس طرح فقط ایک درخت سے ڈھائی من
رس سال بھر میں اکٹھا ھو سکتا ھے - اس کا رس جو
میٹھا اور خوش گوار ھوتا ھے ، یا تو تازہ ھی تازہ
پی لیتے ھیں ، یا شراب بنا کر - کبھی پکا کر اس کی راب
بناتے ھیں - پھر راب سے ایک طرح کی شکر بنا لیتے ھیں -
اس درخت کی زیادہ قدر پھل سے ھے - عرب اور ریتیلے
ملکوں کے رھنے والے اکثر انہی کھجوروں پر اپنا گزارا
کرتے ھیں - دو طرح سے کھاتے ھیں - یا تو درخت میں
سے توڑ کر تازی تازی یا دھوپ میں سکھا کر -

شہتوت کا درخت

شروع گرمی میں اس کے سبز کاھی پتوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کیا بھلی معلوم ھوتی ھے - سردی میں پتے جھڑ جاتے ھیں - ننگی ننگی شاخیں رہ جاتی ھیں - ان کا رنگ اب ایسا نظر آتا ھے کہ گویا بھبوت ملی ھوئی ھے - بہار آتے ھی ھرے ھری نکیلی کونپلیں نکلتی ھیں - ان کا رنگ آنکھوں میں کھبا جاتا ھے - تھوڑے دنوں میں درخت ایسا ھرا بھرا ھو جاتا ھے کہ پتے ھی پتے دکھائی دیتے ھیں -

اس کے پتے نوکیلے اور بڑے بڑے ھوتے ھیں - اوپر سے چکنے نیچے سے کھردرے ، دندانہ دار کنارے - پر اکثر شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں - یہ بڑے کام آتے ھیں - ریشم کے کیڑوں کو بہت بھاتے ھیں - ریشم کا کیڑا ان کیڑوں میں سے ھے جو تین حالتیں بدلتے ھیں - پہلی صورت میں یہ پتے کھاتے ھیں اور پورے قد کے ھوکر ریشم کا کویہ یعنی خول اپنے اوپر بناتے ھیں - دوسری شکل میں کوئے کے اندر پڑے رھتے ھیں - ان باتوں کا مفصل حال اگلی کتاب میں آئے گا - تیسری صورت میں پروانہ بن جاتے ھیں -

جہاں ان کیڑوں کے بڑے بڑے کارخانے ہیں وہاں سامنے ان پتوں کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھنے کے قابل ہے۔ کیڑوں کے سامنے جب پتے لگی ہوئی ڈالیاں آتی ہیں تو یہ موئے موئے لالچ خورے ان پر ایسے گرتے ہیں کہ ہر روز اپنے وزن سے زیادہ کھا جاتے ہیں۔ بکریاں، اونٹ اور گائیں بھی یہ پتے بڑے مزے سے کھاتی ہیں۔

اس درخت میں کھانے کی ایک اور چیز بھی ہے۔ وہ کیا؟ اس کا پھل۔ یہ چھوٹے چھوٹے روئیں دار دانوں سے مل کر بنتا ہے۔ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ ایک اودا، دوسرا زردی مائل سفید۔ ہر ایک دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک چھوٹے، دوسرے لمبے اور پتلے۔ چھوٹے کو بیدانہ کہتے ہیں، لمبے کو شہتوت۔ جسے دھلی میں جلیبا بولتے ہیں۔ کوئی ایسا آدمی نہیں جس نے میٹھے میٹھے شہتوت نہ کھائے ہوں۔ بہتیرے لڑکے لڑکیاں ان درختوں کے نیچے نظر آتے ہیں۔ ڈالیاں جھڑ جھڑاتے ہیں اور مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں اور لبوں پر اودے اودے داغ پڑ جاتے ہیں۔ یہ بڑی مشکل سے چھوٹتے ہیں۔ بیچنے والے سر پر چھبیے لئے گلی گلی پھرتے ہیں۔ دھلی میں یہ آواز لگاتے ہیں۔ " کاٹھ کا کیا ہی قدرتی میٹھا ہے

اودا جلیبا-،، بہتیرے پرندے ان درختوں پر گرتے ھیں اور خوب مزے سے کھاتے ھیں- کشمیر کے شہتوت ایسے رسیلے لذیذ اور بڑے بڑے ہوتے ھیں کہ وھاں کے رھنے والے اور میووں پر اسے ترجیح دیتے ھیں- شہتوت کا شربت بھی بنتا ھے- اسے شربت توت کہتے ھیں- حلق میں گرمی سے جو ورم ھو جاتا ھے اسے فائدہ دیتا ھے-

شہتوت کے درخت کئی طرح کے ھوتے ھیں- اکثر درختوں کی چھال میں ایک مضبوط ریشہ ھوتا ھے- اس کے کاغذ اور رسیاں بنتی ھیں- بعض جگہ اس کی جڑوں سے سرخ کپڑا رنگا جاتا ھے- پتلی پتلی شاخوں کے ٹوکرے، ٹوکریاں، چھبڑے، چھبے بناتے ھیں- اس کی لکڑی زرد رنگ کی ھوتی ھے- اور بڑی سخت- اکثر مکانوں کے کام آتی ھے- کشتیاں، چھکڑوں کی چھڑیں، چارپائی کے پائے بناتے ھیں، اور اور مضبوط چیزیں بنتی ھیں- شہتوت میں یہ بڑی خوبی ھے کہ اس کی کوئی چیز بے کار نہیں- جڑ، لکڑی، چھال، ڈالیاں، پتے، پھل سب ھی کارآمد ھیں-

چنبیلی

چلو ! باغ کی سیر کریں - شام کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیں - بڑی بہار کا وقت ہے - آفتاب غروب ہو رہا ہے - شبنم پڑنی شروع ہوئی - رات کی آمد آمد ہے - پرندے راگنیاں گا رہے ہیں - ہرے ہرے لباس پہنے چپ چاپ درخت کھڑے ہیں - چنبیلی سر جھکائے پھولوں کی ڈالیوں پر ڈالیاں لئے بیٹھی ہے - خوشبو کی لپٹیں کی لپٹیں آ رہی ہیں - دیکھنا ، چنبیلی پر کیا بہار ہے ! ستارے سے چمک دار پھول ، نازک نازک پتیاں ، اندر سے سفید ، باہر سے سرخی مائل - نکیلی کلیاں - سبز کاہی پتے - لمبی لمبی شاخیں، چھتری سی زمین پر چھائی ہوئیں - آؤ! کچھ پھول توڑیں - ان کی صاف شفاف پتیوں کی بہار دیکھیں - واہ ! تم نے غضب کیا ! اول تو پھول ہی پھول توڑے پھر پتیاں ڈنڈیوں سے جدا کرلیں - اب کیا خاک بہار رہی ؟ پھولوں کی خوب صورتی دیکھنی چاہو تو جس رنگ میں خدا نے انہیں بنایا ہے اسی رنگ میں ان کی بہار دیکھو - یعنی پھولوں کو ڈلیوں ، پتوں ، شاخوں سمیت توڑو -

چنبیلی زرد بھی ہوتی ہے - پر اس میں ایسی خوش

نہیں ہوتی۔ جانتے ہو، چنبیلی کیونکر لگاتے ہیں؟
زمین میں شاخیں دبا دیتے ہیں۔ جب جڑیں پھوٹ آتی
ہیں اوپر سے کاٹ دیتے ہیں۔ اسے دبا کہتے ہیں۔
پھر جہاں چاہتے ہیں اکھیڑ کر لگاتے ہیں۔ دبے میں
ایک سال بعد پھول آتے ہیں۔ پھولوں سے امیروں کی
سیجیں سجتی ہیں۔ شادیوں میں دولھا، دلھن کے لئے
گہنے بنتے ہیں۔ ہاروں اور گجروں کا اتنا رواج ہے کہ
صبح شام ہزاروں بکتے ہیں۔ ہندو اور اکثر مسلمان
چنبیلی، گلاب اور موگرے کے پھولوں کی تعظیم کرتے
ہیں۔ سبب یہ ہے کہ بزرگوں کے مزاروں پر چڑھتے
ہیں۔ نذر و نیاز اور پوجا پاٹھ کے کام آتے ہیں۔

تمہارا دل ضرور للچاتا ہوگا کہ چنبیلی کے پھول
توڑیں۔ گجرے بنا کر پہنیں۔ پر ایسا نہ کرنا۔ یہ گندھی
کو دئے جاتے ہیں۔ وہ بہت سویرے آتا ہے۔ ابھی
شبنم پتوں ہی پر ہوتی ہے کہ جھولیاں بھر بھر کر لے
جاتا ہے۔ ان کا عطر نکالتا ہے۔ کیونکر بناتا ہے؟
پہلے پتیاں الگ کرتا ہے۔ ان پتیوں میں پانی اور ذرا
سا صندل کا تیل ملاتا ہے۔ پھر قلعی دار دیگچے میں
ڈالتا ہے۔ ڈھکنا ڈھانک کر آٹے سے کنارے بند کر دیتا
ہے۔ کہ بھاپ نہ نکل جائے۔ ڈھکنے میں نرسل کی خالی
نلی نیچے کی طرح لگی رہتی ہے۔ اسے بھپکا کہتے

ھیں ۔ اس کا ایک سرا تو دیگچے میں ھوتا ھے ، دوسرا
شیشے یا تانبے کے برتن میں ۔ پھر دیگچے کے نیچے
دھیمی دھیمی آنچ کرتا ھے ۔ بھاپ اوپر اٹھتی ھے
اور خالی نلی کے رستے برتن میں جاتی ھے ۔ اب آگ سے
دور ھوتی ھے ۔ سردی لگ کر پانی بن جاتی ھے ۔ پتیوں
کا سارا پانی تیل کے ساتھ برتن میں آ جاتا ھے تو
دیگچہ کھول کر پھوک پھینک دیتا ھے ۔ اس کے بعد
اور تازی تازی پتیاں اور یہ پانی دیگچے میں ڈالتا ھے ۔
اور پہلی طرح عرق کھینچتا ھے ۔ غرض کم سے کم
دس بارہ بار یہی الٹ پھیر کئے جاتا ھے ۔ آخر صندل
کی پٹ یعنی تیل میں پھولوں کی خوشبو اچھی طرح بس جاتی
ھے ۔ عرق کو چوڑے منہ کے برتن میں انڈیل لیتا ھے ۔
تھوڑی دیر بعد پانی کے اوپر تیل تیر آتا ھے ۔ اسی کا
نام عطر ھے ۔ پھر نہایت ھوشیاری سے اسے اتارتا ھے ۔
کہ پانی کا لگاؤ نہ رھے ۔ اگر رہ جائے تو چکٹ جاتا
ھے ۔ گندھی عطر کو شیشوں ، شیشوں اور کنٹروں میں
رکھ چھوڑتا ھے ۔ اکثر امیروں کے ھاتھ بیچتا ھے ۔
یہ اپنے کپڑوں میں ملتے ھیں ۔ جدھر نکلتے ھیں اس
کی سہک سے یہی معلوم ھوتا ھے کہ چنبیلی پھل
رھی ھے ۔ جب بڑے بڑے شہروں میں باغوں سے دور
ھوتے ھیں عطر کی بدولت ٹھنڈے رستے

لہلہاتا سبزہ اور چنبیلی کی بہار یاد آ جاتی ہے۔

اس کے پھولوں سے خوشبودار تیل بھی نکلتا ہے۔ اسے چنبیلی کا تیل یا پھلیل بولتے ہیں۔ اس کے نکالنے کی یہ ترکیب ہے۔ سفید کپڑے پر تازے پھول بچھاتے ہیں۔ اوپر سے دھوئی ہوئی سفید تلی ڈالتے ہیں۔ اس پر اور پھول پھیلا دیتے ہیں۔ پھول سوکھ جاتے ہیں تو انہیں نکال ڈالتے ہیں۔ اسی طرح کئی دفعہ الٹ پھیر کرتے ہیں۔ تلی میں پھولوں کی خوشبو جب اچھی طرح بس جاتی ہے تو تلی کا تیل نکلوا لیتے ہیں۔ اسے کپوں، کپیوں، اور تنگ میں رکھ چھوڑتے ہیں۔ اکثر عورتیں بالوں میں ڈالتی ہیں۔ بعض مرد بھی لگاتے ہیں۔

سرسوں کا درخت

سرسوں سردی میں پھولتی ھے - جہاں ہوتی ھے زرد پھول ھی پھول چھا جاتے ھیں - ذرا سی ھوا سر سرائے سے یہی نظر آتا ھے کہ سنہری سمندر لہریں مار رہا ھے -

یہ بڑے کام آتی ھے - کسان بہت بوتے ھیں - برسات میں زمین جوتتے ھیں - برسات بعد بویا کرتے ھیں - کبھی سارے کھیت میں بو دیتے ھیں کبھی چنے اور گیہوں کے کھیتوں میں آڑ یعنی قطار قطار - اس کا ننھا سا بیج گول سول ھوتا ھے - یہ بہت جلد پھوٹ آتا ھے - گیلی زمین ھو تو بہت ھی جلد اگتا ھے - اس کا درخت بڑی جلدی بڑھتا ھے - گز بھر اونچا ھوتا ھے - سبز کاھی پتے ، ھرا کنچن سا ڈنٹھل ، چپٹا ، بودا ، تھوتھا ، پنیایا -

درخت جب چھوٹا اور نرم ھوتا ھے تو پتے پکا کر کھاتے ھیں - پہلے ابالتے ھیں پھر نچوڑتے ھیں - سل پر باریک باریک پیس کر یا یوں ھی نمک مرچ ملا کے گھی یا تیل میں خوب بھون لیتے ھیں - اسے بھجیا بولتے ھیں - پتوں سمیت نرم نرم ڈنٹھلوں کو کنڈل کہتے ھیں - اسے گوشت میں ڈالتے ھیں - بھجیا بھی

بناتے ہیں۔ گائے۔ بھینسیں ہرے ہرے ڈنٹھل بڑے مزے سے کھاتی ہیں۔

سرسوں کئی طرح کی ہوتی ہے۔ زرد، کالی، لاکھی، جیسا بیج ہو ویسی پیدا ہوتی ہے۔ تین چار مہینے میں پھولتی ہے۔ زرد زرد کلیاں، پھول میں چرخری سی چار پتیاں چار بڑے دو چھوٹے سوت سے زیرے۔ بیچ میں نیچے کی طرف ننھا سا پھلی کا ابھار۔

پھول جلدی جھڑ جاتے ہیں۔ پھولوں کے کملاتے ہی یہ ابھار دن بدن[1] بڑھ کر لمبی پتلی سی سبز پھلی بن جاتا ہے۔ پھلیوں میں ہرے ہرے گول بیج ہوتے ہیں۔ پھلی جب سوکھ کر ملگجی سی زرد نکل آتی ہے، بیج بھی اپنے اپنے بیجوں کے مطابق رنگ پاتے ہیں۔ اب سارا درخت مرجھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب بیج خوب پک جاتے ہیں کسان درخت کاٹ کر دھوپ میں پھیلا دیتے ہیں۔ سکھا کر اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر دائیں چلاتے ہیں۔ یعنی بیلوں کے پاؤں سے درختوں کو روندواتے ہیں کہ پھلیوں سے دانے الگ ہو جائیں۔ پھر دانے ملے ہوئے بھوسے کو چھاج اور چھابے میں بھر بھر کر دو ڈیڑھ گز اونچائی سے تھوڑا تھوڑا گراتے ہیں۔ سرسوں بھاری ہوتی ہے۔ کسانوں کے پاؤں کے

۱۔ آزاد نے اس ترکیب کو روا رکھا ہے۔

سامنے گر جاتی ہے۔ بھوسا اڑ کر کچھ دور جا پڑتا ہے۔
اسے اناج کا برسانا بولتے ھیں۔

سرسوں بہت پھلتی ہے۔ سیر بھر میں تین من
کے قریب پیدا ھوتی ہے۔ اکثر تیل کے واسطے بوئی جاتی
ہے۔ کولھو میں پیل کر تیل نکالتے ھیں۔ اس میں
بڑی جھانج ھوتی ہے۔ گھی کی جگہ اکثر غریب آدمی
تیل کھاتے ھیں۔ جلانے میں آتا ہے۔ بعض عورتیں
اور مرد بالوں میں لگاتے ھیں۔ سبب یہ ہے کہ بال
چکٹتے نہیں۔ اس کے سوا اور اور کاموں میں بھی آتا ہے۔
تیل نکالنے کے بعد جو پھوک یعنی کھلی رھتی ہے
اسے گائے، بھینسوں کو دیتے ھیں۔ وہ بہت دودھ دیتی
ھیں اور خوب موٹی ھوتی ھیں۔ اکثر آدمی اس سے بال
دھوتے ھیں۔ خوب نکھرتے ھیں۔

چنے کا درخت

خدا جانے ! رات کتنی اوس پڑی ہوگی ! سارے
کھیت میں موتی سے شبنم کے قطرے ہی قطرے جھلک
رہے ہیں - سویرے سویرے جب پھول کھلے ہوتے ہیں ،
ننھے ننھے ، اودے اودے ، ان کے چمکتے دمکتے چہرے،
ہرے ہرے پتوں میں کیا بہار دیتے ہیں - یہ درخت
نہروں اور کنوؤں کے پیاسے نہیں - شبنم ان کی جان ہے -
اس کی بدولت پھلتے پھولتے ہیں - دن بدن بڑھتے ہیں
اور مضبوط ہوتے جاتے ہیں - اوس راتوں برابر
پڑتی رہے تو کسانوں کے گھرے ہیں - کبھی ایسا
بھی کرتے ہیں کہ پتوں پر چادر بچھا دیتے ہیں -
جب وہ اوس سے تر ہو جاتی ہے تو پانی نچوڑ کر پیتے
ہیں - اس میں ایک طرح کی کھٹاس ہوتی ہے -

نکلتی برسات چنے بوئے جاتے ہیں - کبھی سرسوں
کی آڑ یعنی قطار کے بیچ میں ہوتے ہیں - کبھی جو کے
ساتھ بوتے ہیں - اسے گوجی کہتے ہیں - کبھی
گیہوں کے ساتھ ؛ اسے بیرڑا بولتے ہیں - بونے سے
تیسرے چوتھے دن پھوٹ آتے ہیں - درخت دو
ڈیڑھ فٹ کے قریب اونچے ہوتے ہیں - اس کے

ساگ میں ایک طرح کی کھٹاس ہے ۔ نمک مرچ
لگا کر کچا کھاتے ہیں ۔ بڑے مزے کا ہوتا ہے ۔
مونگ یا ماش کی دال میں پکاتے بھی ہیں ۔ ساگ جتنا
توڑو اتنا ہی پھلتا پھولتا اور پھیلتا ہے ۔ پھولوں کی شکل عجب
نرالی ہے ۔ یہی نظر آتا ہے کہ ننھی ننھی تیتریاں آن
بیٹھی ہیں ۔ پتے بھی پر سے دکھائی دیتے ہیں ۔ ہر ایک
ٹاٹ میں اکثر دو یا تین چنے ہوتے ہیں ۔ اکثر کھیتوں
میں سے ہرے ہرے بوٹ اکھیڑ لیتے ہیں ۔ سیکڑوں
من بازاروں میں بکتے ہیں ۔ امیر سے غریب تک سب کو
بھاتے ہیں ۔ لڑکے تو اس پر ایسے مرتے ہیں کہ ہاتھوں
میں لئے گلی گلی کھاتے پھرتے ہیں ۔ لوگ خوب پلاؤ
پکاتے ہیں ۔ گوشت میں ڈالتے ہیں ۔ نمک مرچ لگا کر
گھی میں بھونتے ہیں ۔ ہولے کرتے ہیں ۔ سوندھے ، کرارے
اور مزے دار ہوتے ہیں ۔ پر یہ ضرور ہے کہ ہاتھ منہ
کالے کر دیتے ہیں ۔ مثل مشہور ہے ۔ اب وہ دن آئے
کہ لونڈی کے ہاتھ کالے ہوں اور بیوی کا منہ ۔
ایسا کون لڑکا ہے جس کی جیب میں کچھ ہولے
نہ ہوں ؟

چنے گرمی پڑتے ہی پک جاتے ہیں ۔ اپنے اپنے
بیجوں کی طرح رنگ پاتے ہیں ۔ کوئی زرد سا ہو جاتا ہے ،
کوئی بھورا سرخی مائل ۔ چنے سخت ہوتے ہیں ۔ پر

آسانی سے ان کے دو ٹکڑے ہوسکتے ھیں - اندر سے خوب زرد نکلتے ھیں - اس کی کھیتی پک جاتی ھے تو کسان اور اناجوں کی طرح چنے الگ نکال لیتا ھے - بھس مویشیوں کی بڑی من بھاتی خوراک ھے - چنے بہت نہیں پھلتے - اچھی زمین نہ ھو تو سیر بھر میں پاؤ سیر تک نکلتے ھیں - اچھی ھو تو دس سیر -

گھوڑے ایسے مزے سے جو نہیں کھاتے ، جیسے چنے - بلکہ محنتی گھوڑوں کی گزران اکثر انھی پر ھے - بھنے ھوئے بڑے مزے دار ھوتے ھیں - یوں ھی کھاتے ھیں - نمک مرچ بھی ملاتے ھیں - کھٹا یا لیمو نچوڑتے ھیں - لڑکے ایک آدھ مٹھی جیب میں ڈال لیتے ھیں - دم بدم تھوڑے تھوڑے نکال کر ٹھونگیر لگاتے ھیں - سچ ھے - چنا چغل منہ لگا نہیں چھوٹتا - گھنگنیاں ابالتے ھیں - دال نکالتے ھیں - اسے پکاتے ھیں - تھوڑی دیر بھگو دیتے ھیں - پھر نمک مرچ ملا کر چباتے ھیں - گھی میں تلتے ھیں - گوشت میں پکاتے ھیں - پیس کر بیسن بناتے ھیں - بیسن سے بعض مٹھائیاں اور اکثر کھانے کی چیزیں بنتی ھیں - موٹھ ، مونگ ، ماش ، مسور کے درخت چنوں کے درختوں کی طرح ھوتے ھیں - پھول بھی ویسے ھی ھیں ، جیسے تیتریاں - ان کے بیج بھی پھلیوں میں ھوتے ھیں ، جیسے چنے ٹاٹوں میں -

سورج کا بیان

یہ دنیا میں اجالا کرتا ہے۔ دنیا کی چیزوں کو گرمی پہنچاتا ہے۔ اس بن نہ جانور جی سکیں، نہ اگی ہوئی چیزیں ہری رہ سکیں۔ عالموں نے سورج کی بہت سی باتیں معلوم کی ہیں۔ مثلاً وہ کتنا بڑا ہے۔ زمین سے کتنی دور ہے۔ کس کس چیز سے بنا ہے۔ روشنی اور گرمی، اس سے ہمیں کس طرح پہنچتی ہے۔ کس لئے کبھی کم پہنچتی ہے۔ کبھی زیادہ۔ یہ باتیں ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ مگر بعض چھوٹی چھوٹی باتیں سورج ایسی بتاتا ہے، جو بڑی بڑی باتوں کی بنیاد ہیں۔ جن کا جاننا چھوٹے لڑکوں کو بھی مناسب ہے۔ آؤ، پہلے چھوٹی چھوٹی باتیں بتائیں۔

جانتے ہو۔ تمہارے گھر سے شمال، جنوب، مشرق، مغرب کدھر ہے؟ یہ بات تو بہت آسان ہے۔ اندھیرے منہ اٹھو۔ تھوڑی دیر میں ایک طرف کو آسمان پر روشنی دکھائی دے گی۔ اسے پو پھٹنی کہتے ہیں۔ روشنی کے نیچے جہاں زمین اور آسمان ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہاں سے ایک سونے کا تھال ڈلک کرتا ابھرتا چلا آتا ہے۔ یہی سورج ہے۔ جس طرف سے

نکلتا ہے ، اسے مشرق کہتے ہیں اور اس کے مقابل کو مغرب ۔ شام کو دیکھو تو اسی طرف ڈوبتا نظر آتا ہے ۔ پھر ٹھیک دوپہر کو سورج کی طرف دیکھو جو سمت تمھارے سامنے ہے ، اسے جنوب بولتے ہیں ، اور جو پیچھے ہے ، اسے شمال ۔ اس وقت مغرب تمھارے دائیں ھاتھ کو ہوگا ۔ مشرق بائیں کو ۔ سورج[1] شمال کی طرف کبھی دکھائی نہیں دیتا ۔ جب تک سورج نظر آتا ہے ، یعنی نکلنے سے ڈوبنے تک ، اسے ہم دن کہتے ہیں ۔ جب تک وہ دکھائی نہیں دیتا ، یعنی ڈوبنے سے نکلنے تک ، اسے رات بولتے ہیں ۔ پو پھٹنے سے کچھ دن چڑھے تک صبح کہلاتی ہے ۔ ڈوبنے سے کچھ دیر پہلے اور کچھ پیچھے تک شام ۔ صبح شام کو جب کرنیں زمین پر ترچھی پڑتی ہیں ، گرمی کم ہوتی ہے ۔ دوپہر کو صبح شام کی نسبت جب کرنیں سیدھی پڑتی ہیں تو گرمی زیادہ ہوتی ہے ۔ اس کا مفصل حال اگلی کتاب میں آئے گا ۔

---

۱ - استاد کو معلوم ہوگا کہ یہ بات صرف ان ملکوں کے لئے ہے جو خط سرطان کے شمال میں ہیں ۔ اور جو ملک خط سرطان اور جدی کے درمیان یعنی منطقۂ حارہ میں ہیں وہاں سورج کبھی شمال کی طرف دکھائی دیتا ہے کبھی جنوب کی طرف ۔ اور جو ملک خط جدی کے جنوب میں ہیں وہاں ہمیشہ شمال کی طرف معلوم ہوتا ہے ۔

آفتاب کے بیان میں

آفتاب اندھیرے کو اُجالا کرتا ہے ۔ دنیا کو گرماتا ہے ۔ اس بن نہ جانور جی سکیں ۔ نہ اُگی ہوئی چیزیں ہری رہ سکیں ۔ بہت سی کام کی باتیں ہیں کہ زندگی کے لیے ضرور ہیں ۔ وہ دنیا میں آفتاب ہی کی بدولت ہوتی ہیں ۔ عالموں نے آفتاب کی بہتیری باتیں معلوم کی ہیں ۔ مثلاً وہ کتنا بڑا ہے ۔ زمین سے کتنی دور ہے ۔ کس کس چیز سے بنا ہے ۔ روشنی اور گرمی اُس سے ہمیں کیسے پہنچتی ہے ۔ کیوں کبھی کم کبھی زیادہ پہنچتی ہے ۔ یہہ باتیں ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتیں ۔ پہر بہی آفتاب بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی بتاتا ہے جو بڑی بڑی باتوں کی بنیاد ہیں ۔ اور جنکا جاننا چھوٹے لڑکوں کو بہی مناسب ہے ۔

آؤ ! چھوٹی باتوں پر بڑی باتوں کی بنیاد اُٹھائیں —

تم جانتے ہو تمہارے گھر سے شمال جنوب مشرق مغرب کسطرف کو ہیں؟ - یہہ بات تو

بہت آسان ہے - صبح کو بہت سویرے اُٹھو - تھوڑی دیر میں ایک طرف کو آسمان میں روشنی دکھائی دیگی -

اسکو ہم نور کا تڑکا کہتے ہیں - اُسکے نیچے سے ایک سونے کا تھال ڈلک ڈلک کرتا اُبھرتا چلا آتا ہے

وہی آفتاب ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے گرداگرد جہاں آسمان اور زمین کہیں دور پر ملے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں وہاں آفتاب نیچے سے اوپر کو اُٹھتا ہے - وہی آفتاب کا طلوع ہوتا ہے - جس طرف

وہ اُبھرتا نظر آتا ہے اُسیکو مشرق کہتے ہیں - اب اگر تم اسطرح پھر کر کھڑے ہو جاؤ کہ آفتاب تمہاری پیٹھ

رات دن کے چوبیس حصے کئے ہیں - ہر حصے کو گھنٹہ کہتے ہیں - آدھی رات سے گھنٹوں کا حساب کرتے ہیں - ایک گھنٹہ گزرتا ہے تو ایک بجتا ہے، دو گزرتے ہیں تو دو بجتے ہیں - اسی طرح دوپہر کو بارہ بجتے ہیں - پھر دوپہر سے شروع کرتے ہیں - آدھی رات تک بارہ گھنٹے ہوتے ہیں - گھنٹے کے برابر ساٹھ حصے کئے ہیں - انہیں منٹ کہتے ہیں - ایک منٹ کے بھی برابر ساٹھ حصے کئے ہیں - انہیں سیکنڈ بولتے ہیں - اس کے سوا وقت شمار کرنے کے مختلف طریقے ہیں - ہندو پہلے زمانے میں ہمیشہ پہر اور گھڑی سے شمار کرتے تھے - ان دنوں میں بھی بارہ بجتے ہیں تو اکثر آدمی کہتے ہیں کہ دوپہر ہوئی -

وقت دریافت کرنے کے الگ الگ طریقے ہیں - سب سے اچھا وہ طریقہ ہے جو اہل یورپ نے نکالا - انہوں نے گھنٹے اور گھڑیاں ایجاد کیں - گھنٹے بڑے ہوتے ہیں اور گھڑیاں چھوٹی - گھنٹے اونچی عمارتوں پر لگائے جاتے ہیں کہ سب لوگ دیکھ سکیں - بعض دفعہ لوگ اپنے کمروں میں میز یا طاق پر دھر دیتے ہیں یا دیوار میں لگاتے ہیں - گھڑیاں جیبوں میں رکھتے ہیں - گھنٹوں اور گھڑیوں میں دو دو

سوئیاں ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹی۔ اس کے پھرنے سے
گھنٹہ معلوم ہوتا ہے، دوسری بڑی۔ اس کے پھرنے سے
منٹ معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تیسری سوئی بھی
ہوتی ہے۔ اس سے سیکنڈ معلوم ہوتے ہیں۔ گھنٹوں
اور گھڑیوں کے ذریعے سے ہم ٹھیک وقت دریافت کر
سکتے ہیں۔ چھاؤنی میں جب دوپہر کو ایک توپ
چھوٹتی ہے، اس سے سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ
بارہ بج گئے۔ اکثر آدمی اس وقت اپنی گھڑیاں
اور گھنٹے ٹھیک کر لیتے ہیں۔

تاریخی حالات

امیر ناصرالدین سُبکتگین

پنجاب سے شمال و مغرب کی طرف جو ملک ہے، اس میں الپتگین نام ایک حاکم نے شہر غزنی اپنا دارالحکومت بنایا۔ ایک دفعہ اس کے دربار میں سوداگر ترکی غلام لایا۔ امیر کو پسند آیا۔ اسے خرید لیا۔ سبکتگین نام رکھا۔ یہ لڑکا ہوشیار اور چالاک تھا۔ سوچ سمجھ کر کام کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ سپہ سالار بن گیا۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھا کہ امیر کی بیٹی سے شادی ہوگئی۔

سبکتگین کو غلامی کے زمانے میں شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ جنگل میں دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچے کو ساتھ لئے چرتی پھرتی ہے۔ اس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ ہرنی تو بچ کر نکل گئی۔ بچہ ہاتھ آگیا۔ باندھ کر گھوڑے کے ہرنے پر رکھ لیا اور شہر کو پھرا۔ تھوڑی دور چلا تھا، مڑ کر دیکھا کہ ماں محبت کے مارے پیچھے پیچھے گردن اٹھائے چلی آتی ہے اور

اپنے بچے کے لئے نہایت بے چین ہے۔ سبکتگین کو ترس آیا۔ بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی بچے کو ساتھ لے کر جنگل کو چلی۔ سبکتگین کھڑا دیکھتا تھا کہ چار قدم چلتی تھی، تھم جاتی تھی۔ اور پھر کر اس کی طرف دیکھتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا شکریہ ادا کرتی ہے۔ رات کو خواب میں آواز سنی کہ اے سبکتگین! اس بچارے بے زبان جانور پر جو تونے ترس کھایا، خدا کی درگاہ میں بہت پسند آیا۔ تیرے نام پر سلطنت کا فرمان لکھا گیا۔ دیکھ اللہ کے بندوں پر اسی طرح رحم کیجو۔

الپتگین مر گیا تو اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ مگر وہ لڑکا تھا۔ سلطنت کا کام سبکتگین ہی کے ہاتھ میں رہا۔ برس دن بعد لڑکا بھی مر گیا۔ سبکتگین نے اپنی نیکیوں سے دلوں میں گھر کر رکھا تھا۔ آخر کو سب کی صلاح سے یہی حاکم ہوگیا، اور ملک کا انتظام کرکے سلطنت کی طاقت بڑھانے لگا۔

اس وقت برھمنوں کے خاندان سے جے پال نام ایک راجہ لاھور میں راج کرتا تھا۔ جب اس نے اسلام کا زور ہندوستان کی طرف بڑھتا دیکھا تو اس کا روکنا ضرور سمجھا، پیادے، سوار اور ہاتھیوں کا بہت سا لشکر جمع کیا، اور بڑے زور شور سے چڑھائی کرکے سبکتگین

کی سرحد پر جا پہنچا ۔ ادھر سے سبکتگین فوج لے کر آیا ۔ لڑائی شروع ہوئی ۔ اتفاقاً انہی دنوں میں بارش بہت زور سے ہونے لگی ، اور سردی اس شدت سے پڑی کہ جاڑے کے مارے بدن میں لہو جم گئے ، اور سب لوگ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے ۔ ہندوستان کے لوگوں نے کبھی یہ حالت نہ دیکھی تھی ۔ بہت گھبرائے ، اور زندگی سے نا امید ہو گئے ۔

جے پال نے صلح کا پیام بھیجا ۔ سبکتگین کو ان کے حال پر رحم آیا ۔ چاہا کہ صلح منظور کر لے ۔ مگر اس کا بیٹا محمود بھی باپ کے ساتھ تھا ۔ اس نے سمجھایا کہ سردی کی شدت ہمارے لئے آسمانی مدد ہے ۔ لڑائی جیت چکے ہیں ۔ ہمیں تلوار نکالنے کی ضرورت بھی نہیں ۔ اگر حریف صلح کرکے بچ نکلا تو یہ دولت اور سلطنت کے سامان جو اس کے ساتھ ہیں ، مفت ہاتھ سے جاتے ہیں ۔ باپ نے بیٹے کی بات مان لی اور صلح سے انکار کیا ۔ راجہ نے کہلا بھیجا کہ آپ کو ہندوستان کے بہادروں کا دستور معلوم نہیں ۔ جب یہ جان سے نا امید ہوتے ہیں تو جو کچھ پاس ہوتا ہے ، آگ میں جھونکتے ہیں ۔ ہاتھی ، گھوڑوں اور مویشی کو اندھا کرتے ہیں ، عورتوں اور بال بچوں کو آگ میں ڈالتے ہیں ۔ پھر ایسے لڑتے ہیں کہ خاک میں

مل جاتے ہیں - اب وہی وقت آن پہنچا ہے - صلح کرلو تو بڑی دیا ہے ، نہیں تو پچتاؤ گے اور مال و دولت کی جگہ راکھ کا ڈھیر پاؤ گے - یہ سن کر محمود بھی راضی ہوگیا ، اور اس بات پر صلح ٹھیری کہ راجہ پچاس ہاتھی ، بہت سا روپیہ اور اپنا کچھ علاقہ سپرد کردے - ان ساری چیزوں کا بندوبست وہیں نہ ہوسکتا تھا - راجہ نے کہا جو کچھ یہاں موجود ہے وہ حاضر ہے - باقی کے لئے امیر اپنے معتمدوں کو ساتھ کردے - لاہور پہنچ کر سب باتیں پوری ہو جائیں گی - سبکتگین نے منظور کیا -

جے پال نے لاہور میں پہنچ کر وعدوں کے پورا کرنے سے انکار کیا ، اور سبکتگین کے آدمیوں کو قید کرلیا - سبکتگین کو جب یہ خبر پہنچی تو یقین نہ آیا - آخر جب تحقیق معلوم ہوا تو بہت جھنجھلایا - اور فوج لے کر ادھر کا رخ کیا - جے پال نے بھی تیاری کی - تمام ہندوستان کے راجاؤں کو چٹھیاں لکھیں - وہ بھی جانتے تھے کہ پنجاب ہمارے ملک کا پھاٹک ہے - وہ ٹوٹا تو خیر نہیں - سب نے فوجیں بھیجیں - خزانوں اور سامانوں کا تار باندھ دیا - اس طرح ہندوؤں کی بے شمار جمعیت ہوگئی - جے پال انہیں لے کر سبکتگین کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا - جب دونوں لشکر آمنے

سامنے ہوئے ، جنگ کا میدان گرم ہوا ۔ دونوں طرف کے
بہادر نام کے لئے جانیں دینے لگے ۔ ہندوؤں کی فوج
صبح سے برابر کمر باندھے لڑ رہی تھی ۔ دن ڈھلتے
ان کی جمعیت میں گھبراہٹ معلوم ہوئی ۔ اس وقت
سبکتگین نے کل فوج کو لے کر حملہ کیا ۔ جے پال
نے شکست کھائی اور فوج کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ
پھر نہ جم سکے ۔ لوٹ کا بے شمار مال مسلمانوں کے ہاتھ
آیا ۔ سبکتگین بیس برس سلطنت کرکے دنیا سے رخصت
ہوا ، اور گھرانے میں سلطنت کی بنیاد ڈال گیا ۔

سلطان محمود غزنوی

سبکتگین کے بعد اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا۔ انھی دنوں میں ایک بڑا بہادر اور پرانا سردار تھا۔ اس کی کئی باتوں سے محمود خفا ہوا، اور فوج لے کر چڑھ گیا۔ بڈھے سردار نے مقابلہ کیا مگر آخر کو قلعہ بند ہوا۔ محمود نے گرد فوج ڈال دی، اور سب طرف سے رستے بند کردئے۔ ایک دن معرکۂ جنگ میں آکر قلعے پر حملے کا حکم دیا، اور ہاتھیوں کی مستکوں پر ڈھالیں بندھوا کر کہا کہ دروازے پر ریل دو۔ ایک ہاتھی نے پہلی ہی ٹکر ماری تھی کہ سردار گھبرا کر نکل آیا۔ محمود کے سامنے آکر گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اپنی سفید ڈاڑھی اس کے گھوڑے کے سم پر ملی اور کہا کہ اے سلطان! معاف کر۔ جو کچھ میں نے کیا، برا کیا۔ محمود کو سلطان کا لفظ پسند آیا، اور سلطان محمود فرمانوں میں لکھوانے لگا۔ اگرچہ الپتگین کے وقت سے غزنی دارالخلافہ تھا مگر اتنا مشہور شہر نہ تھا۔ محمود کی فتحوں سے اس نے ایسا نام پایا کہ محمود بھی سلطان محمود غزنوی کہلایا۔

محمود نے ہندوستان کا سبق جو باپ سے پڑھا تھا

وہ کبھی نہ بھولا اور بار بار چڑھائی کی۔ اس کے دو سبب تھے۔ اول یہ کہ ہندوؤں میں اسلام پھیلائے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کا مال و دولت سمیٹ کر لے جائے۔ ہر وقت یہاں دولت کا دسترخوان بچھا نظر آتا تھا۔ جب موقع پایا، ادھر ہی چڑھ آیا۔ نقد روپے، جواہر، زیور، بھاری کپڑے، ھاتھی گھوڑے، لوٹ مار کر لے گیا۔

اس نے ہندوستان پر سولہ سترہ حملے کئے۔ مگر بارہ بہت مشہور ھیں۔ بڑے معرکے کا حملہ سومنات پر تھا۔ یہ شہر سمندر کے کنارے آباد تھا۔ بڑا گلزار، دولت سے مالا مال۔ بلند قلعے کے نیچے پانی لہراتا تھا، اور اونچی اونچی فصیلوں سے ٹکرا کر جھکولے مارتا تھا۔

قلعے میں سیکڑوں برس کا ایک عالی شان اور وسیع مندر تھا۔ اس کی چھت کو چھپن ستون سنبھالے کھڑے تھے جو رنگ برنگ کے نقش و نگار اور جواھرات کے بیل بوٹوں سے مرصع تھے۔ یہی سومنات جی کا مندر تھا۔ اس میں رات دن صرف ایک چراغ جلتا تھا۔ اس کی روشنی جواھرات پر پڑتی تھی۔ ان کی جوت سے سارا مکان جگمگ جگمگ کرتا تھا۔ سونے کی ایک بھاری سی زنجیر میں گھنٹے لٹکتے تھے۔ پوجا کے وقت اسے ھلاتے تھے کہ سب کو خبر ھو جائے۔ دو ھزار

برھمن پجاری تھے، پانسو عورتیں۔ تین سو مرد گانے بجانے والے تھے۔ تین سو نائی تھے کہ جاتریوں کا بھدرا کیا کرتے تھے۔ گرھن کے وقت دو لاکھ سے زیادہ جاتری جمع ھو جاتے تھے۔ راجاؤں نے جو گاؤں مندر کے نام پر دئے تھے، وہ دو ھزار کے قریب تھے۔ راجا، مہاراجہ اپنی لڑکیاں خدمت کے لئے بھیجتے تھے، اور زیور، جواھرات، بھاری بھاری کپڑے چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ غرض مندر میں اتنی دولت تھی کہ کچھ حساب نہ تھا۔

محمود نے سورما سوار اور جانباز بہادر چن کر ایک لشکر آراستہ کیا، اور روانہ ھوا۔ ھزاروں مسلمان ساتھ ھوئے جو فقط دین کے نام پر تلواریں اٹھاتے تھے، اور اسلام کے کام پر جانوں کا دینا ایمان سمجھتے تھے۔ رستے میں ریگستان آیا جہاں منزلوں تک گھاس کا نام اور پانی کا نشان نہ تھا۔ جانیں لبوں پر آگئیں۔ پھر بھی وہ ارادے کا پورا اپنی بات سے نہ ٹلا۔ وھاں سے گزرا اور جنگل پہاڑ طے کرتا منزل مقصود تک جا پہنچا۔ یہاں کئی راجا بڑی بڑی فوجیں لے کر آئے اور لڑائی کا میدان گرم ھوا۔ ادھر دین لڑ رھا تھا، ادھر دھرم مقابلے پر اڑ رھا تھا۔ ھندو مسلمان اتنے کٹے کہ ھزاروں کے کھیت پڑے۔ آخر پانڈے ایسے جان

توڑ کر لڑے کہ مسلمانوں کے جی چھوٹ گئے۔ محمود بھی گھبرا گیا۔ اس وقت کچھ اور بن نہ آیا۔ فوج سے الگ ہوا۔ فرش خاک پر سر رکھا اور خدا سے دعا مانگی۔ تھوڑی دیر بعد اٹھا۔ فوج کا دل بڑھایا اور دردناک باتوں سے جوش میں لا کر دھاوے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے دفعتاً تلواریں اٹھائیں اور گھوڑے اڑا کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ آخر اقبال محمودی اپنا کام کر گیا۔ ہندو بھاگے اور مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ میدان کو خالی دیکھ کر قلعے والوں کی بھی ہمت ہار گئی۔ قلعے کے دوسری طرف سمندر میں کشتیاں لگا رکھی تھیں۔ ان میں بیٹھے اور لنگر اٹھا کر بھاگے۔ شہر، قلعہ، مندر اور ساری دولت محمود کے ہاتھ آئی۔

محمود نے اگرچہ ہندوستان میں دور دور کے شہر فتح کئے مگر یہاں رہنے کا ارادہ نہ کیا اور اپنا حاکم بھی لاہور ہی میں بٹھایا۔ ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ سے ویران کوہستان میں غزنی شہر ایسا آباد کیا تھا کہ طلسمات کا نمونہ نظر آتا تھا۔ ملک ملک کے آدمی، ہر فن کے صاحب کمال وہاں موجود تھے۔ ایک قلعہ بنایا۔ قصر فیروزہ اس کا نام رکھا۔ اس کی چینی کاری کے آگے جواہرات کی رنگت پھیکی معلوم ہوتی تھی۔

اس میں بادشاہی محل اور دربار کے مکان پرستان نظر آتے تھے۔ جامع مسجد ایسی تعمیر کی کہ اس کی آرائش اور زیبائش کے سبب سے لوگ اسے عروس فلک کہتے تھے۔ اس کے پہلو میں ایک مدرسہ اسی وسعت اور شان و شوکت کا بنایا۔ اس کے کتب خانے کو نایاب اور قیمتی کتابوں سے سجایا۔ عالم اور فاضل علم کی روشنی پھیلانے کے لئے مقرر کئے۔ سلطان کے شوق سے سب کو مکانوں کے بنانے اور سجانے کا شوق ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں بہتیری عالی شان حویلیاں بن گئیں۔ سیکڑوں مسجدیں، مدرسے، سرائیں اور خانقاہیں تیار ہوگئیں۔ گھر گھر امیری تھی اور دولت کی بہتات۔ اس کے عہد میں غزنی کو دیکھ کر ہندوستان یاد آتا تھا۔ کیونکہ جو غریب آدمی تھا اس کے گھر میں بھی تین چار لونڈی غلام ہندوستانی بولتے دکھائی دیتے تھے۔ اور یہی لوگ گلی کوچوں میں پھرتے نظر آتے تھے۔ غزنی کے بازاروں میں ایک ایک بندہ خدا کا دو دو روپے کو بک گیا۔

محمود دولت کو اس قدر عزیز رکھتا تھا کہ ہر کتاب میں اس کی شکایت ہے۔ آخر عمر میں ایک دفعہ خبر پائی کہ ایک شخص نہایت مال دار ہے۔ اسے پکڑوا منگایا۔ وہ بچارا حاضر ہوا۔ سامنے آیا تو محمود نے کہا۔

ہم نے سنا ہے کہ تو بے دین اور بد اعتقاد ہے۔ اس نے
عرض کی کہ فدوی اس جرم سے تو بالکل پاک ہے۔
البتہ یہ عیب ہے کہ دولت بہت سی ہے۔ آپ یہ
سب لیجئے مگر مجھے بدنام نہ کیجئے۔ محمود نے اس
کا مال و دولت شاہی خزانے میں داخل کیا اور سند
لکھ دی کہ یہ شخص بڑا خوش اعتقاد ہے۔

ان عادتوں پر بھی کبھی کبھی بادشاہی حوصلہ
دکھاتا تھا۔ چنانچہ ایک قلعہ بلوچوں نے لے لیا اور
اس میں بیٹھ کر رستہ لوٹنے لگے۔ ایک دفعہ کوئی قافلہ
لٹا اور اس میں ایک نوجوان آدمی مارا گیا۔ اس کی
بڑھیا ماں روتی پیٹتی محمود کے دربار میں آئی اور فریاد
کرنے لگی۔ محمود نے کہا کہ میں کیا کروں؟
ایسے دور دور کے ملکوں میں کیونکر پورا پورا انتظام
ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا کہ اے سلطان! اگر تجھ
سے بندوبست نہیں ہوسکتا تو اتنے بڑے ملک کی
بادشاہت کیوں لے رکھی ہے؟ محمود کو کچھ جواب
نہ بن آیا۔ اسی وقت حکم دیا کہ فوج جا کر لٹیروں سے
قلعہ چھین لے اور جب تک قلعہ فتح نہ ہو، جو قافلہ
جائے اس کی حفاظت کے لئے سواروں کا ایک رسالہ
جایا کرے۔

ایک دفعہ کسی ملک پر اس نے چڑھائی کی۔

ایک نو عمر ملک کا حق دار تھا اور اس کی ماں حکومت کرتی تھی - جب ادھر محمود کی فوج کشی کی خبر مشہور ہوئی، عقلمند عورت نے کہلا بھیجا کہ اگر سلطان نے مجھ پر فتح پائی تو جہاں جہاں فتح نامے لکھے گا ان میں یہی لکھے گا کہ میں نے ایک بیوہ عورت کا ملک چھین لیا - لیکن شکست کھائی تو بڑی شرم کی بات ہوگی - ہاں، اگر میرا ملک برقرار رکھا تو سب کہیں گے کہ تاج بخشی کی - محمود سمجھ گیا اور ادھر کا خیال چھوڑ دیا -

اس نے اکثر عالموں اور با کمالوں کو غزنی میں جمع کیا - شعر و سخن کا بھی شوق رکھتا تھا - مگر فردوسی کے باب میں جو کچھ کیا، اس سے قدردانی کے نام کو بٹا لگا دیا - کہتے ہیں کہ جس وقت اس سے شاہ نامے کی تصنیف کی فرمائش کی تو اشرفی شعر انعام کا وعدہ کیا - وہ بچارا لکھتے لکھتے بڈھا ہوگیا - جب تیس برس میں ساٹھ ہزار شعر کی کتاب لکھ کر حاضر کی تو اشرفی کی جگہ روپیہ دینا چاہا - فردوسی کو اپنی محنت کے برباد ہونے کا بڑا رنج ہوا - محمود کی ہجو لکھ کر دل کا بخار نکالا اور وہاں سے بھاگ گیا - چند روز بعد دربار میں کسی نے اس کا شعر بڑے موقع پر پڑھا - محمود کے دل پر چوٹ لگی اور افسوس آیا -

اسی وقت حکم دیا کہ حساب کے موافق جو چاہئے ، نقد روپیہ اسے بھیج دو۔ افسوس یہ ھے کہ جب محمود کے آدمی یہ روپے لے کر اس کے شہر کے دروازے پر پہنچے تو ایک جنازہ نکلتا تھا۔ معلوم ہوا کہ فردوسی مر گیا۔ یہ اسی کی میت ھے۔

اب وہ دن آگیا کہ اس عالی شان سلطان کو دنیا سے جدا ہونا پڑا۔ اس وقت آنکھیں کھلیں کہ جو دولت ہزاروں گھرانے بے چراغ کرکے سمیٹی ھے ، ساری یہیں چھوڑنی پڑے گی۔ افسوس! کیسا ہی صاحب رتبہ شخص ہو مگر جو دنیا میں رہ کر دنیا کی دولت سے دل لگاتا ھے ، اسے کس حسرت کے ساتھ اس سے جدا ہونا پڑتا ھے۔ تریسٹھ برس کی عمر تھی جو سخت بیمار ہوا۔ جینے کی امید نہ رہی تو داروغہ اور خزانچیوں کو حکم دیا کہ روپے اور اشرفیوں کے توڑے ، زیور ، جواہرات ، بھاری بھاری خلعت ، بادشاہی لباس اور جو جو زمانے کے عجائب غرائب ہم نے جمع کئے ہیں ، ہماری آنکھوں کے سامنے لاؤ۔ انہوں نے محل کے صحن کو سجا کر عجائب خانہ کر دیا۔ خزانچی ایک ایک چیز دکھاتا تھا۔ وہ حسرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور زار زار روتا تھا۔

دوسرے دن حکم دیا کہ میدان میں تمام خاصے

کے ہاتھی، گھوڑوں اور اونٹوں کو ساز، زیور اور جھلا جھلی کی جھولوں سے سجا کر حاضر کرو۔ محمود پالکی میں لیٹ کر آیا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر روتا دھوتا محل میں چلا گیا۔ بڑے بڑے بہادر سردار اور جاں نثار وفادار جو ہمیشہ جان جوکھوں کی لڑائیوں میں اس کے رفیق تھے، اس وقت کچھ رفاقت نہ کر سکتے تھے۔ آخر جس طرح خالی ہاتھ آیا تھا اسی طرح دنیا سے رخصت ہوا۔

ظہیر الدین بابر بادشاہ

محمود کے مرتے ہی اس کے خاندان کا زوال شروع ہوا اور آخرکار غزنی اور پنجاب بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ پھر مسلمانوں کے اور بادشاہ ہوئے۔ انہوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے صوبے فتح کئے۔ دلی میں اپنی سلطنت قائم کی اور کئی کئی پشت تک سلطنت کرکے ملک عدم کو چلے گئے۔ مدت تک یہی سلسلے جاری رہے کہ امیر تیمور ترکستان سے آیا۔ پنجاب کو پامال کرتا دلی پر پہنچا۔ اسے لوٹا اور قتل عام کیا۔ مگر آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح گیا۔ اس کے جانے کے بعد دلی میں ایک خاندان اور بن کر بگڑ گیا دوسرا موجود تھا کہ تیمور کی اولاد میں سے بابر بادشاہ ترکستان میں اٹھا اور دلی پر لشکر لے کر آیا۔ ہندوستان میں چغتائی سلطنت اسی نے قائم کی۔ اب ذرا بابر کا حال سنو۔

یہ بادشاہ بارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اور بڑی ہمت اور حوصلے سے سلطنت کے بوجھ کو سنبھالا۔ اس کے حالات دیکھ کر تعجب آتا ہے۔ ایک وقت دیکھو تو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگا چلا جاتا ہے، اور

چھپنے کو جگہ نہیں پاتا۔ بائیس برس تک ادھر کے ملکوں میں تلواریں ماریں، لیکن اقبال نے ساتھ نہ دیا۔ آخر ہندوستان کا خیال آیا۔ اس پر یہ دعوے کیا کہ میرا موروثی ملک ہے۔ یعنی امیر تیمور نے اسے تلوار کے زور سے لیا ہے۔

سلطان ابراہیم جو ان دنوں دلی میں سلطنت کرتا تھا بڑا بے رحم، بے پرواہ اور آرام طلب تھا۔ اس سے ملک کا انتظام نہ ہوسکتا تھا۔ دربار کے بعض امیروں نے بابر کو بلا بھیجا۔ بابر خود بھی ایسے موقع کی تاک میں تھا۔ فوج لے کر روانہ ہوا۔ آخر لڑتا بھڑتا، پانی پت کے میدان پر آیا اور ڈیرے ڈال دئے۔ ابراہیم ایک لاکھ سے زیادہ لشکر اور ہزار جنگلی ہاتھی لے کر دلی سے نکلا۔ بابر فقط بارہ ہزار لشکر سے آیا تھا۔ وہی لے کر سامنے ہوا۔ ہاں اس کے ساتھ توپ خانہ تھا، کہ یہ نقشہ اب تک ہندوستان کے میدانوں میں نہ جما تھا۔ غرض صبح کا وقت تھا کہ لڑائی شروع ہوئی۔ دوپہر ڈھلے تک میدان گرم رہا۔ آخر ابراہیم مارا گیا اور بابر کی فتح ہوئی۔ یہ ایسا معرکہ ہوا کہ آج تک اس کی شہرت چلی آتی ہے۔ اس کے بعد کئی لڑائیاں اور ماریں، جن سے سلطنت کی بنیاد جم گئی۔

اگرچہ بابر بعض دفعہ دشمنوں پر بڑی بے رحمی

کرتا تھا مگر پھر جلد نرم ہو جاتا تھا۔ بڑا بہادر تھا۔ خطرے کے وقت گھبراتا نہ تھا، اور مصیبتوں میں ہمت نہ ھارتا تھا۔ ایک لڑائی میں دشمنوں کی کثرت دیکھ کر سردار گھبرا گئے، اور ھندوستان سے پھرنے کی صلاح دی۔ بڑی مشکل یہ ہوئی کہ اس وقت ایک نجومی ترکستان سے آیا تھا۔ اس نے کہا، میرا علم بھی کہتا ہے کہ اس لڑائی میں دشمن کی فتح ھوگی۔ لوگ اور بھی گھبرائے۔ مگر بابر اپنے ارادے پر جما رھا۔ فتح ھوئی تو نجومی کو بلایا۔ کچھ اسے شرمایا، کچھ دھمکایا پھر بھی بہت سا انعام دیا اور کہا کہ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔

بابر عالی ھمت اور با مروت تھا۔ کیا بھائی بند کیا نوکر چاکر جب سرکش ھو جاتے اور شرمندہ ھوکر آتے، تو فوراً خطا معاف کر دیتا۔ سیدھا سادہ ترک تھا۔ ظاھر باطن یکساں۔ جو دل میں ھوتا تھا وھی منہ سے کہتا تھا۔ دغا اور فریب سے کام نہ نکالتا تھا۔ با انصاف تھا۔ اسی واسطے نیک نام تھا۔ ایک دفعہ سوداگروں کا قافلہ کسی دور کے ملک سے اس کے علاقے میں پہنچا۔ رستے میں پہاڑوں کے اندر اس بلا کی سردی پڑی کہ دو کے سوا سب مر گئے۔ بابر نے سب کا اسباب نکلوایا۔ اسے حفاظت سے رکھا اور ان

کے ملک میں آدمی بھیجے۔ جب وہاں سے اصلی وارث آئے تو تار تار ان کے حوالے کر دیا۔

اگرچہ وہ لڑائی کے وقت مصیبت کو مصیبت نہ سمجھتا تھا۔ مگر ذرا بھی ان جھگڑوں سے چھوٹتا تھا تو اس طرح زندگی کا حظ اٹھاتا تھا کہ گویا دل بہلانے کے سوا اس کو کچھ اور کام ھی نہ تھا۔ قدرتی خوبیوں کا عاشق تھا۔ گل و گلزار هریاول کی بہار سے بہت خوش ہوتا تھا۔ سبز سبز پہاڑوں، بہتے چشموں کے کناروں پر مصاحبوں کو لے کر بیٹھتا تھا۔ شراب کا دور چلتا تھا۔ غزلیں گاتے تھے، شعر پڑھتے تھے۔ وہ خود بھی شاعر تھا۔ ترکی دیوان پورا موجود ھے۔ کبھی کبھی فارسی شعر بھی کہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ھے کہ جہاں گزرتا ھے وہاں کا ذرا سا لطف بھی نہیں چھوڑتا۔ جو دیکھتا ھے لکھ دیتا ھے۔ ایک جگہ ہندوستان کے لوگوں پر تعجب کرتا ھے اور کہتا ھے کہ عجب بدمزہ لوگ ھیں۔ اتفاقاً دریا کے کنارے پر ان کا مقام ہو تو خیمے کی پشت پانی کی طرف کرتے ھیں۔ قدرتی بہاروں کا اثر ذرا ان کے دلوں پر نہیں ھے۔

بابر کے مرنے کی ایک عجیب کہانی ھے۔ چند روز سے اس کی طبیعت علیل تھی۔ انہی دنوں میں

ھمایوں اس کا بیٹا بھی سخت بیمار ہوا۔ بہت علاج کئے۔ کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر عالموں اور بزرگوں کے جلسے میں ایک شخص نے بادشاہ سے کہا کہ اگلے زمانے کے عالموں نے ایسے موقع پر یہ لکھا ہے کہ جو چیز بہت ہی عزیز ہو، اسے صدقہ کرکے خدا سے دعا مانگیں۔ بابر نے کہا کہ ہمایوں کے نزدیک سب سے عزیز چیز میں ہوں۔ میں اپنی جان اس پر قربان کروں گا۔ مصاحبوں نے عرض کی کہ حضور یہ کیا فرماتے ہیں؟ بزرگوں کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے مال میں جو شے سب سے اچھی اور قیمتی ہو وہ دینی چاہئے۔ اس لئے وہ نایاب اور بے بہا ہیرا جو شاہزادے کے پاس ہے، اسے حضور تصدق فرمائیں۔ بادشاہ نے کہا نہ دنیا کا مال ہمایوں کے عوض میں کیا چیز ہے، اس پر تو اپنی جان ہی فدا کرنی چاہیئے۔ غرض خدا سے دعا مانگ کر تین دفعہ اس کے پلنگ کے گرد پھرا اور یہ سمجھ کر کہ اب اس کی بیماری مجھ پر آگئی، کہا کہ "لے لی۔ لے لی!"، غرض بابر کا دکھ دم بدم بڑھنے لگا۔ ہمایوں کا مرض گھٹنے لگا۔ یہاں تک کہ بیٹا اٹھ بیٹھا اور باپ بستر مرگ پر جا لیٹا۔

یہ ظاہر ہے کہ زبان کے کہنے سے ایک کی موت دوسرے کو نہیں آ لگتی۔ نہ کسی کے جان

دینے سے کسی اور کی جان بچ سکتی ہے۔ مگر جب
اس نے اس طرح کہا، تو اسے یقین کامل ہوگیا تھا
کہ میں اپنی جان دے چکا۔ دیکھو۔ محمود کو جب
دنیا سے جانا پڑا، تو اپنے مال و دولت پر کیا زار زار
روتا گیا۔ بابر نے اپنے پیارے بیٹے پر آپ جان قربان کردی۔

انّا کی جان نثاری

چغتائی خاندان کے بادشاهوں کے اکثر بڑے بڑے معرکے راجپوتوں سے هوتے رهے۔ راجپوت اگرچه مغلیه فوج سے گنتی میں بہت کم تھے۔ مگر اپنے ملک کی آزادی پر جانیں قربان کرتے تھے اور قوم کے نام پر شیروں کی طرح لڑتے مرتے تھے۔ ان کی بہادری اور جاں بازی کے بہت سے قصے هیں۔ مردوں کا تو کیا کہنا هے، ان کی عورتوں سے بھی بڑے بڑے کام بن پڑے هیں۔ وہ دلاوری اور وفاداری میں اپنے مردوں کے قدم بقدم تھیں۔ راجپوتانے میں رانا اودے سنگھ، میواڑ کا راجه تھا۔ اس کا قصه عجیب هے۔ دیکھو۔ اس زمانے میں کیا مرد کیا عورت، اپنے آقا کے کیسے جاں نثار تھے! اور مصیبت کے وقت کتنے پورے وفادار تھے!

رانا سانگا مدت تک مسلمانوں سے لڑتا بھڑتا رها۔ اس نے اپنا راج قائم رکھنے کو اس بہادری سے تلواریں ماریں که اب تک نام چلا آتا هے۔ اس کے بعد بکرماجیت اس کا بیٹا جانشین هوا۔ مگر باپ بیٹے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ آخر سب امیر بکرماجیت کی بے لیاقتی سے تنگ آکر بگڑ گئے اور بان بیر سنگھ کو گدی پر بٹھا

دیا ۔ اس زمانے میں بے رحمی کی رسم عام تھی ۔ بان بیر نے چاہا کہ اصلی وارثوں کو مار ڈالئے ۔ پھر بے کھٹکے راج کیجئے ۔ چنانچہ ایک دن بکرماجیت دوپہر کو محل میں پڑا سوتا تھا ۔ اسے جا کر مار ڈالا ۔

اس پر تو یہ مصیبت گزری ۔ اب اس کے بیٹے کنور اودے سنگھ کی سنئے کہ وہ اور اس کا چھوٹا سا کوکہ محل کے کسی اور مکان میں پڑے سوتے تھے ۔ ایک عورت جو کنور کی انا اور دوسرے کی ماں تھی اپنے پیارے بچوں کے پاس بیٹھی تھی ۔ ایک طرف میوے کا ٹوکرا اور کچھ بچا کھچا کھانا دھرا تھا ۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ کھا کر دونو ابھی سوئے ہیں ۔ یکایک رانیوں کے رونے پیٹنے کی آواز آنے لگی ۔ انا سمجھی کہ کوئی سخت آفت آئی ۔ حیران بیٹھی تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے ۔ اتنے میں ایک نوکر جھوٹے باسن اٹھانے آیا ۔ اس سے پوچھا ۔ خیر تو ہے ؟ بولا ۔ خیر کیسی ؟ دشمنوں نے رانا کا کام تمام کیا ۔ سنتے ہی انا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔ ایسا خوف چھایا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ جب رانا مارا گیا تو کنور کب بچے گا ۔ کوئی دم میں اسے بھی مار ڈالیں گے ۔ کسی جتن سے اس کی جان بچائیے ۔ مگر سوچ بچار کا وقت نہ رہا تھا ۔ ڈر تھا

کہ اب دروازہ کھلا اور وہ قسائی اندر آیا ۔ کنور پڑا سوتا تھا ۔ انا نے آہستہ سے گود میں اٹھایا اور میوے کے ٹوکرے میں لٹادیا ۔ اوپر سے پتے ڈھانک دئیے ۔ بچہ بے خبر سوتا رہا ۔ انا نے نوکر سے کہا کہ اسے قلعے کے باھر لے جاؤ اور جلدی سے اپنے بچے کو اس کی جگہ لٹا دیا ۔

نوکر نکلا ھی تھا کہ ظالم، رانا کے لہو سے ھاتھ لال کئے آ پہنچا ۔ کنور کے مار ڈالنے کی جی میں ٹھانے ہوئے تھا ۔ انا سے پوچھا ۔ اودے سنگھ کہاں ھے ؟ جاں نثار انا کی زبان بند ھوگئی اور اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا ۔ ماںتا تو پھڑکتی رھی ۔ مگر کنور پر آنچ نہ آنے دی ۔ اشارے کے ساتھ ھی قسائی نے اس کے پیارے بچے کا خنجر سے کام تمام کیا ۔ ماں دیکھتی رھی اور دم نہ مارا ۔ نہ آنسو گرایا کہ ایسا نہ ھو، بھید کھل جائے ۔

باوفا انا نے وہ بلدان دیا ، جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ھیں ۔ مگر کنور کی جان بچالی ۔ جب وہ جوان ھوا تو اس کے بیٹوں میں سے پرتاب سنگھ ایک ایسا لڑکا نکلا کہ اکبر سے بڑے بڑے مقابلے کرتا رھا ۔

پرتاب کی بہادری

انا کی جان نثاری سے اودے سنگھ کی جان بچی۔ وہ مدت تک چھپا رہا۔ اور راجپوتوں میں تھوڑے ہی آدمیوں کو یہ حال معلوم تھا۔ چند سال کے بعد مشہور ہوگیا کہ راج کا وارث جیتا ہے۔ بان بیر سے لوگوں نے دکھ بہت پائے تھے۔ سرداروں نے مل کر اسے تخت سے اتارا اور اودے سنگھ کے سر پر تاج رکھ دیا۔ افسوس یہ ہے کہ اس میں نہ کوئی شاہانہ ہمت تھی، نہ راجپوتوں جیسی بہادری۔ ان دنوں میں بابر کا پوتا اکبر شاہ دلی میں تخت نشین ہوکر ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا تھا۔ جن جن دشمنوں نے مقابلہ کیا اکبر نے انہیں شکست دی، اور راجپوتانے کا رخ کیا۔ میواڑ کا دارالخلافہ چتوڑ تھا اور یہاں کا قلعہ بڑا مضبوط اور نامی تھا۔ اسے آن گھیرا۔ اودے سنگھ تو وہاں سے نکل گیا مگر راجپوت سردار حفاظت کے لئے رہ گئے تھے۔ وہ جان سے ہاتھ دھوکر خوب خوب لڑے۔ جب کچھ امید نہ رہی تو نو رانیاں، پانچ راج کنیاں اور بہت سی عورتیں جو محل کے اندر تھیں، سب جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئیں۔ راجپوت قلعے کا دروازہ کھول کر

تلواریں کھینچے ہوئے نکلے اور وہیں ٹکڑے ٹکڑے
ہوکر مر گئے۔ اودے سنگھ چتوڑ کو چھوڑ کر اربلی
پہاڑ میں جا بسا۔ ایک محل رہنے کے لئے بنا کر آس پاس
شہر آباد کیا۔ وہی اودے پور ہے جو اب تک میواڑ
کا دارالخلافہ چلا آتا ہے۔ جب وہ مر گیا تو اس کا
بیٹا پرتاب تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی پرتاب ہے جس
کا نام اب تک راجپوت فخر کے ساتھ لیتے ہیں۔

اس وقت اس کے پاس سلطنت کا کچھ سامان نہ تھا۔
آئے دن کی شکستوں نے بھائی بندوں کے دل توڑ دئے
تھے۔ مگر اس کے سینے میں وہی راجپوتی لہو جوش
مار رہا تھا اور کہتا تھا، کہ تلوار ہاتھ میں ہے
تو چتوڑ کا چھڑا لینا کیا بڑی بات ہے۔ راجپوتوں کی عزت
برقرار رکھیں گے اور باپ دادا کا نام روشن کریں گے۔
اکبر جیسے عظیم الشان بادشاہ سے مقابلہ تھا جس کے
پاس ہندوستان کی سلطنت کے سارے سامان موجود تھے۔
اور اس وقت تک ہندوستان کے تخت پر ایسا عاقل اور
با تدبیر بادشاہ نہ بیٹھا تھا۔ بعض راجپوت راجاؤں نے
اس سے شکستیں کھائیں۔ آخروں نے اطاعت کی۔ ان
سے اچھے سلوک ہوئے۔ ان کے راج انہیں دئے گئے،
مگر سلطنت کے ماتحت رہے۔ بعض کے خاندانوں میں
اکبر نے شادی کی۔ ان تدبیروں سے اس نے بہت سے

راجا اور راج والوں کو اپنا کرلیا ۔ مگر پرتاب نے اطاعت نہ کی اور ملک کی آزادی کو برباد کرنا گوارا نہ کرسکا ۔ اس پر اور راجپوت راجا اس سے جل کر لڑنے کو سامنے ہو گئے ۔

وہ ہمت والا پچیس برس ایسی لڑائیوں میں پھنسا رہا جن میں اس کی طاقت اور حریف کے زور میں پاسنگ کی نسبت نہ تھی ۔ اس پر بھی کبھی میدانوں میں دھاوے مارتا اور جو سامنے آتا اسے فنا کرتا ۔ کبھی ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر جا نکلتا ۔ کنبے کو پہاڑی اناجوں سے پالتا ۔ وہ بھی نہ ہوتا تو جنگل کے پھل پیداوار سے گزارا کرتا ۔ اکبر بھی اس کی جواں مردی اور استقلال کو مان گیا ۔ بہت چاہا کہ با عزت صلح کرلے ، اور شادی کا پیغام بھی بھیجا ۔ مگر اس نے یہ ذلت نہ اٹھائی اور ہر بات کا دو ٹوک جواب دے دیا ۔ جو جو معرکے اس نے جیتے ، آج تک راجپوتوں کی زبانوں پر ہیں ۔ انہی میں سے ہلدی گھاٹ کی لڑائی تھی ۔ اس میں عجیب طور سے دشمنوں کے ہاتھ سے بچا ۔

اکبر کا بیٹا سلیم بڑی جنگی فوج اور بھاری توپ خانہ لئے ہلدی گھاٹ کے میدان میں پڑا تھا ۔ پرتاب نے بائیس ہزار راجپوت سے اس کا مقابلہ کیا ، اور ایک گھاٹی پر روکا ۔ لڑائی کا میدان گرم ہوا ۔ وہ اپنے اصیل

گھوڑے پر سوار تھا، کہ چٹک اس کا نام تھا۔ جدھر لڑائی کا زور دیکھتا تھا وھیں گھوڑا اڑا کر پہنچتا تھا۔ آخر بادشاھی سواروں اور سپاھیوں کو کاٹتا چھانٹتا شہزادے تک جا پہنچا، کہ ھاتھی پر سوار بیچوں بیچ لشکر میں سپہ سالاری کر رھا تھا۔ وہ موت کا نشانہ تھا۔ لیکن ایک صندوقی ھودے میں بیٹھا تھا جس پر فولادی چادریں منڈھی ھوئی تھیں۔ اس لئے بچ گیا۔ پرتاب کی کوشش بیکار تھی کہ برچھے کے کوچے سے اس کا کام تمام کرنا چاھا تھا۔ اصیل گھوڑے نے بھی اپنے سوار کا خوب ساتھ دیا۔ لڑائی کی تصویر اس وقت کے مصوروں نے اس طرح کھینچی ھے کہ گھوڑا الف ھے۔ اس کا ایک پاؤں ھاتھی پر ٹکا ھوا ھے۔ اور پرتاب شاھزادے پر بھالا مارا چاھتا ھے۔

سلیم کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ مگر مہاوت بچارے پر بلا ٹل گئی۔ ھاتھی بپھر کر بھاگا اور سلیم کو لے کر نکل گیا۔ پھر بھی راجپوت اور بادشاھی سپاھی بڑے زور شور سے وھیں لڑتے رھے۔ پرتاب نے سات زخم کھائے۔ تین دفعہ گھرا اور نکلا۔ اخیر دفعہ قریب تھا کہ کام تمام ھو جائے۔ یہ حال دیکھ کر جھالا واڑ کے سردار نے چاھا کہ اپنی جان جائے۔ مگر پرتاب کسی طرح بچ جائے۔ اس نے پرتاب کی راجگی

کا نشان یعنی سورج مکھی لی اور ایک طرف کو چلا۔ بادشاھی سپاھیوں نے جانا کہ پرتاب یہی ھے۔سب اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور لڑائی کا زور ادھر جا پڑا۔ وہ بچارا اپنے ساتھیوں سمیت وھیں کام آیا۔مگر پرتاب جہاں گھرا تھا، وھاں سے صاف نکل گیا۔راجپوت ناحق جان توڑ کر لڑے۔اور بائیس ھزار جوانوں میں سے صرف آٹھ ھزار جیتے رھے۔

اب پرتاب اکیلا میدان سے چلا۔زخموں سے نڈھال تھا اور باوفا چٹک پر سوار تھا۔دو مسلمان سرداروں نے پہچان کر اس کے پیچھے گھوڑے پھینکے۔ ان کے گھوڑے اسے لیا چاھتے تھے کہ ایک پہاڑی نالا سامنے آیا۔ بہادر چٹک اس پر سے صاف اڑ گیا اور دشمن پیچھے رہ گئے۔مگر یہ مہلت کوئی دم ھی کی تھی۔نالے سے نکل کر پھر حریف پیچھے آن لگے۔ چٹک بھی دن بھر کی محنت سے ھار گیا تھا اور اپنے سوار کی طرح زخمی ھو رھا تھا۔اب اس کی قوت بھی گھٹنے لگی۔پرتاب کو بچنے کی آس نہ رھی، دشمن مارا مار چلے آتے تھے۔سخت پتھروں پر گھوڑوں کے سموں کی کھڑکھڑاھٹ سے معلوم ھوتا تھا کہ اب آن پہنچے۔یکایک ایک راجپوت کی آواز آئی۔او نیلے گھوڑے کے سوار! پھر کر دیکھے تو ایک ھی سوار ھے۔

اور وہ سکٹ اس کا بھائی ہے -

سکٹ بچپن میں کسی بات پر خفا ہو کر گھر سے نکل گیا تھا ، اور ایسا بگڑا تھا کہ بھائی کے ساتھ ملک سے بھی بیزار ہوگیا تھا - اکبری فوج میں آ کر نوکر ہوا تھا - اور اپنے ہی بھائی بندوں سے لڑا کرتا تھا - مگر اس وقت جو میدان میں بھائی کی بہادری اور جانبازی دیکھی تو اس کا دل بھر آیا - پھر دو دشمن اس کے پیچھے دیکھے - اور وہ اور گھوڑا دونوں گھائل تھے - سکٹ لہو کے جوش سے بے قرار ہوکر دوڑا - دونو سواروں کو مار گرایا اور ایک عمر کے بعد دو بھائی پھر ہاتھ پھیلا کر گلے ملے - اتنے میں چیتک بے حال ہوکر گرا اور گرتے ہی دم نکل گیا - سکٹ نے اپنا گھوڑا دیا اور اتنا کہہ کر رخصت ہوا کہ کوئی موقع ہوگا تو پھر آن ملوں گا -

بادشاہی فوج میں سب کھڑے دیکھ رہے تھے کہ اب ہمارے سوار پرتاب کو باندھے لئے آتے ہیں - سکٹ کو اکیلا آتا دیکھ کر حیران ہوئے اور سیدھا شہزادے کے سامنے لے گئے - اس نے پوچھا کہ ہمارے سردار کیا ہوئے ؟ عرض کی کہ پرتاب انہیں مار کر نکل گیا - بلکہ میرا گھوڑا بھی مارا گیا - میں ان ہی میں سے ایک کے گھوڑے پر چڑھ کر آیا ہوں - سلیم کو یقین نہ آیا - الگ لے جا کر کہا کہ سچ سچ کہہ دے ،

تیری خطا بھی ہوگی تو معاف کردوں گا۔سکٹ نے جو حال تھا ، صاف صاف کہہ دیا۔سلیم بھی وعدے کا پورا تھا۔سکٹ کو کچھ نہ کہا مگر لشکر سے رخصت کر دیا اور وہ اپنے بھائی کے ساتھ جا ملا۔

نوٹ۔ تیسری کتاب کے قدیم ایڈیشنوں میں حصہ نظم نہیں تھا۔ بعد میں حصہ نظم بھی شامل کر دیا گیا۔ یہ اضافہ آزاد کا نہیں ہے۔

حصۂ چہارم

اردو کی چوتھی کتاب

فہرست مضامین

صفحہ

جانوروں کا بیان

پرندوں کا بیان

صفحہ

کیڑوں کا بیان

درختوں کا بیان

جانوروں کا بیان

بکری

گائے کا بیان تم پڑھ چکے ہو۔ اسی کی طرح بکری کے معدے میں بھی چار خانے ہیں۔ تمہیں یاد ہے؟ جگالی بھی ویسی ہی کرتی ہے۔ کھر بھی بیچ میں سے پھٹے ہوئے ہیں۔ اس کے سینگ کھوکھلے ہیں۔ گائے، بھینس، بھیڑ، ہرن کے سینگ بھی ایسے ہی ہیں۔ ان سب کے نیچے کے جبڑے میں چھ دانت، دو کچلیاں اور بارہ ڈاڑھیں ہیں۔ چھ ادھر، چھ ادھر۔ اوپر کے جبڑے میں فقط بارہ ڈاڑھیں ہیں۔ سامنے کے دانت اور کچلیاں کچھ نہیں، مگر مسوڑے موٹے اور سخت ہیں۔ نہیں تو کھاتے وقت نیچے کے دانت اوپر چبھ کر انہیں زخمی کر دیتے۔

عام بکریاں جن کے ریوڑ کے ریوڑ شہر اور گاؤں میں پھرتے نظر آتے ہیں، ان سے تمہارے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں۔ کیسا مزے کا دودھ دیتی ہیں! بہت لوگ ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ جوان بکری کا گوشت ذرا سخت اور ریشے دار ہوتا ہے۔ بچے کا گوشت اس ملک میں لوگ بڑی چاہت سے کھاتے ہیں۔

جب اس میں اچھے اچھے مصالح ڈال کر قورما یا پلاؤ پکاتے ہیں تو بہت ہی مزے کا ہوتا ہے۔

بکری کے ایک جھول میں اکثر ایک یا دو بچے ہوتے ہیں۔ دودھ اپنی بساط سے زیادہ دیتی ہے۔ وہ طبیعت کی ایسی مضبوط ہے کہ سردی یا گرمی ذرا نہیں مانتی۔ کیسی ہی سخت گرمی ہو اور کیسا ہی کڑکڑاتا جاڑا پڑے، اسے سب برابر ہے۔ رستوں کے کنارے اور میدانوں بھی ادھر ادھر سے چر چگ کر پیٹ بھر لیتی ہے، اور جانور ہو تو بھوکا مر جائے۔ یہ بڑی چست و چالاک ہے۔ پہاڑوں پر جہاں انسان پہنچ نہیں سکتا وہاں یہ جا پہنچتی ہے۔ جس بلندی پر چڑھ کر سر چکرا جائے وہاں بے کھٹکے قلانچیں مارتی پھرتی ہے۔ کبھی ایک درخت کے ترچھے تنے پر کھڑی نظر آتی ہے کہ اس کی نرم نرم ننھی ننھی کونپلیں چن چن کر کھائے۔ ہری ہری کونپلیں اسے بہت بھاتی ہیں، اس لئے نئے پودوں کے لئے ایک آفت ہے۔ لیکن نہ ملیں تو کچھ پروا بھی نہیں۔ جو پاتی ہے، وہی کھا لیتی ہے۔ چارے کی کمی ہو تو آک اور اس سے بھی گئی گزری تھوھڑ کی کڑوی پتی ہی کھا کر گزارا کرلیتی ہے۔

عام بکریوں کے بال موٹے اور سخت ہوتے ہیں۔

یا تو ان سے رسے بناتے ہیں یا زین کی بھرتی میں بھرتے ہیں۔

تبت، لداخ اور کشمیر کے شمالی پہاڑوں میں ایک قسم کی بکریاں ہوتی ہیں۔ ان کے نرم نرم بالوں کو جو کھال سے ملے ہوئے ہوتے ہیں پشم کہتے ہیں۔ یہ نہایت خوب صورت، مہین اور آب دار ہوتے ہیں۔ کشمیری شال دوشالے جو سارے جہان میں مشہور ہیں، اور کشمیری پشمینہ انہی سے بنتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کم سے کم دس بکریوں کی پشم میں ڈیڑھ گز مربع شال بنی جاتی ہے۔ لمبے اور موٹے بال جو اوپر ہوتے ہیں وہ پشم کی نسبت کام میں کم آتے ہیں۔ یہ بکریاں جن اونچے اونچے پہاڑوں پر رہتی ہیں وہاں جاڑا بہت ہوتا ہے۔ یہ پشم کی ملائم تہ بڑے بالوں کے نیچے اس لئے کھال سے ملی ہوئی خدا نے پیدا کی ہے کہ انہیں سردی نہ ستائے۔

ایک قسم کی جنگلی بکریاں ہمالیہ کے اونچے اونچے پہاڑوں پر رہتی ہیں جہاں انسان کا گزر بھی مشکل ہے۔ وہی شکاری ان کا شکار کرتے ہیں جو بڑے جفا کش ہوتے ہیں اور اونچے اونچے پہاڑوں پر چڑھنے کی بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ عام بکریوں سے بڑی ہوتی ہیں۔ ان کے سینگ خوب صورت لمبے، اور خم دار ہوتے ہیں۔

وھاں کے لوگ ان سینگوں کو مندروں کی دیواروں پر لگا دیتے ھیں، اور شکاری بھی ان کو گھروں میں سجا کر اپنے کمال کی سند دکھاتے ھیں۔ پنجاب کے پہاڑوں میں جہاں سے ستلج نکلتا ھے اس بکری کو کھیل کہتے ھیں ، اور خاص کشمیر میں سکین۔

اس کی پشم سے موزے، دستانے اور ایک طرح کا مہین اور عمدہ پشمینہ بنتا ھے۔ پہاڑوں میں اس کے اوپر اوپر کے بالوں سے رسے اور خیموں کے لئے موٹے کمل بناتے ھیں۔

مغربی ھمالیہ اور افغانستان کے پہاڑوں میں ایک بکرا مار خور مشہور ھے۔ اس کا ڈیل ڈول بہت بڑا ھے۔ چار فٹ کے قریب اونچا ھوتا ھے۔ گویا خاصا ٹٹو ھے۔ اس کے سینگوں پر ایک شان برستی ھے۔ وہ چار چار فٹ تک لمبے ھوتے ھیں۔

شیر

یہ بڑا خوب صورت، بانکا اور شہ زور جانور ہے۔
تم تیسری کتاب میں پڑھ چکے ہو کہ اس کی بعض باتیں بلی، چیتے، تیندوے سے ملتی ہیں۔ یعنی اس کے ناخن بھی ان جانوروں کی طرح پنجے کے اندر چھپے رہتے ہیں۔ جب چاہتا ہے نکل آتے ہیں۔ زبان بھی کھردری ہے کہ جو گوشت ہڈیوں میں چمٹا ہو اس سے کھرچ لیتا ہے۔ انہی کی طرح انگلیوں کے بل چلتا ہے۔ انگلیوں کے نیچے کی طرف نرم نرم گوشت بھی ہے کہ چلے تو پاؤں کی آہٹ نہ ہو۔ انہیں کی سی آنکھیں ہیں کہ دن رات برابر دیکھتی ہیں۔ ویسے ہی کان ہیں کہ ذرا سی آہٹ ہو تو جھٹ سن لیتے ہیں۔ شیر اگرچہ بلی کی طرح درخت پر نہیں چڑھ سکتا لیکن نہایت چالاک ہے۔ لمبی لمبی چھلانگیں مار سکتا ہے۔ اس کی ہر چال میں خوش نمائی اور بانکپن پایا جاتا ہے۔

رنگ گہرا زرد ہوتا ہے مگر چمکیلا۔ اس پر سیاہی مائل دھاریاں، پیٹ، چھاتی اور گردن کی پشم سفیدی لئے۔ کلے کے دونوں طرف کے لمبے لمبے بال بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ پورے قد کا شیر سر سے دم

کے سرے تک اکثر تو نو یا ساڑھے نو فٹ ہوتا ہے، بعض دس فٹ بھی۔ کبھی کبھی گیارہ بارہ فٹ تک بھی دیکھنے میں آیا ہے۔

شیر ہندوستان کے جنگلوں، بنوں اور چھوٹے چھوٹے پہاڑوں میں ہوتے ہیں، اور اکثر گھنی جھاڑیوں میں رہا کرتے ہیں۔ یا لمبی لمبی گھاس میں، یا دریا کے کنارے جھاڑ جھنکاڑوں میں۔ بعض دفعہ پرانے مندروں پر یا پرانے کھنڈروں کی دیواروں پر تین چار اکھٹے پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں تو ایشیا کے اور ملکوں میں بھی شیر ہوتے ہیں، مگر ہندوستان میں سب جگہ سے زیادہ ہیں۔

شیرنی ایک جھول میں دو سے چار تک بچے دیتی ہے اور جنگل میں اکثر ایسی جگہ جنتی ہے جہاں گھنی جھاڑیاں وغیرہ ہوں۔ بچے جب تک آپ شکار نہیں کر سکتے ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اسے بچوں سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اس کا بچہ کوئی اٹھا لے جائے تو تین چار رات برابر وہیں آس پاس پڑی رہتی ہے، اور غصے کے مارے ڈکرایا کرتی ہے۔

ایک صاحب کے نوکروں کو جنگل میں شیر کے چار پلے مل گئے۔ وہ ان میں سے دو اٹھا لائے اور اپنے آقا کی نذر کئے۔ آقا نے طویلے میں بھیج دئے۔

بچے وھاں کئی رات چیختے رھے۔ آخر ماں کو پتا لگ گیا وہ ایسی غصے میں بھری ھوئی پہنچی کہ گویا سارے طویلے کو فنا کردے‌گی۔ مالک کا بھی جی نہ چاھا کہ بچوں والی کو گولی سے مار ڈالے مگر اس کے مارے بغیر بچوں کو رکھ بھی نہ سکتا تھا۔ ناچار بچوں کو چھوڑ دیا۔

شیر مویشی کے شکار کا عاشق ھوتا ھے مگر جنگلی سور، سابر، چیتل اور جنگلی جانوروں کو بھی مار لیتا ھے۔ جوان شیر بڑا ظالم ھوتا ھے اور بعض وقت چار چار پانچ پانچ گایوں کو ایک ھی دفعہ مار ڈالتا ھے۔ مگر بوڑھا شیر اکثر اپنی بھوک کے موافق شکار کرلیتا ھے۔ حقیقت میں شیر ڈرپوک جانور ھے۔ جب کوئی اس کا مقابلہ کرتا ھے تو ٹل جاتا ھے۔ ھاں جب زخمی یا جھلایا ھوا ھوتا ھے تو ھٹتا بھی نہیں۔ اکثر دن بھر تو چھپا رھتا ھے، رات کو شکار کی گھات میں بیٹھتا ھے، اور جب کوئی جانور کسی ندی یا تالاب پر پانی پینے جاتا ھے تو ایک چھلانگ مارتا ھے اور بے خبر آن دباتا ھے۔ کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ شیر نے جنگلی سؤر پر حملہ کیا اور اس نے اپنے لمبے لمبے تیز دانتوں سے جو باھر نکلے ھوتے ھیں اسے پھاڑ ڈالا۔ شیر جب مویشی کے ریوڑ پر حملہ کرتا ھے تو بعض وقت وہ اس

کے بس میں نہیں آتیں ، بلکہ سامنا کرکے مار ہٹاتی ہیں۔
کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بھینسوں کا ریوڑ
چر رہا تھا اور ایک گڈریے کا لڑکا ان کے ساتھ تھا۔
شیر نے لڑکے کو آپکڑا۔ ساری بھینسیں شیر پر پل
پڑیں اور لڑکے کو چھڑا لیا۔ ایک دفعہ کسی شیر نے
بہت دن تک کچھ نہ کھایا تھا۔ بہت دبلا ہو گیا تھا۔
ایک شکاری نے اس کا شکار کیا۔ دیکھے تو ایک سیہ
کا کانٹا حلق میں اٹکا ہوا ہے۔ کہیں سیہ کو پکڑا
ہوگا۔ کانٹا حلق میں اٹک گیا۔ جبھی اس سے کچھ
نگلا نہ جاتا تھا۔ شیر کو اکثر اپنے شکار کا گوشت بہت
بھاتا ہے، مگر بعض دفعہ مردار بھی کھا لیتا ہے۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی صاحب نے ایک
شیرنی کے گولی ماری اور جانا کہ وہ مر گئی۔ آپ
خیمے میں چلے آئے اور اس کی لاش لانے کے لئے ایک
ہاتھی بھیجا۔ آدمی پھر کر گئے اور کہا کہ وہ تو
ابھی زندہ ہے۔ دوسرے دن صاحب خود گئے۔ دیکھا
کہ ایک شیر اسے گھسیٹ کر کھائی میں لے گیا۔
اور آدھا ایک کھا گیا۔ صاحب نے شیر کو بھی مار ڈالا۔
شیر اکثر آدمی پر حملہ نہیں کرتا۔ ہاں ا‌بھو
منہ کو لگ جاتا ہے تو ہمیشہ اسی کی تاک میں رہتا ہے۔
دکن میں بعض جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ گاؤں کے لوگ

بیابانیوں میں پڑے سوتے تھے، شیر آیا اور ایک آدھ کو
اٹھا لے گیا۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ شیر بڈھا ہو جاتا ہے،
دانت کند ہو جاتے ہیں۔ طاقت جاتی رہتی ہے تو آدمی
ہی کا شکار کرتا ہے کیونکہ جانوروں کی نسبت آدمی آسانی
سے قابو میں آجاتا ہے۔

تم یہ جانتے ہی ہو کہ جن موت کے ماروں کو
شیر پکڑ کر لے گئے ان میں سے شاید ہی کوئی جیتا بچا
ہوگا جس سے حال معلوم ہوتا۔ مگر ایسا بھی ہوا ہے
کہ بعض قسمت والے اس ظالم کے پنجے سے بچ نکلے
ہیں، پر عجیب طور سے۔ ایک لڑائی کے موقع پر چھ سو
سپاہی کوچ کئے جاتے تھے۔ رات کو ذرا دیر کر منزل پر
پہنچے۔ خیموں کے پاس ہی ایک بڑا گھنا بن تھا۔
کمانیر تھکا ماندہ تھا۔ چاہتا تھا کہ دو چار گھنٹے
نیند لے لے، مگر لیٹا ہی تھا کہ بندوق کی آواز آئی۔
چونک پڑا اور دوڑ کر ڈیرے کے دروازے پر آیا۔
سنتری سے کھڑا پوچھ رہا تھا کہ یہ آواز کدھر سے
آئی۔ اتنے میں ایک بڑا سا شیر ایک سپاہی کو منہ
میں لئے چھلانگیں مارتا سامنے سے نکل گیا۔ سنتری نے
جھٹ گولی ماری۔ شیر نے ایک لمبی سی جست کی اور
جھپٹ کر نکل گیا۔ کمانیر، سنتری، کچھ اور سپاہی
جو آن پہنچے تھے سب اس کے پیچھے دوڑے، اور

جہاں جہاں زمین پر خون ٹپکا تھا، اس کے نشان پر کئی سو قدم تک گئے۔ مگر کسی کو سپاہی بچارے کی امید نہ رہی۔ اتنے میں اس زور سے شیر دڑوکا کہ آس پاس کے پہاڑ گونج اٹھے۔ فوراً انہی جھاڑیوں میں کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ایک للکار کی آواز آئی۔ بڑھ کر دیکھیں تو میاں سپاہی لنگڑاتے چلے آتے ہیں۔ حال دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ غریب بکٹ کے سپاہیوں کے لئے کھانا لے گیا تھا۔ پھرا ہوا آتا تھا کہ جھاڑیوں میں کچھ سرسراہٹ معلوم ہوئی۔ ابھی پھر کر دیکھنے نہ پایا تھا کہ شیر نے اس زور سے آن دبایا کہ بے ہوش ہو گیا۔ کئی لمحے تک اپنے حال کی کچھ خبر نہ رہی۔ مگر جب گولی کی آواز کان میں پہنچی اور ران میں درد معلوم ہوا، اس وقت ہوش آیا تو دیکھا کہ شیر کے منہ میں ہے۔ کسی نے شیر کے گولی ماری تھی وہ اس کے لگی ہے۔ مگر خیر یہ تھی کہ اب تک شیر نے کوئی زخم اس پر نہ لگایا تھا۔ فقط کپڑے اور توش دان ہی اس کے منہ میں آیا تھا۔ غرض سپاہی نے جوں توں کرکے اپنی سنگین نکالی اور شیر کے بدن میں گھونپ دی۔ شیر نے ایک طرف کو چھلانگ ماری۔ سپاہی اس کے منہ سے چھوٹ گیا لیکن ظالم نے فوراً آکر پھر پکڑ لیا بچارے سپاہی کا یہ عالم ہوا کہ

سانس لینا دشوار ہوگیا ۔ لیکن اب وار کا موقع ایسا تھا
کہ چاہے تو ایسی جگہ زخم پہنچائے جس سے شیر کا کام
ہی تمام ہو جائے ۔ اس نے مونڈھے کے پیچھے کئی
کوچے خوب زور سے مارے۔ آخر ایسا کاری زخم لگا کہ
شیر لڑکھڑا کر گرا اور زمین پر تڑپنے لگا ۔ زخمی
سپاہی سمجھا کہ اب میں اس ظالم کے پنجے سے چھوٹا۔
زمین سے اٹھا ہی تھا کہ شیر ایک خوف ناک دھاڑ
مار کے اٹھا اور جھپٹ کر اپنے شکار کو پکڑنا چاہا مگر
آپ ہی کروٹ کے بل گر پڑا اور پلٹی کھا کر سپاہی
کے پاؤں کے سامنے آ رہا۔ اس نے جھٹ سنگین اس کے
جگر میں گھونپ دی ۔

ہندوستان اور ایشیا کے اور ملکوں میں بھی
شیر کے پکڑنے کی کئی ترکیبیں ہیں ۔ بعض دفعہ ایک
بڑا گہرا گڑھا کھودتے ہیں اور اس طرح اوپر سے
ڈھانک دیتے ہیں کہ خاصی زمین معلوم ہوتی ہے۔
بعض وقت جنگل میں اس کے رستے پر زہر میں بجھے ہوئے
تیر اس طرح لگا دیتے ہیں کہ جب شیر ان پر سے گزرتا
ہے تو وہ آلگتے ہیں ۔ بعض دفعہ بھاری بھاری شہتیر
اس طرح دھر دیتے ہیں کہ ذرا شیر کے پاؤں سے رسی
دبی اور شہتیر اس پر آن گرا ۔ مدراس احاطے کے ایک
مقام میں یہ ترکیب کرتے ہیں کہ بہت سے آدمی

جمع ہوکر شیر کو گھیر لاتے ہیں اور ہانکتے ہانکتے ایک جال میں لا پھنساتے ہیں ۔ پھر برچھیوں سے اس کا کام تمام کردیتے ہیں ۔ بعض جگہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ جس جانور کو شیر مار کر کھاتا ہے اور باقی پھر کھانے کے لئے چھوڑ جاتا ہے ۔ اس میں زہر ملا جاتے ہیں ۔ جب شیر پھر آن کر کھاتا ہے تو زہر چڑھ کر مر جاتا ہے ۔ کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جہاں شیر کسی گائے بیل کو تازہ تازہ مار کر ڈال جاتا ہے ۔ شکاری وہاں کسی درخت یا مچان پر بیٹھ جاتے ہیں ۔ کبھی آپ ہی جیتا بیل لا کر باندھ دیتے ہیں ۔ جب شیر آتا ہے تو گولی سے مار لیتے ہیں ۔

چین میں ایک عجیب کل سے شیر کو پکڑتے ہیں ۔ جہاں شیر کی آمد و رفت دیکھتے ہیں وہاں ایک صندوق میں بڑا سا آئینہ لگا کر رکھ دیتے ہیں شیر اس میں اپنی شکل دیکھ کر صندوق کے پاس آتا ہے اور اندر جا کر جھٹ پھنس جاتا ہے ۔

ملایا ایک ملک ہے وہاں کے لوگ اور ہی ترکیب کرتے ہیں ۔ لاسے کی طرح ایک چپکتی ہوئی چیز لے کر اس میں زہر ملاتے ہیں ۔ اسے چوڑے چوڑے پتوں میں ملتے ہیں اور شیر کے رستے میں بچھا دیتے ہیں ۔ جب وہ ادھر کو آتا ہے اور پتوں پر پاؤں رکھتا ہے تو ایک

آدھ پتہ پنجے میں چپک جاتا ہے وہ اسے دوسرے پنجے سے چھڑانا چاہتا ہے تو اور پتے پنجوں میں چمٹ جاتے ہیں۔ شیر دق ہو کر پنجے منھ سے ملتا ہے۔ اس سے چہرے پر بھی پتے لگ جاتے ہیں۔ وہ جھنجھلا کر زمین پر لوٹنے لگتا ہے۔ پھر تو سارے جسم پر پتے چمٹ جاتے ہیں۔ اور جب بدن کو کھجاتا ہے اور رگڑتا ہے تو وہ زہر ملا ہوا لاسا کچھ آنکھوں میں بھی گھس جاتا ہے۔ شیر اندھا ہو جاتا ہے آخر درد سے تنگ آ کر ڈکراتا ہے۔ شکاری بھی آس پاس گھات میں لگے رہتے ہیں۔ آواز سنتے ہی پہنچتے ہیں اور بچارے کا کام تمام کر دیتے ہیں۔

ہندوستان کے شمالی علاقوں میں وہاں کے سردار اور انگریزی افسر اکثر ہاتھیوں پر چڑھ کر شیر کا شکار کیا کرتے ہیں۔ اور جنوبی اضلاع اور وسطی ہند میں اکثر پا پیادہ گولی سے مارا کرتے ہیں۔ مگر یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہاتھیوں پر شکار کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ان کی صف باندھ کر جنگل میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ جہاں شیر نظر آتا ہے جھٹ گولی مارتے ہیں۔ شیر جب زخمی ہو جاتا ہے تو اکثر جھنجھلا کر جھپٹتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھبک کر آتا ہے کہ ہاتھی اپنے سوار کو لئے نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ مگر جو ہاتھی شکار پر لگے ہوتے ہیں وہ ڈٹے رہتے ہیں۔

بعض ہاتھی آپ شیر پر جھپٹتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ
گھٹنے سے دبا کر مسل ڈالیں مگر اس میں ہودے کے
سوار بڑے دق ہوتے ہیں۔ کبھی ان کی جان کے لالے
بھی پڑ جاتے ہیں ۔ ایک دفعہ ہاتھی نے ایسی ہی ہمت
کی ۔ صاحب جو ہودے میں سوار تھے، سامنے آپڑے
اور اتفاق سے ان کا پاؤں سیدھا شیر کے منہ میں گیا ۔
صاحب نے چالاکی خوب کی کہ گرگابی تو شیر کے منہ ہی
میں چھوڑی مگر کھینچ گھسیٹ کر پاؤں نکال لیا ۔
پھر بھی عمر بھر کے لئے لنگڑے ہوگئے ۔

شیر کو بچہ سا پکڑ کر پالیں تو ہل جاتا ہے ۔
مگر پھر بھی ڈر ہی رہتا ہے ۔ اس قسم کا ایک شیر لاہور
کے چڑیا گھر میں تھا ۔ بلی کے بچے کی طرح کھیلا
کرتا تھا ۔ ایسا ہلا ہوا تھا کہ لوگ اس کے سر پر
ہاتھ پھیرتے تھے اور وہ کچھ نہیں کہتا تھا ۔ ایک
دفعہ پنجرے سے چھوٹ گیا۔ جمعدار جو محافظ تھا
پیچھا کرکے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ بابا !
تیری بدولت ٹکڑا کھاتے تھے تو نہ آیا تو روٹی گئی ۔
کسی کو نقصان پہنچایا تو جان پر بھی آفت آئی۔
آجا ! آجا !۔ یہ کہہ کر پگڑی اس کے گلے میں ڈالی اور
چڑیا گھر میں لے گیا۔ اگرچہ شیر ان باتوں کو نہیں
سمجھا مگر اتنا ضرور جانا ہوگا کہ یہ وہی شخص ہے

جو مجھے روز محبت سے راتب کھلاتا ھے اور پیار کیا
کرتا ھے ۔ ایک دن ایک لڑکا اسی شیر کے پنجرے میں
ھاتھ ڈالے کھڑا تھا شیر نے ایک منہ مارا اور ھاتھ
اکھیڑ کر کھا گیا ۔ غنیمت یہ ھے کہ لڑکا جان سے بچ
گیا۔ پھر بھی کبھی کبھی آیا کرتا تھا کہ جس
دوست نے بازو پر نشانی دی ھے اس سے ملاقات کر آؤں ۔

شیر کی بعض چیزوں کے باب میں یہاں کے لوگوں
کو کئی وھم ھیں ۔ مثلاً سمجھتے ھیں کہ شیر کی
مونچھ کا بال آدمی کو کھلا دیں تو وہ پیٹ میں جا کر
ایسا چبھ جاتا ھے کہ آدمی مر ھی جاتا ھے ۔ ھندوستان
کے بعض بعض مقاموں میں لوگوں کو یہ بھی خیال ھے کہ
جو شخص شیر کی مونچھیں اپنے پاس رکھتا ھو اس میں
عجیب طاقت پیدا ھو جاتی ھے۔ بعض لوگوں کو یہ
یقین ھے کہ اگر شیر کے ناخن بچوں کے گلے میں
باندھ دیں تو نظر یا آسیب کا خلل نہیں ھوتا ۔ شیر کا
ناخن چاندی سونے میں منڈھ کر تعویذ سمجھتے ھیں
اور زیور کے طور پر پہنتے ھیں ۔

لگڑبگڑ یا چرخ

یہ جانور بھی پنجوں کے بل چلتا ھے اور اس بات میں بلی، شیر، تیندوے سے اور کتے، گیدڑ، بھیڑئے سے بھی ملتا ھے۔ بلی، کتے وغیرہ کے اگلے پنجوں میں پانچ انگلیاں ھوتی ھیں، پچھلے پنجوں میں چار۔ اس کے چاروں پنجوں میں چار چار انگلیاں ھیں۔ اور بلی، شیر وغیرہ کی طرح ناخنوں کو پنجے کے اندر سکیڑ نہیں سکتا۔ اگرچہ قد میں بڑے کتے سے کچھ ایسا اونچا نہیں ھوتا مگر چھاتی اور گردن کے پٹھے نہایت مضبوط ھوتے ھیں۔ سخت ھڈیاں اس طرح چباتا ھے کہ دیکھ کر تعجب آتا ھے۔ بلکہ بیل کی ران کی ھڈی کو اس آسانی سے چبا جاتا ھے کہ معلوم بھی نہیں ھوتا۔ گردن کی ھڈیوں پر بڑا زور پڑتا ھے ان کے جوڑ اس طرح وصل ھوتے ھیں کہ گردن ھمیشہ اکڑی رھتی ھے۔ اسی سبب سے لوگ جانتے ھیں کہ اس میں ایک ھی ھڈی ھے۔ پچھلی ٹانگیں ٹیڑھی ھوتی ھیں۔ سر اور کندھوں کی نسبت پچھلا دھڑ اتنا چھوٹا ھے کہ بے ڈھنگا پن دیکھ کر تعجب آتا ھے۔ اسی سبب سے چلنے میں بھی لڑکتا پڑکتا چلتا ھے۔ زبان کھردری ھوتی ھے کان لمبے اور

نکیلے، دم چھوٹی سی، رنگ خاکستری، زردی مائل۔ اس پر زردی لئے سیاہ دھاریاں، آواز کڑی اور ناگوار۔ کبھی کبھی تو اس طرح بولتا ہے جیسے کوئی چیخیں مار کر ہنستا ہے۔

یہ جانور نالوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے غاروں یا سوراخوں میں رہتا ہے۔ اگرچہ بدن کا مضبوط ہوتا ہے مگر بزدل ہے۔ دن کو بھٹ میں سویا کرتا ہے، رات کو شکار کی تلاش میں نکلتا ہے۔ سڑی ہوئی لاشیں کھا کر اپنی جان پالتا ہے۔ زمین کرید کر کچی قبروں میں سے مردے بھی نکال لیتا ہے۔ یہ جانور اگرچہ غلیظ اور گھناؤنا ہے مگر اس سے بڑے بڑے فائدے نکلتے ہیں کیونکہ مرداروں کو نہ کھاتا تو ان کی بو سے ہوا خراب ہو جاتی۔

جب کوئی بیمار یا زخمی جانور جنگل میں پاتا ہے تو کوسوں تک اس کے پیچھے لگا پھرتا ہے اور بڑے صبر سے تاکتا رہتا ہے کہ وہ کب ڈھیر ہو اور میں چٹ کروں۔ جب کسی قسم کا گوشت بھی ہاتھ نہیں آتا تو پودوں کی جڑیں اور تاڑ کی کونپلوں ہی سے گزارا کر لیتا ہے۔ جب کچھ بھی نہیں پاتا تو جھلا ہو کر بڑا خطرناک ہو جاتا ہے۔ آبادیوں کے ادھر ادھر بھولی بھٹکی بھیڑیں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ کتا ملتا ہے تو اسی

تو پھاڑ کھاتا ہے۔ عورتوں اور بچوں پر بھی وار کر بیٹھتا ہے۔ اس کا بچہ ہاتھ آ جاتا ہے تو آسانی سے ہل جاتا ہے اور پالنے والے سے بہت محبت کیا کرتا ہے۔

یہ بڑا بھدا جانور ہے۔ لمبے لمبے بال گپھے کے گپھے سر سے پاؤں تک چھپائے ہوئے۔ ننھے ننھے کان، لمبوتری تھوتھنی، اکثر چھوٹی سی دم، لمبے اور مضبوط ناخن، کھودنے کے ڈھب کے۔ اسے اکثر اونچی چیزوں پر چڑھنے میں کمال ہے۔ اکثر قسمیں ایسی ہیں کہ ان کے تلووں پر بال نہیں ہوتے۔ ریچھ آدمیوں کی طرح زمین پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں۔ قدم کا نشان بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ ان میں اور انگلیوں کے بل چلنے والے بلی، کتے، لگڑ بگڑ وغیرہ میں بڑا فرق ہے۔ ریچھ کا تلوا چوڑا اور چپٹا ہے۔ اس لئے پچھلی ٹانگوں پر خاصی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب کوئی دشمن حملہ کرتا ہے تو سیدھا ہو کر ڈٹ جاتا ہے اور خوب لڑتا ہے۔ دشمن کو ہاتھوں سے پکڑتا ہے اور چوڑی چھاتی سے لگا کر ایسا بھینچتا ہے کہ وہ بچارا گھٹ کر مر جاتا ہے۔ اگرچہ ریچھوں کو گوشت کھانے والے جانوروں میں شامل کرتے ہیں مگر ان کی اکثر قسمیں یہ چیزیں زیادہ کھاتی ہیں۔ جڑیں، دانے، میوے، کیڑے، شہد۔ ریچھ دن کو پہاڑوں کی کھو، درختوں کے کھو کھ

اور جھاڑیوں میں چھپے رہتے ہیں - رات کو خوراک کی تلاش میں نکلتے ہیں - ان میں یہ عجیب عادت ہے کہ جب خالی بیٹھتے ہیں، خاص کر کھانے کے بعد تو اپنے پنجے چوستے رہتے ہیں - اس وقت غر غر، غر غر کرتے ہیں - یہ آواز پہاڑوں کے غاروں اور شگافوں سے نکلتی ہوئی دور تک سنائی دیتی ہے -

ریچھ کئی قسم کے ہیں مگر ہندوستان میں تین طرح کے مشہور ہیں - کوہ ہمالیہ کا بھورا اور کالا ریچھ، ایک اور قسم کا کالا ریچھ جو اور مقاموں میں ملتا ہے- ان میں سے کوئی ہو، بچہ سا پکڑ لیں تو آسانی سے ہل جاتا ہے- لوگ انہیں اکثر سدھاتے ہیں، نچاتے ہیں، بہت سے کرتب سکھاتے ہیں اور بازاروں میں لئے روٹیاں کماتے پھرتے ہیں -

ہمالیہ کا بھورا ریچھ ان تینوں میں بڑا ہوتا ہے - اونچے اونچے پہاڑوں میں برف کے آس پاس رہتا ہے- گھاس اور پودوں کی جڑیں اس کا عام کھاجا ہے - جب میوے کا موسم آ جاتا ہے تو پھل کھانے کو جنگلوں میں اتر آتا ہے - سیب، اخروٹ، اور اکثر میوے آبادی کے آس پاس سے بھی اڑا لے جاتا ہے - کیڑے بھی اسے بھاتے ہیں اور انہی کی تلاش میں پتھروں کو الٹا پلٹا کرتا ہے - جاڑے کی آمد میں

خوب سوتا تازہ ہو کر کسی کھو میں جا بیٹھتا ہے - جاڑے
بھر وہیں پڑا اونگھا کرتا ہے - کھانے پینے کی بھی کچھ
پروا نہیں کرتا۔ نکلتے جاڑے یہ بھی نکل آتا ہے
اور پھر کھانے پینے لگتا ہے -

ہمالیہ کا کالا ریچھ بھورے ریچھ کی نسبت بہت
چھوٹا ہوتا ہے - گرمی میں پہاڑوں پر اونچی اونچی
جگہ رہتا ہے، اور اکثر برف کے آس پاس پھرتا نظر آتا
ہے - مگر جاڑوں میں جوں جوں برف نیچے پڑنے لگتی
ہے، یہ بھی نیچے کی گھاٹیوں میں اترتا آتا ہے۔ مختلف قسم
کی جڑیں، اناج اور میوے کھا کر گزارا کرتا ہے -
میوہ توڑنے کو درختوں پر بھی چڑھ جاتا ہے - اسے شہد
بہت بھاتا ہے - پہاڑی لوگ جو شہد کی مکھیاں
پالتے ہیں اور مہالوں کی حفاظت کے لئے اپنی جھونپڑیوں
کی دیواروں میں گھر بنا دیتے ہیں یہ کبھی ان میں
سے شہد نکال لیتا ہے - بعض دفعہ بھیڑ، بکری، کو بھی
مار ڈالتا ہے، مگر اکثر گوشت نہیں کھاتا - اس کی
آنکھوں میں بینائی کم ہے - ہاں سونگھنے کی قوت
بہت تیز ہوتی ہے۔ ہوا کے رخ سے کوئی اس کی طرف
کو چلتا جاتا ہو تو چوکنا ہو جاتا ہے - اس پر حملہ
کرو تو اکثر بھاگ ہی نکلتا ہے، مگر رستہ نہ پائے
تو بڑی سختی سے مقابلہ کرتا ہے - اکثر آدمی کے سر پر

پنجه مارتا هے۔ کھوپڑی کی کھال بالوں سمیت اڑا لے جاتا هے اور چہرے کو ایسا بگاڑ دیتا هے که دیکھے سے ڈر لگتا هے۔

دوسری قسم کے کالے ریچھ ایسے مقاموں میں کثرت سے پائے جاتے هیں جہاں پہاڑیاں، پتھروں کی چٹانیں، اور غار بہت هوتے هیں۔ ایسے ریچھوں سے نقصان کا خضرد بہت هوتا هے۔ یه وندهیا چل پہاڑ میں بہت هوتے هیں ۔ اکثر لکڑهاروں پر آ پڑتے هیں، اور جب کوئی ان کا پیچھا کرتا هے تو ریچھنی اپنے بچے کو پیٹھ پر ڈالتی هے اور بچا لے جاتی هے۔ یه چیونٹیاں، دیمک چھوٹے چھوٹے کیڑے، شہد، کھجور اور میوے کھا کر گزارا کرتے هیں۔ کبھی پرندوں کے گھونسلے اجاڑتے هیں اور ان کے انڈے کھا جاتے هیں۔ ان میں سانس کھینچنے کی بڑی قوت هوتی هے۔ جہاں دیمک کے گھر هوتے هیں، یه هاتھوں کے پنجوں سے مٹی کریدتے هیں۔ پھونک سے اڑا دیتے هیں اور تھوتھنی کو سوراخ پر رکھ کر ایسا سانس کھینچتے هیں که دیمک کو بچوں سمیت دور سے چڑھا جاتے هیں۔

سفید ریچھ سب ریچھوں سے بڑا هوتا هے۔ بحر شمالی جو یہاں سے بہت دور هے اس کے کناروں پر شرف چھائی رهتی هے اور سمندر میں بھی پہاڑ یخ

کے پڑے رہتے ھیں۔ اکثر کوسوں تک پانی جمع رہتا ھے۔ وھاں ایسے ریچھ رہتے ھیں۔ ان کے تلووں پر موٹے موٹے بال ہوتے ھیں۔ اس سبب سے پھسلنی برف پر خوب دوڑ سکتے ھیں۔ پانی میں تیرتے بھی ھیں اور غوطہ بھی لگا جاتے ھیں۔ کبھی کبھی خرگوش کو پکڑ لیتے ھیں اور پرندوں کے ننھے ننھے بچے نکال کر کھا جاتے ھیں۔ مگر ان کی خوراک اکثر مچھلی یا دریائی بچھڑا ھے۔ یہ بھی ایک عجیب جانور ھے۔ اس کا حال بھی آگے آتا ھے۔

گلہری

یہ عجیب چلبلی اور چنچل ہے۔ ہندوستان میں کئی طرح کی ہوتی ہے۔ ہر قسم کا قد اور رنگ الگ الگ ہے۔ مگر خاکستری رنگ کی چھوٹی گلہری اکثر جگہ دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کی پیٹھ پر سیاہی مائل دھاریاں ہوتی ہیں۔ اس کی ترت پھرت دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔ وہ بڑی شوخ اور چالاک ہے۔ نہایت نڈر اور بے پروا۔ دیکھتی ہے کہ کتا گھات لگائے آتا ہے مگر انجان بن جاتی ہے۔ جب سر ہی پر آ پہنچتا ہے تو چلچلاتی بھاگتی ہے۔ ادھر ادھر کسی درخت پر لپک کر چڑھ جاتی ہے اور بے بس دشمن کی طرف مڑ کر دیکھتی جاتی ہے گویا کھجانے کو منہ چڑھاتی ہے۔

جب کسی درخت کی ٹہنی پر آکڑو بیٹھتی ہے اور ننھے ننھے پنجوں میں کوئی سخت میوہ لئے ہوتی ہے، تو دیکھو! لمبے لمبے تیز دانتوں سے اس کے سخت چھلکے کو کیونکر کترتی ہے۔ اس کے کترے ہوئے پھل یا کسی دانے کو اٹھاؤ، دیکھو، جن دانتوں سے کترا ہے کیسے ان کے نشان معلوم ہوتے ہیں۔ تمہیں خرگوش کا بیان یاد ہے؟ یہ بھی خرگوش، چوہے اور چھیا کی طرح کترنے والے جانوروں میں سے ہے۔

کیسی ہی سخت چیزیں ہوں مگر ایسی کم ہوں گی
جس میں اس کے چھینی سے تیز دانت بیٹھ نہ جائیں۔
تم ضرور کہو گے کہ جب گلہری اور کترنے
والے جانوروں کی طرح ہمیشہ دانت چلائے جاتی ہے اور
سب طرح کی سخت چیزوں کو کترتی رہتی ہے تو وہ
گھس کر کند کیوں نہیں ہو جاتے۔ بڑھئی اپنی چھینی کو،
موچی اپنی ستالی کو تیز کرتا ہے اور جو تیز دھار والا
اوزار ہے، گھستے گھستے کند ہو جاتا ہے۔ گلہری
تو اپنے دانتوں کو کبھی تیز بھی نہیں کرتی۔ ہاں
وہ نہیں کرتی۔ خدا نے اس کے دانت عجب حکمت سے
بنائے ہیں۔ ان کے باہر کا رخ بہت سخت ہے، اس لئے
کم گھستا ہے۔ اندر کی طرف نرم ہے۔ وہ جوں جوں
گھستی ہے، دانت سلامی ہوتے جاتے ہیں اور سامنے
کی طرف دھار تیز رہتی ہے۔ جب تم ہندوستانی قلم
بناتے ہو تو دیکھو، ایک پہلو سے چھیلتے جاتے ہو۔
دوسری طرف تیز اور پتلی ہوتی جاتی ہے۔ پھر تم کہو گے
کہ جب گھستے ہیں تو رفتہ رفتہ چھوٹے ہو جائیں گے۔
بے شک یہی ہوتا مگر کترنے والے جانور جب تک
جیتے ہیں، دانت بڑھتے رہتے ہیں۔ اور جانوروں کے دانت
جو نکلنے ہوتے ہیں ایک ہی دفعہ نکل چکتے ہیں۔
گلہری زیادہ تر درختوں ہی میں رہتی ہے۔

گھاس، اون، روئی، گودڑ وغیرہ سے گھونسلا بنالیتی ھے۔ اکثر درخت کے کھوکھ میں، کبھی چھجوں میں یا چھپر میں یا چھت کی کڑیوں میں گھر بناتی ھے۔ کلیاں، گریاں، میوہ کھا کر گزارا کرتی ھے۔ اکثر روٹی کے ٹکڑے، اناج کے دانے لینے کو گھروں میں بھی آ جاتی ھے۔ خوراک کی تلاش میں زمین پر اتر آتی ھے۔ اس وقت کبھی کبھی شکاری پرندے اسے جھپٹ کر لے جاتے ھیں۔ اس کے بچے، چھوٹے چھوٹے لڑکے پکڑ کر خوب ھلالیتے ھیں۔ دودھ پلاتے ھیں۔ پیڑے کھلاتے ھیں۔ سنہری روپہلی توئی اور بنت کے پٹے سی کر گلے میں ڈالتے ھیں۔ ریشمی، کلابتونی ڈوری اس میں باندھتے ھیں اور ھاتھوں پر نچاتے ھیں۔ اس لاڈلے کو نرالا کھیل اور نیا تماشا جانتے ھیں۔ یہاں کے مصور اس کی دم کے بالوں کی قلم بناتے ھیں۔ عجب عجب تصویریں کھینچتے ھیں۔ یہ لوگ اس کی دم کی بدولت کما کھاتے ھیں۔

چھچھوندر

ذرا سننا! یہ چل چل، چل چل، کیسی آواز آئی؟
الماری کے پیچھے ضرور کوئی جانور ہوگا۔ ذرا چھڑی سے
کھٹکھٹا دو کہ بھاگ جائے۔ دیکھو! وہ بھاگ جاتا ہے۔
اے ہے! کیا سڑی بو آئی ہے۔ یہ چھچھوندر ہے۔ بلی
کو نہ بلاؤ۔ وہ اس کا شکار نہیں کرے گی۔ چوہوں اور
چوہوں کو بلی مار لیتی ہے مگر اس کی بدبو سے اسے
بھی گھن آتی ہے۔ اسی بدبو کی بدولت یہ بچارا ڈرپوک
جانور بچا رہتا ہے۔ کبھی تم نے اسے غور سے دیکھا
ہوگا تو معلوم ہوا ہوگا کہ اس کی تھوتھنی نہیں۔ اس کے
سامنے کے دانت بھی کترنے والے جانوروں جیسے نہیں
ہوتے۔ اس کی ڈاڑھوں پر چھوٹے چھوٹے تیز خار ابھرے
ہوئے ہیں۔ یہ جانور جو کچھ کھاتے ہیں پیس کر
چباتے ہیں۔ اس لئے ان کو خدا نے چپٹی اور صاف
ڈاڑھیں دی ہیں۔ اس بات سے تم صاف کہہ دو گے کہ
چھچھوندر کترنے والے جانوروں کی طرح نہ تو سخت چیز
اگلے دانتوں سے کتر سکتی ہوگی، نہ ڈاڑھوں سے پیس
سکتی ہوگی۔ اور اس کی خوراک بھی اور ہی طرح
کی ہوگی۔ بے شک تمہارا یہ خیال درست ہوگا تمہیں

یاد ہے ؟ تیسری کتاب میں پڑھا تھا کہ چھچھوندر جنگلی چوہے کی طرح کرم خور جانور ہے - ہاں اس کے تیز اور نکیلے دانت چالاک کیڑوں کے شکار میں خوب کام آتے ہیں- کیونکہ جھٹ چبھ جاتے ہیں اور جب وہ کار پکڑتی ہے تو انہی سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے-

چھچھوندر کے پاؤں چھوٹے چھوٹے پتلے ہیں - یہ بھی سب کرم خور جانوروں کی طرح جیسے ریچھ چلتا ہے زمین پر پاؤں رکھ کے چلتی ہے - کتے، بلی، لگڑ بگڑ کی طرح پنجے ٹیک کر نہیں چلتی- اس کے دونوں پہلوؤں میں کھال کے نیچے غدود ہوتے ہیں - انہیں میں سے یہ بدبو نکلتی ہے - اس کی بو میں مشک کی سی بھننگ[1] آتی ہے، مگر سڑی ہوئی اور ناگوار ہوتی ہے - اس کی بو میں ایسی تاثیر ہے کہ جس چیز پر ایک دفعہ چھچھوندر پھر جائے جھٹ اس میں بس جاتی ہے - اگر کسی پانی کے باسن پر ہو گزرے تو پانی ایسا بو دار ہو جاتا ہے کہ پیا نہیں جاتا ، اور لطیف مزاج لوگ تو منھ سے بھی نہیں لگا سکتے - بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بوتل کا منھ کاک سے بند ہو اور چھچھوندر اس کے اوپر پھر جائے تو جو چیز بوتل کے اندر ہے وہ بھی بو دار ہو جاتی ہے - آٹا یا کوئی کھانے کی

۱- بھبک؟ (ادارہ)

چیز اس سے چھوئی جائے تو مدت تک اس میں بد بو رہتی ہے اور وہ کھانے کے قابل نہیں رہتی۔

اس کا رنگ مٹیالا سا ہوتا ہے، مگر بالوں کی نوکیں ذرا سرخی لئے، اور ان کی رنگت تیز روشنی میں اچھی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اس کا قد مختلف ہوتا ہے، مگر عام چھچھوندر دم سمیت دس انچ لمبی ہوتی ہے۔ چھچھوندر گرم ملکوں میں ہوتی ہے۔ سردی اسے بہت ستاتی ہے۔ تم نے خیال کیا ہوگا کہ سردی میں اس کی آواز کم سننے میں آتی ہے۔ جوں جوں گرمی آتی ہے یہ بھی گھروں میں زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ دن کو موریوں میں، بلوں میں، اندھیری کوٹھڑیوں میں، یا صندوقوں اور بوریوں کے نیچے اور جہاں پناہ پاتی ہے، چھپ رہتی ہے۔ رات کو شکار کے لئے باہر نکلتی ہے۔ یہ ایک طرح سے مفید بھی ہے کیونکہ جھینگر، گبریلے، مچھر، اور کیڑوں کو شکار کرتی ہے۔

کنگرو

یہ نرالی قسم کا جانور ہے - ہندوستان میں ایسا کوئی جانور نہیں نظر آتا - ہرن کا سا پیارا پیارا چہرہ، گاؤ دم شکل، چھوٹے چھوٹے ہاتھ، لمبے لمبے مضبوط پاؤں اور ٹانگیں چوڑی اور بڑی، لمبی دم - جب دم اور پاؤں کے بل سیدھا کھڑا ھوتا ہے تو ننھے ننھے ھاتھ چھاتی پر لٹکتے کیسے عجیب معلوم ہوتے ھیں - اس کے ھاتھ پیر کی قطع دیکھ کر تم کہتے ہوگے کہ اس کے ھاتھ دوڑنے میں کام کے نہیں - حقیقت میں جب وہ چاروں پاؤں سے چلتا ہے تو لٹکتا پٹکتا بے ڈھنگا معلوم ھوتا ہے، لیکن جب دشمن پیچھا کرتا ہے تو عجیب طرح کی بڑی بڑی قلاچیں برابر مارتا چلا جاتا ہے - یہ بات پچھلے پاؤں اور دم ھی کی بدولت ھوتی ہے - ایک ایک قلاچ اکثر بیس بیس فٹ سے کم نہیں، اور اٹھارہ میل سے ادھر دم نہیں لیتا - اس دوڑ پر خیال کرو تو کم ھی دشمن ھوں گے جو اسے پکڑ سکتے ھیں- پھر بھی کنگرو مار کتے مشہور ھیں - انہیں اسی کے شکار کے لئے سدھاتے ھیں اور وہ بے تکان اس کے پیچھے بھاگے جاتے ھیں - جب ایسی جگہ جا گھرتا ہے کہ

کسی طرف نہیں نکل سکتا تو ناچار مقابلہ کرتا ہے
مگر ان کے بس میں آ جاتا ہے -
اس کے شکار میں جو چالاکی اور بہادری، اس سے
اور اس کے شکاریوں سے ظاہر ہوتی ہے وہ دیکھنے کے
قابل ہے - جب بہت تنگ ہوتا ہے تو پانی میں کود
پڑتا ہے۔ اس موقع پر خوب سدھے ہوئے کتے چاہئیں
کیونکہ وہ پانی میں جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ان کا
منتظر رہتا ہے - جب کوئی کتا تیرتا ہوا اس کے
پاس پہنچتا ہے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر اس پر گرتا ہے
اور پانی کے اندر اتنی دیر تک دبائے رکھتا ہے کہ
کتا گھٹ کر مر جاتا ہے - اس کا نر بڑا بہادر ہوتا ہے -
اگر پانی میں نہ پہنچ سکے تو کسی درخت کے ساتھ
پیٹھ لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے - اس وقت بھی بڑی
مشکل سے کتوں کے قابو میں آتا ہے۔ ہاتھوں سے پکڑتا
ہے اور مضبوط پاؤں سے انہیں لتیاتا ہے۔ یہاں تک کہ
کبھی ایک ہی وار میں کتے کو فنا کر دیتا ہے مگر
مادہ بڑی بزدل ہوتی ہے۔ وہ بچاری تو بعض دفعہ
ڈر ہی کے مارے مر جاتی ہے -
کنگرو مختلف قد کے ہوتے ہیں - بڑے قد والے
بڑی بکری کے قریب ہیں - سیدھے کھڑے
ہوتے ہیں تو آدمی کے قد کے برابر نظر آتے ہیں -

کنگرو کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ کھال پر
چوہے کے رنگ کی نرم نرم پشم ہوتی ہے۔ اسے کما کر
چمڑا بنائیں تو بہت ملائم نری بن سکتی ہے۔ اس
جانور میں ایک خاص بات یہ ہے کہ دم جو بڑی
مضبوط ہے پاؤں کا کام دیتی ہے۔ ٹانگیں اور پاؤں بھی
اس قدر لمبے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ دیکھ کر بڑا
تعجب آتا ہے مگر ان سب سے زیادہ ایک عجیب چیز
ہے۔ وہ کیا؟ ایک تھیلی ہے کہ مادہ کو بچے پالنے
کے واسطے خدا نے دی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کا بچہ
جب پیدا ہوتا ہے تو دو انچ لمبا ہوتا ہے اور ایسا
مریل کہ اور بچوں کی طرح رکھیں تو ہرگز نہ بچے۔
اس لئے ماں کے پیٹ پر ایک چمڑے کی تھیلی لگی
ہوتی ہے۔ بچوں کو پیدا ہوتے ہی اس میں رکھ لیتی
ہے۔ کئی ہفتے تک اسی میں رہتے ہیں۔ جب ذرا بڑے
ہوتے ہیں اور سکت آ جاتی ہے تو پھر چلنے لگتے ہیں۔ اس
پر بھی مدت تک یہ حال رہتا ہے کہ ذرا کچھ ڈر
معلوم ہوا اور جھٹ تھیلی میں جا چھپے۔ جب ماں
بچوں کو تھیلی میں لئے جاتی ہے تو ایک تماشا معلوم
ہوتا ہے۔ اس عجیب جانور کو تھیلی دار جانوروں
میں شامل کرتے ہیں - یہ صرف آسٹریلیا میں ملتا ہے۔

سیل یا دریائی بچھڑا

اس کی تصویر دیکھ کر تم بے اختیار بول اٹھو گے
کہ ھیں ! یہ کیسا جانور ہے؟ دھڑ مچھلی کا سا، سر کتے
کا سا، یہ کیا شے ھے ؟ مچھلی ھے یا کوئی خشکی
کا جانور ھے ؟ بے شک اس کی صورت دیکھ کر پہچاننا
بہت مشکل ھے کہ حقیقت میں یہ کیسا جانور ھے۔
جب غور کرکے دیکھیں تب معلوم ھوتا ھے کہ وہ
دودھ پلانے والا جانور ھے۔ یعنی اس کا لہو گرم ھے۔
پھیپھڑے سے سانس لیتا ھے۔ بچے دیتا ھے اور انہیں
دودھ پلاتا ھے۔ فقط صورت ھی مچھلی کی دیکھ لو،
اس سے کچھ مناسبت نہیں۔ کیونکہ مچھلی گلپھڑے
سے دم لیتی ھے، انڈے دیتی ھے اور اس کا لہو بھی
ٹھنڈا ھوتا ھے۔

تم دیکھتے ھو کہ اس کے چار پر ھیں۔ دو
سینے پر اور دو پیچھے دم کے پاس۔ یہ پر حقیقت میں
ھاتھ اور پاؤں ھیں۔ اگلے پروں میں پانچوں انگلیاں جھلی
سے جڑی ھوئی صاف نظر آتی ھیں بلکہ پورا ھاتھ موجود
ھے۔ سینے کی چربی وھاں تک چھائی ھوئی ھے۔ اور اسی کی
کھال میں کہنی اور کندھے کے جوڑ چھپے ھوئے ھیں۔

اس کے پچھلے دو پروں کا رخ پیچھے کی طرف بدن کی سیدھ میں اس طرح ہوتا ہے کہ گویا بدن کے ٹکڑے نظر آتے ہیں - رانیں اور ٹانگیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور پاؤں اگلے پنجے ہی کی صورت کے ہوتے ہیں - اسی طرح انگلیوں پر جھلی چھائی ہوتی ہے -

یہ کبھی خشکی میں رہتا ہے کبھی پانی میں - مگر زمین پر عجب بے ڈھنگے طور سے گھسٹتا ہوا چلتا ہے اور اس کے چوڑے چوڑے جھلی دار پنجے بے فائدہ معلوم ہوتے ہیں - مگر پانی میں پھیل کر چار مضبوط چپوؤں کا کام دیتے ہیں - ان کی بدولت نہایت تیزی اور آسانی سے تیرتا ہے - جس قسم کے سیل اکثر پائے جاتے ہیں وہ پانچ فٹ تک لمبے اور ڈھائی من کے قریب وزن میں ہوتے ہیں- لیکن بعض قسمیں بہت بڑی ہوتی ہیں- اس جانور کے جسم پر چکنا چکنا زردی مائل آبدار سمور ہوتا ہے، اس پر بھورے بھورے دھبے- وہ جسم سے ایسا ملا ہوا ہوتا ہے کہ تیرائی میں خلل انداز نہیں - یہ اکثر پانی سے باہر نہیں آتا- یا تو بچے دینے آتا ہے یا انہیں دودھ پلانے یا گرم سلوں پر دھوپ میں سکنے کو، گویا پانی ہی میں رہنے کے لئے پیدا ہوا ہے- بڑی دیر تک غوطہ لگا سکتا ہے- بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں ہوتی ہیں مگر کانوں کی جگہ فقط

دوُ چھوٹے چھوٹے چھید نظر آتے ھیں کہ جب چاھتا
ھے بند کرلیتا ھے۔ غوطہ مارنے لگتا ھے تو نتھنوں
پر ذرا ذرا سا گوشت اس طرح آ جاتا ھے گویا ڈاٹ لگادی۔
ھڈیوں کے اندر مہین مہین سوراخ ھوتے ھیں۔ اسی
واسطے ھلکی ھوتی ھیں اور جسم پانی میں بوجھ
کم دیتا ھے۔

یہ اکثر مچھلیاں کھا کر گزارا کرتا ھے۔
تیرائی میں تیز اور بدن میں پھرتیلا ھے۔ اس لئے
مچھلیوں کا بڑا عمدہ شکاری ھے۔ یہ جانور ایک جھول
میں اکثر دو بچے دیتا ھے اور وہ بھی بہت جلد پانی
میں رھنے سہنے لگتے ھیں۔ خطرے کا موقع آتا ھے
تو ماں انہیں دشمنوں سے بچانے کے لئے خونخوار
ھو جاتی ھے۔

سیل سمندر میں اور بڑے بڑے بحیروں میں ھوتے
ھیں۔ مگر جو ڈیل ڈول میں بہت بڑے ھیں وہ فقط
سرد جگہ میں رھتے ھیں۔ اور جہاں سردی کے مارے
ھمیشہ برف پڑی رھتی ھے اور پانی جما رھتا ھے،
وھاں بہت ھوتے ھیں۔ ان کے چمڑے کے نیچے موٹی
چربی ھوتی ھے۔ اسی کی بدولت ایسے برفانی پانی میں
رہ سکتے ھیں۔ یہ چربی اس طرح سردی سے بچاتی ھے
جیسے ایک کوٹ پہن لیا۔ سمندر کے ایسے ایسے اجڈ

کناروں پر جو لوگ رہتے ہیں۔ ان کے لئے یہ جانور ایک نعمت کا ذخیرہ ہے۔ گوشت اور چربی کھاتے ہیں۔ چمڑے کے خیمے، کشتیاں اور کپڑے وغیرہ بناتے ہیں۔ پٹھوں سے سینے کے تاگے، کمان کے چلے اور مچھلیوں کے جالوں کے لئے ڈوریاں بنا رکھتے ہیں۔ بڑی بڑی ھڈیوں سے چمڑے کی کم زور کشتیوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ چھوٹی ھڈیوں سے کیلوں اور سوؤں کا کام لیتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ ان شمالی کناروں میں رہتے ہیں ان کے لئے اس کا شکار بڑا فائدہ مند پیشہ ہے۔

یہ لوگ بڑی محنت سے اس شکار کا پیچھا کرتے ہیں۔ گھنٹوں تک اپنی کشتیوں پر تاک لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ کب نکلے۔ جہاں نظر آیا اور جھٹ برچھی ماری۔ بعض دفعہ وہ سوتا ہوتا ہے یا دھوپ میں پڑا ہوا سکتا ہے، یہ چپکے چپکے پہنچتے ہیں اور جھٹ جا دباتے ہیں۔ کبھی اس کی کھال پہن کر اسی کا بھیس بھر لیا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح گرتے پڑتے بے ڈھنگی چال سے چلتے ہیں۔ اس حکمت سے چپکے چپکے پاس جا پہنچتے ہیں اور ایک ہی کوچے میں بچارے کا کام تمام کر دیتے ہیں۔

سیل سمجھ والے جانوروں میں مشہور ہے۔ گھنٹے اور باجے کی آواز اسے بہت پسند ہے۔ پالیں، تو آسانی

سے هل سکتا ہے۔ کتے کی طرح اپنا نام پہچانتا ہے۔
چاهتا ہے کہ لوگ مجھے پیار کریں اور میری طرف خیال
کریں بلکہ کتے کے سوا کوئی جانور نہیں جو اپنے
آقا کے ساتھ اس سے زیادہ محبت دکھاتا ہو۔ اسے بہت
آسانی سے سدھا سکتے ہیں۔ ایک سیل کا ذکر سنا ہے
کہ کسی شخص نے اسے پال کر بہت سی بازیاں
سکھائی تھیں ۔ اشارہ کرتے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا ۔
سنتری کی طرح دونوں هاتھوں میں سونٹا لئے رهتا تھا ۔
جس طرح اشارہ کرتے دائیں یا بائیں پہلو پر لیٹ جاتا تھا ۔
قلا بازیاں کھاتا تھا ۔ هلے ہوئے کتے کی طرح هاتھ
ملانے کو آگے بڑھا دیتا تھا ۔ بوسے کے لئے هونٹ آگے
نکال دیتا تھا ۔ ایک اور سیل کو اپنے آقا سے ایسی محبت
ہوگئی تھی کہ دور لے جا کر سمندر میں چھوڑ آتے تھے
اور وہ همیشہ گھر پر آ موجود ہوتا تھا ۔ آخر ایک
دفعہ اتنی دور لے جا کر چھوڑا کہ پہلے کبھی نہ لے
گئے تھے۔ کئی دن کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ بچارا
بھوکا، تھکن کا مارا، اپنے آقا کے دروازے پر مرا پڑا ہے ۔

پرندوں کا بیان

اُلو

سورج ڈوب گیا، روشنی کم ہوئی جاتی ہے، سیاہی پھیلتی آتی ہے۔ وہ سامنے پرانی سی قبر ٹوٹی پڑی ہے۔ دیکھنا! ایک بڑا سا پرندہ اس میں سے نکلا ہے۔ کیسے چپکے چپکے چاروں طرف منڈلاتا پھرتا ہے۔ اے لو اب اس گھن دار درخت کی ٹہنی پر جا بیٹھا۔ چیخ چیخ کر بول رہا ہے۔ تم جانتے ہو یہ کیا جانور ہے؟ ذرا اجالا ہوتا اور اس کی صورت دیکھتے تو جھٹ پہچان لیتے۔ بڑا سا سر، طباق سا چہرا۔ پروں کی دو عجیب تھالیاں۔ ان میں دو بڑی بڑی پتھرائی ہوئی آنکھیں، سامنے کی طرف ٹکٹکی بندھی ہوئی۔ چھوٹی سی مڑی ہوئی چونچ، آس پاس کے کھڑے کھڑے بالوں میں سے نکلی ہوئی۔ نرم نرم پر، ان میں طرح طرح کے مدھم رنگ خوب صورتی کے ساتھ ملے جلے۔ یہ نشانیاں تم دیکھتے تو فوراً بول اٹھتے کہ وہ الو ہے۔

اس کی تیز اور مڑی ہوئی چونچ اور مضبوط ٹیڑھے

ناخنوں کو جو دیکھے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ
شکاری جانور ہے۔ جیسا کہ تم گدھ کے بیان میں پڑھ
چکے ہو، اس کی ٹانگیں چھوٹی اور مضبوط ہیں ۔ ان پر
اکثر پنجوں تک پر ہوتے ہیں۔ اس کی سننے کی قوت
بہت تیز ہے۔ یہ ان پرندوں میں سے ہے جو رات کو
نکلتے ہیں۔ آنکھیں خدا نے ایسی بنائی ہیں کہ دن کے
تیز اجالے کی نسبت دھندلکے میں اچھی طرح دیکھتا
ہے۔ دیکھو اس کا سبب ہم تمہیں سمجھائیں۔

روشنی کی کرنیں آنکھ کی پتلی میں جاتی ہیں۔
اسی سے ہمیں سب چیزیں نظر آتی ہیں اور خوب صاف
اس وقت دکھائی دیتی ہیں کہ پتلی میں نہ بہت کم
روشنی جائے نہ بہت زیادہ۔ اگر پتلی ہمیشہ ایک
ہی حالت میں رہتی، نہ پھیلتی، نہ سمٹتی تو اکثر ایسا ہی
ہوتا کہ جتنی روشنی آنکھ کے لئے درکار ہے یا اس
سے زیادہ پہنچتی یا کم۔ لیکن پتلی ایسی بنی ہوئی ہے
کہ جب روشنی کم ہوتی ہے تو پھیل جاتی ہے تاکہ
اس میں پہلے کی نسبت زیادہ روشنی جاسکے۔ اور جب
روشنی تیز ہوتی ہے تو سمٹ جاتی ہے کہ اندازے
سے زیادہ روشنی نہ جاسکے۔ اگر تم ایسے کمرے میں
بیٹھے ہوئے ہو جہاں تھوڑی روشنی ہے اور یکایک تیز
دھوپ میں چلے جاؤ تو پہلے پہلے چکا چوندی آجائے گی

اس لئے کہ پتلی میں زیادہ روشنی چلی گئی ہے۔ لیکن پھر جلدی سے پتلی سمٹ جاتی ہے اور صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ جب پھر اندھیرے کمرے میں چلے جاؤ تو پہلے پہلے اچھی طرح نہیں دکھائی دیتا۔ اس لئے کہ پتلی میں روشنی تھوڑی پہنچتی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر میں پتلی پھیل جاتی ہے، پھر ہر چیز صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔ الو کی پتلی بہت ہی بڑی ہے اور ایسی پھیل سکتی ہے کہ جہاں بہت ہی کم روشنی ہو اور تم کو بالکل نہ دکھائی دے وہاں دیکھ سکتا ہے۔ لیکن تیز روشنی میں آئے تو بالکل گھبرا جاتا ہے۔ بے شک اس کی پتلی بھی کچھ سمٹ جاتی ہے لیکن پھر بھی بڑی ہی رہتی ہے، اور اس میں اس قدر روشنی جاتی ہے کہ صاف نہیں دکھائی دیتا۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ الو کو گھپ اندھیری رات میں اور سب وقتوں سے اچھا دکھائی دیتا ہے، یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جب روشنی نہ بہت تیز ہوتی ہے نہ بہت کم، اسے اور وقتوں سے اچھا نظر آتا ہے۔ مثلاً شام کو دونوں وقت ملتے یا صبح کو پو پھٹے، اور یہی وقت اس کے شکار کے ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پرندے بیٹھے اونگھتے ہیں۔ یہ آتا ہے اور جھٹ مار لیتا

ہے۔ موٹی موٹی چھیاں اپنے بلوں سے نکلتی ہیں
اور سمجھتی ہیں کہ اب ہمیں کون دیکھتا ہوگا۔
یہ ظالم اچانک آ گرتا ہے اور جھپٹا مار کر لے جاتا ہے۔
جب الو کسی چھیا کو نگلنے لگتا ہے تو
پہلے اسے پیٹھ پر سے پکڑ کر ایک دو دفعہ بڑے زور
سے کاٹتا ہے اور اچھال دیتا ہے۔ جب وہ سر کے بل نیچے
آتی ہے تو پھر لپک لیتا ہے۔ چونچ میں پکڑ کر ایسا
جھٹکا دیتا ہے کہ آدھی چھیا حلق میں اتر جاتی ہے
اور دم باہر لٹکتی رہتی ہے۔ دوسرے جھٹکے میں
ساری چھیا پوٹے میں اتار جاتا ہے اور مگن ہوکر
بیٹھ رہتا ہے۔ گوشت تو پچ جاتا ہے، ھڈیاں اور بال
وغیرہ نہیں پچتے۔ ان کی گولیاں بنکر منھ کے رستے
نکل جاتی ہیں۔ چنانچہ گھونسلے کے آس پاس بہت
پڑی رہتی ہیں۔

سفید سفید کھردرے انڈے مادہ کبھی کسی
کھنڈر کے سوراخ میں دیتی ہے، کبھی کسی سوکھے
درخت کے کھوکھ میں۔ بچوں پر سفیدی مائل روئیں
ہوتے ہیں۔ گھونسلے میں گول مول دھرے رہتے ہیں،
جیسے چھوٹی چھوٹی گیندیں۔ ایسی معقول اور ثقہ صورت
بنائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔
وہ برس میں ایسے ایسے کئی جھول نکال لیتی ہے۔

الو کی آواز عجیب طرح کی ہوتی ہے۔ بعض ڈراؤنی چیخ مارتے ہیں کہ دل کو بری معلوم ہوتی ہے۔ اسی سبب سے جاہل لوگ اکثر اسے منحوس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس گھر پر الو بولتا ہے وہ اجاڑ ہو جاتا ہے۔ اگلے زمانے میں بعض لوگ اس کی آنکھوں کی سنجیدگی دیکھ کر اسے دانش مند پرندہ کہتے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو اس کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی ہے۔

ایسے ملک بہت کم ہیں جہاں یہ نہ ہو۔ ہندوستان میں اس کی بہت قسمیں ہیں۔ ان کے پروں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں مگر زیادہ فرق قد میں ہے۔ بعض سر سے دم تک دو فٹ ہوتے ہیں، بعض صرف ساڑھے چھ انچ۔ اس قسم کا چھوٹا سا خوب صورت چغد کوہ ہمالیہ میں بہت ہوتا ہے اور اکثر گبریلے وغیرہ چھوٹے چھوٹے کیڑے کھا کر گزارا کرتا ہے۔ اس کی نرم نرم سیٹی کی سی آواز اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بعض قسم کے الو مچھلیاں کھاتے ہیں۔ ان کی ٹانگوں پر پر نہیں ہوتے کہ مچھلیاں پکڑنے میں بھیگ نہ جائیں۔ کئی قسم کے الوؤں کی آنکھوں کے اوپر گپھے دار کلگیاں نکلی ہوتی ہیں کہ دونوں طرف دو سینگ سے معلوم ہوتے ہیں۔

جھانپل یا کال کلچی

یہ چھوٹا سا جانور ہے مگر بڑا لڑاک۔ دیکھنے میں تو کچھ بساط نہیں مگر دل اتنا رکھتا ہے کہ کووں شکروں اور چیلوں پر بھی حملہ کرنے سے نہیں ڈرتا۔ سر سے دم تک ایک فٹ کے قریب، جھمکتے جھمکتے سیاہ بھرا پر، گلے پر ایک چھوٹا سا سفید داغ، لمبی دم، سرے پر سے چرواں جیسے قینچی کا کھلا ہوا منھ۔ چھوٹے چھوٹے تیز پنجے۔ چونچ صاف کہے دیتی ہے کہ یہ جانور دندانہ منقار پرندوں میں سے ہے۔

یہ چھوٹا سا پرندہ، سارے ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ ہاں جہاں گھنے بن ہوں وہاں نہیں ہوتا۔ اس کی عادت ہے کہ درخت کی کسی لنڈ منڈ ٹہنی پر یا کسی مکان یا دیوار پر بیٹھتا ہے جہاں سے چاروں طرف کا تماشا دیکھے، اور اپنے شکار پر نظر رکھے۔ گائے، بھینسیں، بھیڑ، بکریاں جو چرتی پھرتی ہیں، یہ اکثر ان کی پیٹھ پر بھی بیٹھ جاتا ہے اور اپنی سواری پر سیر کرتا پھرتا ہے۔

یہ جانور ٹڈے اور جھینگر بہت کھاتا ہے۔ اکثر انہیں زمین پر سے پکڑتا ہے اور جب شکار مار لیتا

ہے تو کھانے کو پھر اپنی ٹہنی پر آ بیٹھتا ہے۔ شام کے قریب جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو کسی درخت کی پھننگ پر بیٹھ جاتا ہے۔ بھنگے، پروانے وغیرہ جو اس وقت اڑتے پھرتے ہیں ان کو جھپٹا مار کر پکڑ لیتا ہے۔

یہ جانور خوب صورت اور بڑا پھرتیلا ہے۔ برابر بولے جاتا ہے۔ اس کی آواز گو کڑی ہوتی ہے مگر اس سے بشاشت پائی جاتی ہے۔ جو پرندے نور کے تڑکے صبح کی خوشیاں مناتے ہیں ان میں یہ بھی شامل ہے۔ رات کو جب اور پرندے سویا کرتے ہیں یہ کبھی کبھی کھلی ہوئی چاندنی میں کسی ہمسائے سے بات چیت بھی کیا کرتا ہے۔ جب یہ جانور انڈے بچوں پر ہوتا ہے تو بہت چست و چالاک ہو جاتا ہے۔ جس درخت پر گھونسلا ہوتا ہے، کوئی چیل یا کوا اس کے پاس بھی آجاتا ہے، تو یہ چھوٹا سا سورما بڑی تیزی اور بہادری کے ساتھ اس کی طرف جھپٹتا ہے اور بھگا کر دور تک پہنچا آتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے پرندے اکثر اس کے پاس گھونسلا بناتے ہیں کہ وہ بھی اس کی مدد سے دشمنوں سے بچے رہیں۔ انہی باتوں سے ہندوستان میں کہیں کہیں اس کا نام کوتوال بھی مشہور ہوگیا ہے۔

یہ پرندہ بوڈا سا گھونسلا درخت کی گھائی میں بناتا ہے۔ کئی چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں کچھ سوکھی جڑیں

لے کر انہیں یونہی جوڑ جاڑ لیتا ہے۔ وہ اس کی چار دیواری کچھ ایسی بناتا ہے، نہ اسے پروں یا بالوں سے سجاتا ہے[1]۔ اسی کھردری جگہ میں تین چار انڈے مادہ دیتی ہے جو رنگت میں سفید سرخی مائل ہوتے ہیں اور ان پر اودے اور بھورے دھبے پائے جاتے ہیں۔

بعض کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور بڑا سمجھ والا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک جھانپل کسی درخت کی پھننگ پر بیٹھی تھی۔ سامنے دیکھا کہ ایک اور جھانپل بڑی موٹی سی ٹڈی کے پیچھے اڑی جاتی ہے۔ یہ تر نوالہ دیکھ کر اس کے منھ میں پانی بھر آیا اور اس شکار کے پیچھے لپکی، ایک دو جھپٹے مارے مگر حریف کے سبب سے رک گئی۔ پھر کچھ سوچی اور ایک ایسی چیخ ماری جس سے معلوم ہو کہ دشمن آن پہنچا۔ اس آواز سے پہلی جھانپل چونک پڑی اور اپنا شکار چھوڑ کر بھاگی۔ پھر تو وہ ٹڈی ان کا مال تھا، جھٹ شکار کرلیا۔

۱۔ یہاں عبارت گنجلک ہے۔ شاید سہو کتابت ہو۔ چوتھی کتاب کا متن بارھویں اشاعت کے نسخے مطبوعہ ۱۸۸۶ء پر مبنی ہے۔ (حصہ اول کے صفحہ ۲۸ پر جو تفصیل درج ہے، ناظرین اس کی تصحیح فرمالیں۔) ادارہ

نیل کنٹھ

ذرا سننا! نیل کنٹھ بول رہا ھے۔ کیا بری اور کڑی آواز ھے۔ دیکھو، وہ درخت کی شاخ پر بیٹھا ھے۔ درخت میں اتنے پتے نہیں ھیں کہ اس کی نظر کو روکیں۔ چاروں طرف دیکھ رہا ھے کہ کوئی کیڑا زمین پر بے خبر چلتا دکھائی دے یا، کوئی تیتری بھنبیری گرم ھوا میں لہراتی نظر آئے، تو جھٹ شکار کر لائے۔

اس کے جسم پر سر اور گردن کیا بڑے بڑے معلوم ھوتے ھیں۔ اسے عادت ھے کہ جب بیٹھتا ھے تو ان مقاموں کے پروں کو پھلا لیتا ھے۔ دیکھو، اس نے زمین پر کوئی کیڑا تاکا۔ کیا چپ چاپ اپنی جگہ سے اڑا ھے، کیا دبک کر لپکا ھے۔ دیکھنا، دیکھنا! بازو جو پھیلے ھیں تو رنگتوں نے کیا بہار دکھائی ھے۔ اس طرح برابر سے نکل جاتا ھے جیسے روشنی کی چمک۔ دیکھو ایک موٹا سا ٹڈا منہ میں لے کر پھر اپنی جگہ آگیا۔ کیا خاطر جمع سے بیٹھا ھے اور اپنا تر نوالہ مزے لے لے کر کھا رہا ھے۔ کھاتا ھے اور چہچہاتا ھے۔ کیوں نہ چہچہائے، شکار مار کر لایا ھے۔

تمہیں ابابیل کا بیان یاد ھے؟ نیل کنٹھ بھی

ویسا ھی کشادہ دھن پرندہ ھے۔ جب چونچ کھول کر
منھ پھیلاتا ھے تو صاف معلوم ھو جاتا ھے کہ یہ بھی
انہی میں سے ھے۔ کشادہ دھن جانور اکثر اچھی طرح
چل نہیں سکتے، اڑتے خوب ھیں - نیل کنٹھ کا بھی یہی
حال ھے - اس کے لمبے نوک دار بازو، سخت دم،
کم زور ٹانگوں پر خیال کروگے تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ
بھی ویسا ھی ھے - یہ اکثر کیڑے کھاتا ھے، ھوا
میں سے اڑتے ھوئے کو لپک لیتا ھے یا زمین پر سے
جھپٹا مار کر لے جاتا ھے - ٹڈے اور جھینگر کو یہ
بڑے شوق سے کھاتا ھے - گبریلے بھی کھا لیتا ھے
اور کبھی کبھی کھیتوں کے ننھے ننھے چوھوں کو بھی
لقمہ کر جاتا ھے - اڑتا ھوا آتا ھے اور جھپٹ کر لے جاتا
ھے۔ نیل کنٹھ کے گھونسلے اکثر کسی سوکھے ھوئے
درخت کے کھوکھ یا کسی پرانی دیوار میں ھوتے ھیں -
وھاں مادہ تین یا چار صاف سفید اور چمکتے ھوئے انڈے
دیا کرتی ھے -

بہت لوگ نیل کنٹھ پر ترمتی[۱] چھوڑا کرتے ھیں-
وہ اِس کے شکار میں بڑا استقلال دکھاتی ھے مگر نیل کنٹھ
اکثر ایسی چالاکیاں کرتا ھے کہ بچ ھی جاتا ھے-
کبھی تو ترچھا نکل جاتا ھے کبھی سیدھا نیچے کو ڈوب

۱- ایک قسم کا شکاری پرند - (مرتب)

جاتا ہے اور برابر چلاتا رہتا ہے۔ ہزاروں حکمتیں کرتا ہے۔ بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی درخت قریب آجائے یا جھاڑیوں کا جھنڈ مل جائے تو اس میں جا چھپے۔

بعض دفعہ نیل کنٹھ کو چوگڈی میں پکڑتے ہیں۔ بانس یا بیت کی دو پتلی پتلی تیلیوں کو بیچ میں سے باندھ لیتے ہیں اور خم دے کر چاروں سرے زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور تیلیوں پر لاسا مل دیتے ہیں۔ جب وہ اپنا شکار دیکھ کر جھپٹا مارتا ہے تو تیلیوں کا لیس اس کے بازوں میں چمٹ جاتا ہے۔ آخر وہ پھنس جاتا ہے۔

ہندوستان میں نیل کنٹھ بہت ہوتا ہے۔ ہندو، سیکڑوں برس سے اس کو شو جی کا مقدس جانور سمجھتے چلے آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شو جی نے ایک دفعہ اس کا اوتار دھارا تھا یعنی اس کی شکل اختیار کی تھی۔ بنگالے کے ہندو اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ کلکتے میں درگا پوجا سے پہلے امیر اور مہاجن لوگ مول لے رکھتے ہیں۔ جب درگا دیوی کی مورت کو دریا میں ڈالتے ہیں، اس وقت اسے اڑا دیا کرتے ہیں۔ بہت سے ہندو موقع کے مطابق اس سے اچھا برا شگون بھی لیتے ہیں۔ سفر کو جاتے وقت کسی کے رستے کو نیل کنٹھ کاٹ جائے تو منحوس سمجھتے ہیں۔ لیکن

دسہرے کے دن اس کا دیکھنا بہت مبارک جانتے ہیں۔ ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں اور جب تک نظر نہیں آتا، کھانا نہیں کھاتے۔ اس ملک کے بعض شہروں میں گوالوں کا عجیب خیال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نیل کنٹھ کے پر کٹی کرکے چارے میں ملائیں اور گایوں کو کھلائیں تو دودھ بہت ہوتا ہے۔ اگلے زمانے میں انگلستان کے لوگ بھی جنتر منتر اور اچھے برے شگونوں کو مانتے تھے۔ جب علم پھیلا تو ایسے خیالات جاتے رہے۔ اب شاذ و نادر ہی کوئی ان کو مانتا ہو۔

بیا

تم نے بئے کا گھونسلا دیکھا ہے ؟ دستکاری دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے اور جب ہم اس ننھے سے معمار پر خیال کرتے ہیں، تو اس کی محنت کشی، ہنر اور کاری گری پر بڑا تعجب آتا ہے۔ پہلے ہم اس پرندے کا حال بیان کرتے ہیں، پھر اس کی کاری گری دکھائیں گے۔

بیا ہندوستان میں ہر جگہ ملتا ہے۔ یہ ظاہر میں ایک سادہ وضع چھوٹا سا جانور ہے۔ اس کے اوپر کے پروں کی خاکی رنگت ہوتی ہے، کنارے ذرا زردی مائل۔ نر جب جوان ہوتا ہے تو گرمی اور برسات میں تمام سینہ اور اوپر کی طرف سر بھی شوخ زرد ہو جاتا ہے۔ سر سے دم تک چھ انچ کے قریب ہوتا ہے۔ اس جسم پر پنجے ذرا بڑے ہیں۔ انگلیاں لمبی اور ناخن تیز ہیں۔ اس کی چونچ کہے دیتی ہے کہ وہ گاؤ دم چونچ والے پرندوں میں ہے۔ بئے چھوٹے چھوٹے جھلڑوں میں اکٹھے رہا کرتے ہیں اور ایک ہی جگہ بسیرا لیتے ہیں۔ یہ سب طرح کا اناج کھا لیتے ہیں۔ چاول اور طرح طرح کی گھاس کے بیج مزے سے کھاتے ہیں اور

چگنے میں جھلڑ کا جھلڑ چگتا رہتا ہے۔

اس کا خوش نما گھونسلا بڑا مضبوط بنا ہوا ہوتا ہے۔ نہ اس میں مینہ کا اثر ہے، نہ ہوا کا ڈر۔ وہ اکثر ناریل یا کھجور یا تاڑ کے بلند درختوں پر پتوں سے لٹکا ہوا دکھائی دیتا ہے یا ببول یا سرس کی خشک ٹہنیوں میں۔ ہری گھاس سے یا کیلے یا کھجور یا ناریل کے پتوں کے ریشوں سے اپنا گھونسلا بناتا ہے۔ لیکن کیلے یا کھجور وغیرہ کے پتوں سے جو گھونسلا بناتا ہے، وہ اکثر گھاس کے گھونسلے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ گویا یہ ننھا سا سیانا معمار بھی جانتا ہے کہ مصالح مضبوط ہے۔ گھر کی دیواروں کو بڑے آثار کی ضرورت نہیں۔ بیا اور بئی گھونسلے کے بنانے میں شریک ہوتے ہیں۔ پہلے اوپر کے رخ سے کام شروع کرتے ہیں اور پتوں کے ریشوں یا گھاس کی ایک ٹوکری سی بن لیتے ہیں۔ جب اوپر کا حصہ بنا چکتے ہیں تو اس میں ایک اڈا بناتے ہیں۔ بئی اس پر بیٹھ جاتی ہے۔ نر گھاس یا اور مصالح لاتا ہے، وہ باہر کے رخ کام کرتا ہے۔ مادہ اڈے پر بیٹھی ہوئی اندر کام کرتی ہے کہ گھر درستی اور صفائی سے تیار ہو جائے۔ اڈے کے ایک رخ پر کوٹھڑی سی بنا لیتے ہیں۔ مادہ اس میں دو یا تین سفید انڈے دے دیتی ہے۔ دروازہ دوسری طرف ہوتا ہے

اور اس کا رستہ نیچے سے ہے۔ وہ گیلی مٹی کی ڈلیاں لاتے ہیں اور گھونسلے میں لگاتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوگا کہ گھونسلے کا بوجھ تلا رہے اور ہوا سے ادھر ادھر نہ اڑے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ بیا جگنو پکڑ کر ان مٹی کی ڈلیوں پر رکھ دیتا ہے کہ رات کو گھر میں روشنی رہے۔ تم کو ایک کہانی سناتے ہیں اگرچہ سچ نہیں ہے مگر بڑی عجیب و غریب ہے۔

کسی جنگل میں تاڑ کے درخت پر بئے کا گھونسلا تھا۔ ایک دن برسات کے موسم میں شام کے وقت بیا اور بئی اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ یکایک بدلی چھا گئی، بجلی چمکنے لگی۔ بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ انہوں نے اپنے گھونسلے میں کئی جگنو سجا کر گھر کو روشن کر رکھا تھا۔ مزے سے باتیں کر رہے تھے۔ مینہ موسلا دھار پڑنے لگا مگر انہیں کچھ بھی پروا نہ ہوئی۔ اتنے میں شامت کا مارا ایک بندر وہاں آنکلا۔ مینہ سے دق ہو کر درخت پر چڑھ آیا مگر کہیں ایسے پتے نہ تھے کہ بچارے کو بچا لیتے۔ ناچار کبھی اس ٹہنی پر جا چمٹا کبھی اس ٹہنی پر۔ جب اولے بھی آئے تو گھبرا کر چڑچڑ کرنے لگا۔ بیا نہ رہ سکا، پکار کے کہا ''میاں بندو! تمہیں خدا نے انسان کی صورت دی۔ ویسے ہی ہاتھ دیئے اس سے بھی چلتے ہوئے پاؤں دئے۔ آدمی سے چالاک

جسم دیا۔ تم چاہو تو بہت کچھ کرسکتے ہو۔ اگر ایک آرام کا گھر بنا رکھتے تو اس وقت کیسا کام آتا۔ مجھ کو دیکھو، ایک بےچارہ چھوٹا سا جانور ہوں۔ اپنی حالت کے موافق کیسا خوب صورت گھر بنایا ہے۔ قمقمہ سا روشن ہے۔ آرام سے بیٹھا ہوں اور خدا کا شکر کر رہا ہوں۔،، بندر ایک تو پہلے ہی جھلا رہا تھا، بئے کی باتوں سے جل گیا۔ جھنجھلا کر ایک ہاتھ مارا اور گھونسلے کو نوچ کھسوٹ تنکا تنکا کرکے پھینک دیا۔ بیا، بئی اڑ کر ایک ٹہنی پر جا بیٹھے۔ یہی غنیمت ہوا کہ جان بچ گئی۔ بئی نے گھر کی بربادی اور اس وقت کی تکلیف سے دق ہوکر بئے کو یہ دوھا سنایا: ''سیکھ وا کو دیجئے، جا کو سیکھ سہائے۔ سیکھ نہ دیجئے باندر، جو بئے کا گھر جائے۔،، جب ہی سے کہتے ہیں، بیا میدان میں بلند درختوں پر گھونسلا بناتا ہے جہاں کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔

لوگ بئے کو پکڑ لیتے ہیں۔ اس کی کمر میں پٹی باندھتے ہیں اور عجیب عجیب کرتب سکھاتے ہیں۔ اسے دکھا کر کنوئیں میں چھلا پھینکتے ہیں۔ وہ ایسی پھرتی سے جاتا ہے کہ چھلا پانی تک نہیں پہنچنے پاتا، رستے ہی میں سے لپک کر لے آتا ہے۔ چھوٹا سا لفافہ خط کے طور پر لے جاتا ہے اور جیسے

اشارہ کرو دے آتا ہے۔ ماتھے پر سے بندی اتار لاتا ہے۔ اسی طرح الائچی یا مصری کی ڈلی چونچ میں لے جاتا ہے اور منھ میں دے آتا ہے۔ چھوٹی سی توپ بھرتا ہے اور چھوڑتا ہے۔ آس پاس کے جانور اس کی آواز سے ڈر کر اڑ جاتے ہیں، مگر یہ چھوٹا سا گولنداز ذرا نہیں ڈرتا۔ وہیں بیٹھا بہادری دکھاتا ہے۔ کبھی ایک چھوٹی سی بنیٹی اس کی چونچ میں دیتے ہیں، وہ بیچ میں سے سر کے گرد اس صفائی سے پھراتا ہے کہ آگ کا چکر بندھ جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا پرندہ عجب عجب کام کرتا ہے۔

تے اور بھی جھلکتے ہوں، خواہ کسی بڑی تیتری کی طرح
کسی پھول کی نازک پتی پر بیٹھا رس چوستا ہو، جب
دیکھو گے یہی کہو گے کہ یہ نازنیں صورت اور کامنی
سی مورت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ چونچ کی قطع صاف
کہے دیتی ہے کہ اس کا نام پتلی چونچ والے پرندوں
میں لکھنا۔

یہ اپنا گھونسلا اکثر پھیلی ہوئی جھاڑی کی
ٹہنیوں پر بناتا ہے جہاں مکڑی نے اکثر گھنا جالا
تنا ہو۔ اسی میں کچھ کاغذ کے پرزے، کچھ کپڑے
کی دھجیاں، گھاس پھونس کے تنکے وغیرہ بنتا ہے اور
اپنے گھر کے لئے خوب زمین تیار کرتا ہے اور اسی
قسم کے مصالح سے گھر کی عمارت کھڑی کر لیتا ہے۔
ایک طرف کو دروازہ رکھتا ہے اور مینہ بوندی کے بچاؤ
کے لئے اکثر اس پر چھجا بھی بنا دیتا ہے۔ اس کے انڈے
خاکستری ہوتے ہیں، مگر ذرا ذرا سبزی جھلکتی ہے۔
اور جیسا آپ ننھا سا ہوتا ہے ویسے ہی ننھے ننھے
انڈے ہوتے ہیں۔

جب میٹھی میٹھی آواز سے ریز کرتا ہے تو سن کر
مزا آتا ہے مگر اس کے پروں کی بہار کلیل کی اچپلاہٹ
سے باغ کو بڑی رونق ہوتی ہے۔ جب چل چلاتی دھوپ
ہوتی ہے اور اس چھوٹے سے بشاش پرندے کو کلیل

کرتے دیکھتے ہیں تو بہت جی خوش ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا خالق ہے۔

اپنی مخلوقات پر عجب عجب عنائتیں کی ہیں۔ ہر ایک کو وہی چیزیں دی ہیں جو اسے درکار ہیں۔ جب اس کی حکمتوں اور صنعتوں پر خیال کرتے ہیں تو عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اس کی شان دیکھو اس چھوٹے سے پرندے کو تیتری کے سے نازک اور خوب صورت پر دئے ہیں۔ ننھا سا قد، چونچ لمبی اور خم دار۔ اسے گویا اسی واسطے بنایا ہے کہ میٹھا رس ڈھونڈتا پھرے، مٹھاس کھائے، اس پھول سے اس پھول پر جا بیٹھے، اس ٹہنی سے اس ٹہنی پر اڑ جائے۔

کٹھ پھوڑا

ذرا کان لگا کر سننا! یہ کیا آواز ہے؟ سامنے کے درخت پر کھٹ کھٹ کیسی ہو رہی ہے جیسے بڑھئی کچھ کام بنا رہا ہے۔ غور سے دیکھو، وہ درخت کے موٹے سے تنے پر چھوٹا سا پرندہ دکھائی دیتا ہے۔ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ یہ اسی کی آواز ہے۔ کٹھ پھوڑا یہی ہے۔ کیا خوب صورت جانور ہے۔ اس کے سفید اور سیاہ پر کیسے چمکتے ہیں۔ سر پر کیا خوش نما قرمزی تاج ہے۔ کیا درخت پر چمٹا ہوا ہے۔ چمکتا ہوا تاج نہ ہو تو مشکل سے دکھائی دے۔ یہ کیا کر رہا ہے؟ گلی ہوئی لکڑی پر ٹھونگیں مار رہا ہے یا تو اس میں کیڑے بہت ہوگئے ہیں، وہ نکال کر کھانے کو یا لکڑی کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ گھونسلا بنا کر اس میں رہے گا۔ اس کے بچوں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ چڑھنے والے پرندوں میں سے ہے۔ وہی چار انگلیاں ہیں۔ دو آگے اور دو پیچھے مڑی ہوئیں۔ انہی سے درخت کی ٹہنی کو مضبوط پکڑ لیتا ہے۔ طوطے کے بیان میں تم پڑھ چکے ہو کہ چڑھنے والے پرندوں کا یہی نشان ہے۔ کٹھ پھوڑے کے پنجوں میں

بڑے مضبوط اور خم‌دار ناخن ہیں۔ یہی ناخن گڑو کر درخت سے چمٹا رہتا ہے اور بے خطر ٹھونگیں مارے جاتا ہے۔ دم کے پر بہت سخت اور نکیلے ہیں۔ جب درخت پر چمٹتا ہے تو اس پر دم ٹکا کر سہارا لے لیتا ہے۔ اس کے سینے کی ہڈی اتنی ابھری ہوئی نہیں، جتنی اکثر اور پرندوں کی ہوتی ہے۔ اس لئے درخت سے خوب چپک جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی ابھری ہوئی دھار باقی جسم کو وصل نہ ہونے دیتی۔ چونچ سیدھی، مضبوط اور سخت ہوتی ہے۔ اسی سے بڑھئی کی طرح اپنا سارا کام کر لیتا ہے۔

اس ننھے سے بڑھئی کے پاس لکڑی کاٹنے کے اوزار تو سب موجود ہیں مگر ان کے علاوہ ایک قدرتی اوزار اور بھی ہے، اس سے چھوٹے چھوٹے کیڑے پکڑ کر کھاتا ہے۔ مہین مہین سوراخوں میں پتلی پتلی درزوں میں جہاں چونچ نہیں پہنچ سکتی وہی اوزار کام دیتا ہے۔ وہ کیا؟ لمبی اور مہین زبان، اس کے سرے پر چھوٹی چھوٹی نوکیں ہوتی ہیں، جیسے مچھلی پکڑنے کے کانٹوں کی نوکیں۔ زبان نکال کر اتنی بڑھا سکتا ہے کہ گہری گہری درزوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اندر کے کیڑے تیز نوکوں میں چبھو کر نکال لاتا ہے۔ اس کی زبان میں کچھ لیس بھی ایسا ہے کہ چھوٹے کیڑے اور ان کے انڈے

اس میں چوٹ آتے ھیں -

اگلے زمانے میں بعض ملکوں کے لوگ اسے بہت ستایا کرتے تھے - کہتے تھے کہ درختوں میں چھید کرکے سکھا دیتا ھے، مگر حقیقت میں بڑے کام کا جانور ھے۔ گلی ھوئی لکڑی کو کاٹ کر الگ کر دیتا ھے۔ جو کیڑے اندر ھوتے ھیں کھا لیتا ھے - اگر یہ کیڑے نہ کھائے تو درخت کا درخت خراب ھو جائے۔

کٹھ پھوڑا تنکوں وغیرہ کا گھونسلا نہیں بناتا - کسی درخت میں گلی ھوئی جگہ کھوکھ بنا لیتا ھے۔ مادہ گلی ھوئی کچھ چھپٹیاں سمیٹ لیتی ھے اور ان پر تین سے چھ تک سفید سفید انڈے دیتی ھے - بچے اڑنے سے بہت پہلے ھی ٹہنی ٹہنی دوڑنا اور درختوں پر چڑھنا سیکھ جاتے ھیں - اکثر پرندوں کا قاعدہ ھے کہ جن گھونسلوں میں رھتے ھیں انہیں صاف اور ستھرا رکھتے ھیں، مگر اسے یہ شوق نہیں۔ اس کا گھونسلا گندہ اور بدبو دار ھوتا ھے -

بعض جگہ اسے چندرا بھی کہتے ھیں اور جاھل لوگ منحوس سمجھتے ھیں - بعض وھمیوں کو اگر معلوم ھو جائے کہ کٹھ پھوڑا ان کا رستہ کاٹ گیا ھے تو سفر کو جاتے جاتے پھر آتے ھیں -

ھندوستان میں کئی قسم کے کٹھ پھوڑے ھیں۔ ان

کے پر اکثر کالے اور سفید ملے جلے ہوتے ہیں۔ بعض میں کچھ زردی اور کچھ اور رنگت بھی نظر آتی ہے۔ نر کے سر پر اکثر یا تو قرمزی رنگ کا تاج ہوتا ہے یا رخساروں پر قرمزی دھاریاں۔

بٹیر

کھیتیاں پکتی جاتی ہیں، کسانوں کو فصل کا خیال ہونے لگا۔ بٹیروں کی صاف صاف سیٹیاں کھیتوں میں سنائی دیتی ہیں۔ ہاں یہ پکتے ہوئے کھیتوں ہی پر آ گرتی ہیں۔

بٹیر کو سب جانتے ہیں۔ گول مول شکل، چھوٹی سی دم، چوڑے چوڑے پنجے، کالی آنکھیں، تیز اور شوخ نگاہ، مڑی ہوئی چونچ، ماشی پر۔ ان میں ہلکی زردی، ملگجی سفیدی اور سیاہی کی چتیاں اور دھاریاں۔ مرغ کے بیان میں تم پڑھ چکے ہو کہ بٹیر کریدنے والا پرندہ ہے۔ یہ بات اس کی عادتوں سے بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ دیکھو، جو دانہ دنکا زمین سے نکالتی ہے، کرید کر نکالتی ہے۔ ہاں جبھی اس کے پاؤں پنجے ناخن ایسے مضبوط ہوتے ہیں اور کریدنے والے پرندوں کی طرح اس کی بھی تین انگلیاں آگے ہیں۔ ایک پیچھے کی انگلی بہت ہی چھوٹی ہے اور پنجے سے ذرا اونچی ہو کر لگی ہے۔ انہی کی طرح خم دار چونچ کے اوپر نتھنوں کے دو بڑے بڑے سوراخ ہیں۔ ایک فرق ہے کہ اکثر کریدنے والے پرندوں میں نر کے پنجوں سے اوپر، اندر کی طرف ایک

ایک کانٹا ہوتا ہے، اس کے نہیں ہوتا۔

بٹیریں یا تو لمبی لمبی گھاس میں ملتی ہیں یا اناج کے کھیتوں میں یا ایسی زمینوں میں ہوتی ہیں جہاں سے غلہ کٹ جاتا ہے، ٹھڈا اور جڑیں لگی رہتی ہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں میں جہاں جہاں غلہ پکنے کا وقت آتا ہے وہیں جا پہنچتی ہیں۔ بٹیریں ہندوستان میں تمام سال اکثر نہیں ٹھہرتیں، برسات میں چلی جاتی ہیں۔ کہیں اور جاکر انڈے بچے نکالتی ہیں۔ یہ جانور رات کو سفر کرتا ہے اور اڑتا ہوا دور دور پہنچتا ہے۔ اس کی طرح اور پرندے بھی رات کو اکثر سفر کرتے ہیں جو ایک موسم کسی ملک میں بسر کرتے اور دوسرا موسم اور ملک میں۔ بعض قسم کی بٹیریں ہیں کہ ہمیشہ ہندوستان ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کی بٹیر عام بٹیروں سے بہت ملتی ہے، مگر اس کا رنگ ان سے زیادہ چمکیلا ہے۔ اور نر کا پوٹا بھی کالا ہوتا ہے۔ مادہ اکثر چھ سات انڈے دیتی ہے۔ دیکھنے میں جیسے ملائی کی گولیاں، مگر گلابی مائل۔ ان پر کچھ بھوری سی چتیاں بھی ہوتی ہیں۔

بٹیروں کے پکڑنے کی ترکیب بہت آسان ہے۔ چڑی مار یا شوقین بٹیر باز، دس بیس یا زیادہ بولتی ہوئی بٹیریں جمع کرتے ہیں۔ ان کو پنجاب میں بلارے کہتے

ھیں۔ رات کو کئی آدمی مل کر باھر جاتے ھیں۔ کسی ھرے کھیت کے کنارے پر بانس گاڑ کر ان کے پنجرے ٹانگ دیتے ھیں۔ اسی کھیت کے ایک کونے پر کھیتی کے اوپر بڑا سا جال بچھا دیتے ھیں کہ بیس تیس گز لمبا چوڑا ھوتا ھے۔ کھیت کے کنارے کنارے دونوں طرف جال سے لگی ھوئی میخیں گاڑ دیتے ھیں، اور جال کے سرے کو کچھ ان سے باندھ دیتے ھیں، کچھ پتھروں سے دبا دیتے ھیں۔ بلارے جب جنگل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ھوا کھاتے ھیں تو خوش ھوکر بولنے لگتے ھیں۔ ان کی آواز پر چاروں طرف سے دور دور کی بٹیریں کھنچ آتی ھیں۔ وھیں کے کھیتوں میں چگنے لگتی ھیں۔ بولتی ھیں اور کلیلیں کرتی پھرتی ھیں۔ شکاری اور کھیتوں میں سے گھیرا دے کر جال والے کھیت کی طرف لے آتے ھیں۔ جب صبح کی روشنی نمودار ھوتی ھے تو کھیت کی دو کھلی طرفوں پر کئی آدمی جاتے ھیں اور کھیت میں گھس کر پاؤں کی آھٹ سے جال کی طرف دباتے آتے ھیں۔ جب بٹیریں ھٹتے ھٹتے کھیت کے کنارے پر جال کے تلے آجاتی ھیں تو کھیت میں سے نکل کر اڑنا چاھتی ھیں۔ وھاں جال کے سرے بند ھوتے ھیں، اس میں رک کر پھڑکنے لگتی ھیں۔ شکاری پکڑ پکڑ کر پھٹکی میں ڈال لیتے ھیں۔

ہندوستان میں لوگ بیٹیروں کو کھانے ہی کے لئے نہیں پکڑتے بلکہ جس طرح اور کئی قسم کے کریدنے والے جانوروں کو لڑاتے ہیں، اسی طرح انہیں بھی لڑاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی لڑائی میں ایسی بے رخی نہیں ہے جیسی مرغوں کی لڑائی میں ہوتی ہے، کیونکہ یہ مرغوں کی طرح آپس میں خون ریزی نہیں کرتیں، مگر پھر بھی یہ کام ظلم سے خالی نہیں ہے۔ اس سے بچنا بہتر ہے۔

حواصل

دیکھو، یہ تیراک پرندہ ہے۔ اس کے پاؤں پر جھلی چھائی ہوئی ہے۔ ڈیل ڈول میں بہت ہی بڑا ہے۔ سر سے دم تک اکثر پانچ فٹ سے کچھ زیادہ مگر اڑنے میں سبک پرواز ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اڑتے وقت بازو بہت پھیل جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک سرے سے دوسرے تک آٹھ فٹ سے بھی زیادہ فاصلہ ہو جاتا ہے۔ ان مضبوط بازوؤں کی مدد سے دور دور کے سفر کرتا ہے۔ اڑنے میں لمبی سی گردن کو پیٹھ کی طرف جھکا لیتا ہے۔ چونچ لمبی اور سیدھی ہوتی ہے مگر نوک مڑی ہوئی۔ جب چونچ کھولتا ہے تو منہ بہت پھیل جاتا ہے۔ اس جانور میں یہ عجیب بات ہے کہ تلے کے جبڑے میں ایک کھال کی تھیلی ہوتی ہے۔ اس میں آٹھ سیر پانی آسکتا ہے۔ یہ اس کے شکار کے لئے قدرتی ٹوکری ہے جو مچھلیاں پکڑتا ہے اس میں بھرتا جاتا ہے۔

مچھلیوں ہی پر اس کا گزارا اکثر ہوتا ہے۔ سر کو پانی میں ڈبو لیتا ہے اور ادھر ادھر تیرتا ہوا انہیں لمبی سی چونچ سے پکڑتا پھرتا ہے۔ یہ بڑا کھاؤ ہے۔ بعض ملکوں کے آدمی اس کی پر خوری سے بڑی

روپیہ کماتے ھیں- چین کے مچھلی والے انہیں سدھاتے ھیں اور اپنے لئے مچھلیاں پکڑنی سکھاتے ھیں - جو شکار حواصل اپنی تھیلی میں بھر کر لاتے ھیں وہ اگلوا لیتے ھیں -

حواصل بڑی بے ڈھنگی اور لڑکھڑاتی چال سے چلتا ھے- یہ اپنا گھونسلا درختوں پر بناتا ھے - وہ لکڑیوں کا ایک چبوترہ سا ھوتا ھے- اس پر دو یا تین سفید اور کھردرے انڈے مادہ دیتی ھے- جب سیتی ھے تو نر اس کے لئے مچھلیاں پکڑ لاتا ھے - بچے نکل آتے ھیں تو دونوں مل کر پالتے ھیں اور تھیلی سے مچھلیاں نکال نکال کر کھلاتے ھیں - نکالنے کے واسطے چھاتی کو چونچ سے دباتے ھیں - لال لال نوک سفید پروں پر لہو کا سا دھبا معلوم ھوتی ھے- یہی سبب ھے جو بعض ملکوں میں یہ بات مشہور چلی آتی ھے کہ یہ جانور ایسا جان نثار ھے کہ بچوں کو اپنے لہو سے پالتا ھے -

ھندوستان میں کئی قسم کے حواصل ملتے ھیں - ایک قسم کے حواصل جن کے بڑے قد ھوتے ھیں اور رنگ سفید، وہ ھمیشہ جاڑے کے موسم میں آسمان پر قطاریں باندھ کر آیا کرتے ھیں - بعض دفعہ غول کا غول قطار باندھ کر جھیل کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک چھا جاتا ھے - اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس طرح شکار کھیلتا ھوا جاتا ھے کہ ایک مچھلی

بھی مشکل سے بچتی ہے۔ ہندوستان میں خاکستری
رنگ کے حواصل اور قسموں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔
یہیں انڈے بچے دیتے ہیں اور جن میدانوں میں دریا،
تالاب وغیرہ اکثر ہوتے ہیں، وہاں رہتے سہتے ہیں۔
برسات میں پنجاب کے سب دریاؤں پر موجود ہوتے ہیں
اور یہاں انہیں پین کہتے ہیں۔ لیکن اس علاقے میں
ان کے گھونسلوں کا پتا تک نہیں لگا۔ کہتے ہیں کہ
پین کی کھال میں سے ایسا تیل نکلتا ہے کہ بعض قسم
کی مچھلیاں اس کی بو پر دوڑتی ہیں۔ بنگالے میں بعض جگہ
مچھلی والے مچھلیاں پکڑنے میں اس سے یہی کام لیتے
ہیں۔ مچھوا اسے اپنی کشتی کے کنارے پر باندھ لیتا ہے
اور کبھی اس کی آنکھیں بھی سی دیتا ہے کہ دیکھ
کر کھا نہ جائے۔

کُلنگ

جاڑا آن پہنچا - اب کلنگوں کے غول کے غول دکھائی دینے لگے - ایک دوسرے کے آگے پیچھے کیا برابر قطار باندھی ہے- وہ ہمارے سر پر اڑے چلے جاتے ہیں - پتلی پتلی گردنیں آگے کو بڑھائی ہوئی ہیں، لمبے لمبے پاؤں پیچھے لٹکائے ہوئے- پاؤں کیا ہیں گویا جھنڈیوں کے پھریرے ہیں کہ لہرا رہے ہیں - ان کو اڑتے ہوئے دیکھ کر عجب لطف آتا ہے - سرگروہ آگے آگے اڑا چلا جاتا ہے - رستے سے کیسا واقف ہے کہ ذرا بھٹکتا نہیں - اس کے پیچھے دو قطاریں پھیلی ہوئی ہیں جیسے کھلی ہوئی قینچی - قطار کی قطار ادھر ادھر مڑتی ہے مگر اپنی جگہ سے ایک بھی نہیں سرکتا کہ انتظام میں فرق نہ آجائے -

کلنگ بڑا پرندہ ہے- سر سے دم تک تین یا ساڑھے تین فٹ ہوتا ہے - پر پھیلا لیتا ہے تو بازو کی اس نوک سے اس نوک تک چھ فٹ کے قریب ہو جاتا ہے- اس کے پروں میں خاکستری رنگ زیادہ پایا جاتا ہے مگر پھر بھی خوب صورت جانور ہے - لمبے لمبے خوش نما پر جن کی نوکیں کالی ہوتی ہیں بازوں سے نکلتے ہیں، کلغی کی طرح

اونچے اٹھ کر دونوں طرف لٹک جاتے ھیں اور عجب
بہار دیتے ھیں۔ اس کی آواز ایک خاص طرح کی ھے،
بہت دور سے سنائی دیتی ھے۔ تیز نظر آدمی کی نگاہ
ابھی کام نہیں کرنے پاتی کہ آواز ھی سے لوگ جان
جاتے ھیں کہ کہیں ادھر ادھر کنگ ضرور ھے۔
وہ بڑا چوکنا رھتا ھے۔ اوپری چیز دیکھی یا غیر آواز
سنی اور اڑ گیا۔ اس کا زمین سے اٹھنا بڑی مشکل ھے۔
پہلے مضبوط بازوؤں کو بڑی محنت سے آھستہ آھستہ
ھوا پر مارتا ھے مگر ایک دفعہ اڑا اور چل نکلا۔

یہ ھندوستان میں ملتا تو ھر جگہ ھے مگر
ممالک مغربی اور شمالی اور پنجاب میں اس کی بہتات
ھے۔ یہ تمام سال اس ملک میں نہیں ٹھیرتا۔ سردی
آتے ھی آن موجود ھوتا ھے۔ گرمی آئی اور سرد ملکوں
کی طرف بھاگا۔ یا تو ایشیا کے شمال میں چلا جاتا ھے یا
یورپ میں۔ وھیں انڈے دے کر بچے نکالتا ھے۔ اکثر
دلدل کی زمین پر ایک سیدھا سادہ گھونسلا بنالیتا ھے۔
اس میں گہری سبز رنگت کے دو انڈے دیتا ھے جن
پر بھوری بھوری چتیاں بھی ھوتی ھیں۔ جب بچے
انڈوں سے نکلتے ھیں تو ان کے چھوٹے چھوٹے جسم
ھوتے ھیں، نرم نرم روئیں، لمبی لمبی ٹانگیں، ایک
عجیب شکل دکھائی دیتی ھے۔

کلنگ صبح شام دھندلکے کے وقت چرتا چگتا ہے اور جہاں اناج کے کھیت پاتا ہے خراب کر دیتا ہے۔ جب دن کو دھوپ تیز ہو جاتی ہے تو جھیلوں اور دریاؤں کے کنارے پر چلا جاتا ہے۔ یا تو وہیں آرام کرتا ہے یا پانی میں چل پھر کر دن کاٹتا ہے۔ اس واسطے پانی میں چلنے والے پرندوں میں سے ہے۔

اس کا گوشت مزے کا ہوتا ہے، اسی واسطے لوگ شکار کرتے ہیں۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔ کبھی تو اس پر بہری چھوڑتے ہیں، یہ بڑا تماشے کا شکار ہوتا ہے۔ البتہ بہری خوب سدھی ہوئی چاہئے کہ ایسے بڑے پرندے تک پہنچے اور اسے مار سکے۔ کبھی شکاری دبکی بھی لگا کر جاتے ہیں اور بندوق سے مارتے ہیں۔ اس میں ہوشیاری بھی چاہئے اور آہستگی بھی، کیونکہ یہ جانور بھڑکتا بہت ہے۔ اس کے پاس پہنچنا آسان نہیں۔ ہندوستان کے شکاری اکثر ان کے چرنے چگنے کی جگہ معلوم کر لیتے ہیں اور صبح سے پہلے اندھیرے منھ وہاں جا پہنچتے ہیں۔ کسی آڑ کی جگہ دبک کر بیٹھ جاتے ہیں اور تاکتے رہتے ہیں۔ جب یہ جانور وہاں آتے ہیں تو ایک دو کو مار ہی لاتے ہیں۔

شترمرغ

اس کے برابر کوئی بڑا پرندہ نہیں۔ قد چھ فٹ سے آٹھ فٹ تک ہوتا ہے۔ نر سے مادہ چھوٹی ہوتی ہے۔ اس جانور کے ڈیل ڈول پر خیال کریں تو سر چھوٹا معلوم ہوتا ہے، گردن لمبی۔ بچوں کے سر اور گردن دونوں پروں سے ڈھکے رہتے ہیں مگر جوانی تک صرف پتلا پتلا سا رواں رہ جاتا ہے۔ اس میں سے چمڑی جھلکنے لگتی ہے۔ نر کے جسم پر سیاہ چمکیلے پر ہوتے ہیں۔ مادہ اور بچوں کے پر گہرے خاکستری۔ ان میں کہیں کہیں سفید پر بھی ہوتے ہیں۔ دم اور بازوؤں میں سے نرم نرم اور لمبے لمبے سفید پر پیچھے کو لٹکتے ہیں۔ ان میں کچھ سیاہ پر بھی ہوتے ہیں۔ سفید پروں میں کبھی کبھی سیاہ چتیاں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس کے بازو چھوٹے اور کمزور ہیں، اس لئے اڑ نہیں سکتا، ہاں دوڑنے میں ان سے مدد لیتا ہے۔

رانیں ننگی ہیں، نہ پر نہ رواں، باقی پاؤں سخت اور کھپریلے۔ اس کی ٹانگیں نہایت مضبوط ہوتی ہیں اس لئے دوڑنے میں بہت تیز ہوتا ہے۔ لات اس زور سے مارتا ہے کہ تیندوا بھی اس پر حملہ کرنے سے جی چراتا

ہے۔ اس کی دو دو ہی انگلیاں ہوتی ہیں۔ ایک اندر کی طرف، وہ بہت بڑی ہوتی ہے سات انچ لمبی، جس میں ایک ناخن بھی ہوتا ہے۔ دوسری باہر کو، وہ بہت چھوٹی سی ہے، اس میں ناخن نہیں۔ یہ جانور ایسا زور آور ہے کہ دو آدمی اس کی پیٹھ پر سوار ہو جائیں تو آسانی سے لے جائے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں، پپوٹوں پر پلکیں۔ نظر ایسی تیز کہ لق و دق صحرا میں دور دور تک کام کرتی ہے۔

آواز میں ایسی گرج کہ شیر ببر کی دھاڑ کا شبہ ہو پڑتا ہے۔ اکثر کڑکڑاتا بھی ہے۔ جب جھنجھلاتا اور لاتیں چلاتا ہے تو بڑے زور سے سیں سیں کرتا ہے۔

عرب اور افریقہ کے خشک ریتلے میدانوں میں ان کے غول کے غول پھرا کرتے ہیں۔ یہ بڑا کھاؤ ہے۔ دانہ گھاس، بہت کچھ چر چگ جاتا ہے۔ اناج کے کھیت کو ایک غول تھوڑی دیر میں صاف کردیتا ہے۔ مدت تک بن پانی جی سکتا ہے، اور ریگستان کے متیرے کھا کر پیاس بجھا لیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے پرندے اکثر ریت کے دانے چگ لیا کرتے ہیں کہ کھانا ہضم ہو جائے۔ شتر مرغ کو ایسی ضرورت پڑے تو بڑے بڑے روڑے نگل جاتا ہے۔ جب بند کیا جائے تو جو سامنے آجائے ہڑپ کر جاتا ہے۔

لوہے، شیشے، اینٹوں کے ٹکڑے، پرانی جوتیوں کے لیتڑے بھی نہیں چھوڑتا - ایک دفعہ کسی شتر مرغ نے پیسے چگ لئے - ان کا ایسا زہر چڑھا کہ کام تمام ہو گیا -

شتر مرغ ریت کو اوپر سے کرید کر گڑھا سا بنا لیتا ھے- اس میں مادہ انڈے دیتی ھے اور ان کو پیندی کے بل لٹکا کر کھڑا کر دیتی ھے - رات کو تو مادہ سیتی ھے دن کو سورج کی گرمی - اسی سے انڈوں میں بچے پڑتے جاتے ھیں - مگر جنوبی افریقہ میں دن کو نر بیٹھتا ھے- انڈا وزن میں ڈیڑھ سیر کے قریب ھوتا ھے - چھلکا موٹا اور مضبوط، دیکھنے میں ملائی کے رنگ کا ھوتا ھے اور بہت طرح سے کام میں آتا ھے - اس میں پانی رکھتے ھیں، وہ ڈھائی سیر کے قریب آ جاتا ھے- برابر دو ٹکڑے کر لیتے ھیں، خاصے دو پیالے بن جاتے ھیں - ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں کی ڈوئیاں اور چمچے بناتے ھیں- انڈے اس طرح پکاتے ھیں کہ پیندی کو انگاروں پر ٹکا دیتے ھیں - اوپر ایک سوراخ کر دیتے ھیں - ایک چھوٹی سی دو شاخی لکڑی اس میں ڈال کر پھراتے رہتے ھیں - تھوڑی دیر میں اتار کر کھا لیتے ھیں- افریقہ والوں کو ان کے انڈے بہت بھاتے ھیں اور وہ ان کے بچوں کو بھی کھاتے ھیں-

شتر مرغ بہت آسانی سے ھل جاتا ھے- جنوبی

افریقه میں جهاں انگریزوں کی آبادی ہے، لوگ پروں کے لالچ سے ان کے غول کے غول پالتے هیں - یه پر یورپ میں جا کر بکتے هیں - ٹوپیوں وغیرہ میں زیبائش کے لئے لگائے جاتے هیں - بازو اور دم کے سفید لمبے پر بڑی قیمت پاتے هیں - ان کو ان کے بچے اس ترکیب سے نکالتے هیں که انڈے لے کر صندوقچوں میں رکھتے هیں - ان کے اوپر گرم پانی کے طشت دھر دیتے هیں - نیچے لمپ سے گرمی پہنچاتے هیں اور روز انڈوں کو الٹتے پلٹتے رهتے هیں - اس طرح سے چھ هفتے میں بچے نکل آتے هیں -

لوگ پروں کے واسطے شتر مرغ کا شکار بھی کرتے هیں - یه دوڑنے میں گھوڑے کی نسبت بہت تیز ہے - اگر سیدھا بھاگتا تو کسی کے هاتھ نه آتا مگر اسے عادت ہے که ترچھا دوڑتا ہے - شکاری جانچ لیتا ہے که اس کا رخ کدھر ہے - اسی حد پر جا لگتا ہے - جهاں زد پر آیا اور گولی ماری - جنوبی افریقه والے ان کی کھالیں پہن لیتے هیں اور انهی کا بھیس بدل کر ان کے غولوں کے پاس جا پہنچتے هیں - اکثر زهر کے بجھے هوئے تیر رکھا کرتے هیں، ان سے ایک ایک کرکے بهتیرے مار لیتے هیں -

شتر مرغ اور اس وضع کے اور جانور دوڑنے والے پرندے کہلاتے هیں اور هندوستان میں نهیں هوتے -

کیڑوں کا بیان

ریشم کا کیڑا

جو فائدے ریشم کے کیڑے سے ہوتے ہیں وہ کسی کیڑے سے نہیں ہوتے۔ یاد ہے شہتوت کے بیان میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے کہ یہ ان کیڑوں میں سے ہے جو تین حالتیں بدلتے ہیں۔ اس کے انڈے رائی کے دانے سے بھی کچھ چھوٹے ہوتے ہیں۔ ہر ایک انڈے میں سے ایک چھوٹا سا کرم نکلتا ہے۔ پہلے کوئی پاؤ انچ سے زیادہ نہیں ہوتا، مگر کھاتا بہت ہے اور جلدی جلدی بڑھ جاتا ہے۔ تھوڑے عرصے میں اتنا ہو جاتا ہے کہ پوست میں نہیں سماتا۔ اسے سر کی طرف سے چیرتا ہے اور کیچلی کی طرح اتار کر پھینک دیتا ہے۔ نیا پوست اول اول خوب ڈھیلا ڈھالا اور نرم نرم ہوتا ہے۔ اسی میں جلدی جلدی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح چار پانچ پوست اتارتا ہے۔ جب پورا قد نکال چکتا ہے تو لمبائی میں کوئی تین انچ کا ہو جاتا ہے۔ زردی لئے خاکستری رنگ ہوتا ہے۔ جسم کے

گرد بارہ چھلے، دونوں کروٹوں میں نو نو چھید جن سے دم لیتا ہے۔ سولہ ٹانگیں۔ دونوں کنپٹیوں میں سات سات آنکھیں۔ دو پتلی پتلی نلیاں جسم میں دور تک پھیلی ہوئی، نلیوں کے منھ ٹھیک جبڑے کے نیچے، ان میں ایک لیس دار چیز۔ ریشم انہی نلیوں سے بناتا ہے۔ اسے اکثر سفید شہتوت کے پتے کھلایا کرتے ہیں کہ یہ اور درختوں کے پتوں سے زیادہ موافق ہیں۔ جتنا بڑھنا ہوتا ہے کوئی چھ ہفتے میں بڑھ چکتا ہے۔ اب کھانا چھوڑ دیتا ہے اور ریشم نکالنا شروع کرتا ہے۔ بیٹھا بیٹھا سر کو ادھر ادھر موڑتا ہے یہاں تک کہ ریشم کا کویا اپنے اوپر بنالیتا ہے۔ اس ریشم کا ہر تار دھرا ہوتا ہے۔ کیونکہ انہی دو چھوٹی نلیوں میں سے نکلتاہ ہے اور یہ تار لمبا بھی بہت ہوتا ہے۔

یہ کویا تین چار دن میں بنتا ہے۔ کبھی پانچ دن میں بھی۔ یہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ جتنا کبوتر کا انڈا اور رنگ میں ہلکا سنہری۔ ان دنوں میں یہ گھٹتے گھٹتے پہلے سے آدھا رہ جاتا ہے، اس لئے کہ ریشم اپنے اوپر تنتا ہے اور کھانا بالکل چھوڑ دیتا ہے۔ اب ایک پوست پھر اتارتا ہے۔ اس وقت وہ مردہ سا ہو جاتا ہے۔ چکنا چکنا پوست ہوتا ہے۔ بھورا رنگ، ایک طرف سے نکیلا جسم۔ جب کوئی کیڑا اس

حالت میں ہوتا ہے تو انگریزی میں اسے کرسلس[1]
کہتے ہیں - دو تین ہفتے تک کوئے کے اندر یہ اسی
طرح پڑا رہتا ہے اور اس عرصے میں اندر ہی اندر پر نکال
کر پروانہ بن جاتا ہے - پہلے تو پوست کو پھاڑتا ہے،
پھر کوئے سے نکلنے کی یہ ترکیب کرتا ہے کہ
اس کے تاروں کو جو چیپ سے چپکے ہوتے ہیں،
منھ کے لعاب سے تر کرلیتا ہے اور انہیں ہٹا کر باہر
آنے کا رستہ اپنے لئے بنا لیتا ہے - مگر اس سے ریشم
خراب ہو جاتا ہے - اس کے بچانے کی ترکیب یہ ہے
کہ جن کیڑوں کے انڈے لینے ہوتے ہیں ان کے
کوئے الگ کر لیتے ہیں - باقی کو کھولتے پانی
میں ڈال دیتے ہیں - یا تنور میں سینک لیتے ہیں یا
کوئی اور ترکیب کرتے ہیں کہ وہ کیڑے اندر ہی
اندر مر جاتے ہیں -

انڈوں کے لئے جو کوئے الگ کرتے ہیں انہیں
ایسے کوٹھے میں سفید کپڑے پر پھیلا دیتے ہیں
جس میں کچھ اندھیرا ہوتا ہے - انڈوں سے جب پروانے
بن کر نکلتے ہیں تو اڑ جانے کا ارادہ نہیں کرتے ہیں،
کپڑے پر رہتے ہیں، اور مادہ یہیں انڈے دیتی ہے -
پروانے اس حالت میں کچھ کھاتے نہیں - چند روز میں

۱- CHRYSALIS -ادارہ

مر جاتے ھیں۔

جب ریشم کو چرخی پر چڑھاتے ھیں تو کوئے گرم پانی میں ڈال دیتے ھیں کہ لیس چھٹ جائے اور تار الگ الگ ھو جائیں۔ پھر چار پانچ تاروں کے سرے لیتے ھیں۔ انھیں بٹ کر ایک تاگا بناتے ھیں اور چرخی پر لپیٹتے جاتے ھیں۔

ریشم سب سے پہلے چین میں بنا تھا اور سب سے اچھے کیڑے بھی وھیں سے ھاتھ آئے تھے۔ تیرہ سو برس سے زیادہ ھوئے کہ یہ کیڑے یورپ میں عجیب طور سے پہنچے۔ چینی چاھتے تھے کہ ھمارے سوا دوسرے کے پاس نہ ھوں، لیکن یورپ کے دو پادری وھاں وعظ کرنے گئے۔ انھوں نے ان کے پالنے کی ساری ترکیب سیکھی اور کسی ڈھب سے انڈے بھی لئے۔ انھیں ایک کھوکھلے بیت میں چھپا کر اسلامبول[1] لے گئے۔ جب موسم آیا تو انڈوں میں سے کیڑے نکلے۔ انھیں جنگلی توت کے پتوں سے پالا۔ پھر تو ان کی پود بڑھی اور کروڑوں کیڑے ھو گئے۔ انھی کی نسل یورپ اور ایشیا کے بہت سے ملکوں میں پھیلی ھے۔

ھندوستان میں ریشمی کپڑا جو بنتا ھے اس میں سے بہتیرا اس ریشم کا ھوتا ھے جو اور ملکوں سے آتا

۱- استنبول

ہے۔ پنجاب کے بعض ضلعوں میں جو پہاڑ کے قریب ہیں، اور ہندوستان میں کہیں کہیں اور بھی انہی چین کے ریشمی کیڑوں کی نسل پالتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں ریشم کے کیڑے اور قسم کے بھی ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور ٹسر کے کیڑے ہیں۔

ٹسر کے کیڑے ہندوستان کے جنگلوں میں بہت ہوتے ہیں اور ہمالیہ پہاڑ کے نیچے نیچے اکثر مقاموں میں ملتے ہیں۔ ان کے کویوں کی سال بھر میں دو فصلیں ہوتی ہیں۔ پروانے آتی برسات نکل آتے ہیں۔ ان میں سے مادہ مختلف قسم کے درختوں کے پتوں اور ٹہنیوں پر انڈے دے دیتی ہیں۔ انڈے اول اول چپچپے ہوتے ہیں۔ جہاں دیتی ہیں وہیں چپکے رہتے ہیں۔ ایک ایک مادہ سو سو دو دو سو انڈے دیتی ہے اور ایک دو دن میں نر اور مادہ سب کے سب مر جاتے ہیں۔ انڈوں میں سے چھوٹے چھوٹے بھورے رنگ کے کرم نکل آتے ہیں اور پتوں کو کھا کھا کر بہت جلد بڑھ جاتے ہیں۔ پہلے ان کا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اس میں کالے کالے چھلے اور چتیاں۔ پھر سبز ہو جاتا ہے۔ اس میں نہایت خوب صورت چھوٹی چھوٹی چتیاں ہوتی ہیں، کچھ سرخ، کچھ نیلی، کچھ سنہری۔ جب پورے قد کے ہو جاتے ہیں تو کوئے بناتے ہیں اور پھر حالت

بدل کر وهی مرده سے هو جاتے هیں۔ انڈے دئے جانے سے کوئی تین مہینے بعد نئے پروانے نکل آتے هیں۔ یه بهی انڈے دیتے هیں اور مر جاتے هیں۔ جو کرم نئے انڈوں سے نکلتے هیں وه اپنے کوئے شروع جاڑے میں بنا لیتے هیں۔ باقی جاڑے اور گرمی مرده سے پڑے رهتے هیں۔ پهر اگلے برس کی طرح آتی برسات میں پروانے نکلتے هیں۔ سرکار نے ٹسر کی ترقی میں بڑی کوشش کی هے اور اب بهی کر رهی هے که اس کے تیار کرنے کی کوئی اچهی ترکیب نکل آئے اور خرچ بهی کم هو جائے۔ غالب هے که یه امید بر آئے۔ اگر یه بات خاطر خواه هوگئی تو هندوستان سے اس کی بڑی دساور اور ولایتوں میں جایا کرے گی اور اس تجارت سے یہاں کی دولت اور رونق میں ترقی هوگی۔

تخمیناً کوئی باره هزار قسم کے پروانے اور تیتریاں هیں۔ سب ریشم کے کیڑے کی طرح تین حالتیں بدلتے هیں۔ جب پردار هو جاتے هیں تو ان کے چار پر هوتے هیں۔ ان پر کهپریل کے کهپروں کی طرح ننهے ننهے چهلکے چهائے هوئے۔ اگر پروانے یا تیتری کے بازو پکڑو تو وهی ننهے ننهے چهلکے چٹکی میں لگ جائیں گے۔ ان میں سے بہتیرے کیڑے ایسے هیں جو ریشم کے کیڑے کی طرح کوئے بناتے هیں، مگر همارے کام

کے تھوڑے ہی ہوتے ہیں ۔ بعض بڑا نقصان کرتے ہیں ۔ اونی کپڑوں اور پوستینوں میں انڈے دے دیتے ہیں۔ جب کرم انڈے سے نکلتا ہے تو وہی اون یا سمور کھاتا ہے اور اسی کا چھوٹا سا گھر بنا لیتا ہے ۔ ایک طرف سے اس کا منھ کھلا رکھتا ہے اور اس وقت تک اس میں رہتا ہے جب تک کرسلس کا وقت نہ آجائے ۔ بہت قسم کی تیتریاں ایسی ہیں جن کے کرم پودوں کو بڑا نقصان پہنچاتے ہیں۔ بعض تیتریاں نہایت خوب صورت ہو جاتی ہیں۔ ان کے پروں میں طرح طرح کے رنگ چمکتے ہیں اور یہ سب انہی ننھے ننھے چھلکوں کی بدولت ہیں ۔ یہ پھولوں پر اڑتی پھرتی ہیں اور لمبی لمبی نازک سونڈوں سے ان کا رس چوستی ہیں، مگر افسوس کہ عمر بہت کم ہوتی ہے۔ چند روز ہی زندگی کا مزا لیتی ہیں اور مر جاتی ہیں ۔

شہد کی مکھی

یہ دیکھنے میں کیسی ناچیز اور چھوٹی سی ہے۔ بھورے رنگ کا صوفیانہ لباس پہنے ہے۔ چمکیلے رنگ جو بعض کیڑوں میں ہوتے ہیں اس میں ایک بھی نہیں۔ پھر بھی اس سے زیادہ کوئی جانور غور سے دیکھنے کے قابل نہیں۔ اس سے زیادہ اس کے کاروبار کو دیکھ کر لطف آتا ہے۔ نہ بناوٹ میں اس سے بڑھ کر کوئی عجیب دکھائی دیتا ہے۔ بہتیرے فاضلوں نے انہی کی تحقیقات میں اپنی عمریں پوری کردی ہیں۔

شہد کی مکھیاں اکٹھی ہوکر رہتی ہیں۔ اگر جنگلی ہوں تو اکثر درخت کے کھوکھ میں گھر بنایا کرتی ہیں۔ لیکن بہتیرے ملک ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگ انہیں کثرت سے پالتے ہیں۔ ان کے رہنے کے لئے ایک خاص گھر بنادیتے ہیں۔ اس میں دس ہزار سے ساٹھ ہزار تک اکثر رہتی ہیں۔ ان میں ایک رانی ہوتی ہے۔ چھ سو سے دو ہزار تک نر، جو سارے نکھٹو ہیں، باقی سب کام کرنے والیاں۔ یہ تینوں تین حالتیں بدلتی ہیں۔ جب تیسری حالت میں آتی ہیں تو سینے

والے حصے میں چھ ٹانگیں ہوتی ہیں - اور ہر ایک ٹانگ
کے سرے پر مہین مہین انڈے سے - انہی سے اپنے
گھر کی چھت پر چلتی پھرتی ہیں اور آپس میں اس
طرح لٹک جاتی ہیں کہ اوپر والی کے پچھلے پاؤں
کے آنکڑے نیچے والی کے اگلے پاؤں کے آنکڑے میں
اٹک جاتے ہیں - ان کے سر پر دو مہین مہین شاخیں
سی آگے کو نکلی ہوتی ہیں جن سے چیز کو ٹٹول لیتی
ہیں - انہی کی مدد سے اندھیرے میں کام کرتی ہیں -
انہی سے کسی طور پر گھر کے کاروبار کی خبر ایک
دوسرے کو پہنچاتی ہیں - لوگوں کی یہ بھی رائے ہے
کہ وہی شاخیں کانوں کا کام دیتی ہیں اور انہی
سے وہ آواز سنتی ہیں - دونوں پہلوؤں میں دو دو بازو
بھی ہوتے ہیں - یہ ایک باریک شفاف جھلی ہے
جو ایک سخت چیز پر منڈھی ہوتی ہے - آگے کی طرف
دو بڑی بڑی اور سر کے اوپر تین چھوٹی چھوٹی آنکھیں
ہیں - سینے اور پیٹ والے حصے اور ٹانگوں پر بال
ہوتے ہیں - نیچے کا ہونٹ لمبا ہو کر ایک سونڈ سی
بن جاتا ہے - اس پر بھی مہین مہین بال ہوتے ہیں -
مکھیاں جو پھولوں پر اڑتی پھرتی ہیں اسی سے رس
چوس لیتی ہیں - یہی رس شہد ہے - جتنا شہد چوستی ہیں
سب نہیں کھا جاتیں - ان کے پیٹ والے حصے میں ایک

ننھی سی تھیلی ہوتی ہے، کچھ اس میں رکھ کر گھر میں لے آتی ہیں۔ کام والیوں کی پچھلی ٹانگوں میں باہر کی طرف دو خانے ہوتے ہیں۔ جب پھولوں پر بیٹھتی ہیں تو مہین مہین غبار جو پھول میں ہوا کرتا ہے ان کے سینے، پیٹ اور ٹانگوں کے بالوں میں چمٹ جاتا ہے۔ وہ ان میں سے غبار سمیٹتی ہیں اور ان دونوں خانوں میں بھر کر گھر لے آتی ہیں۔ رانی اور نکھٹوؤں کی ٹانگوں میں یہ خانے نہیں ہوتے۔ رانی اور کام والیوں کے پیٹ والے حصے کے سرے پر ایک ڈنک ہوتا ہے۔ ڈنک کیا ہے! دو برچھیاں سی ہیں، بال سے بھی پتلی۔ ان دونوں میں باہر کی طرف ادھر ادھر نوکوں کے پاس ایک دوسری نوک پیچھے کو ابھری ہوتی ہے، جیسے مچھلی پکڑنے کے کانٹے میں، اور ایسی مہین کہ خرد بین بغیر ہرگز نظر نہیں آتی۔ یہ برچھیاں میان میں ہوتی ہیں۔ وہ ایک زہر کی تھیلی سے ملا ہوتا ہے جو اس کے پیٹ والے حصے میں ہوتی ہے۔ جب دشمن پر حملہ کرتی ہیں تو میان کو بدن میں چبھوتی ہیں۔ تھیلی سے زہر نکل کر زخم میں دوڑ جاتا ہے۔ برچھی کی نوکیں اور بھی گھاؤ کو گہرا کر دیتی ہیں۔ نکھٹوؤں کے یہ ڈنک نہیں ہوتے۔

کام والی اور نکھٹو دونوں سے رانی بڑی ہوتی ہے

اور سارے انڈے یہی دیتی ہے۔ کام والیاں بہت سے چھوٹے چھوٹے خانے بنا رکھتی ہیں۔ انہی میں بچے نکلتے ہیں۔ جب رانی انڈے دیتی ہے تو بارہ ایک کام والیاں باڈی گارڈ کی طرح اس کے ساتھ حاضر رہتی ہیں۔ رانی خانے میں ایک ایک انڈا دیتی پھرتی ہے۔ یہ سپاہی اس حالت میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے شہد کھلاتے ہیں۔ اس کے انڈوں کا شمار موسم پر ہے۔ کسی موسم میں کم ہوتے ہیں، کسی میں زیادہ۔ لیکن اکثر دو تین سو انڈے روز دیتی ہے اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ۔

تین دن کے اندر انڈے تڑخ کر بچے نکل آتے ہیں۔ بہت ہی چھوٹے چھوٹے سفید کرم ہوتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں بالکل نہیں ہوتیں۔ کنڈلی مارے اپنے خانوں میں پڑے رہتے ہیں۔ کام والیاں وہی پھولوں کا غبار اور شہد لے کر پانی میں ملاتی ہیں اور پانچ دن تک انہیں چٹاتی ہیں۔ وہ اس عرصے میں اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ خانوں میں کچھ تھوڑی ہی جگہ رہ جاتی ہے۔ پھر کام والیاں ان خانوں کے منھ باہر سے بند کر دیتی ہیں۔ وہ اندر ہی ریشم کے کیڑے کی طرح کوئے بنایا کرتے ہیں اور اسی طرح دوسری حالت بدل کے مردہ سے ہو جاتے ہیں۔ جب مکھی بن جاتے ہیں

تو کوئے کو توڑ کر خانے کے باہر نکل آتے ہیں۔ کام والیاں ان کی بڑی خاطر داری کرتی ہیں اور کھانا پہنچاتی ہیں۔

نکھٹوؤں کے واسطے جو خانے بنتے ہیں وہ کام والیوں کے خانوں سے بڑے ہوتے ہیں۔ رانی ایسی عقل مند ہے کہ نکھٹوؤں کے انڈے انہی کے خانوں میں دیتی ہے اور کام والیوں کے انڈے ان کے خانوں میں۔ کام والیاں جو خانے رانی مکھیوں کے واسطے بناتی ہیں وہ اور خانوں کی نسبت بہت ہی بڑے تیار کرتی ہیں۔ لیکن جن انڈوں میں سے رانیاں اور کام والیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ بچوں کا رانی ہونا یا کام والی ہونا ان کی خوراک پر موقوف ہے۔ دیکھو، کیا عجیب بات ہے کہ جب کسی سبب سے رانی نہ رہے تو کبھی کبھی کام والیاں تین گھروں کو توڑ کر ایک بڑا خانہ بنالیتی ہیں۔ دو خانوں میں جو چھوٹے چھوٹے کرم پڑے ہوتے ہیں انہیں نکال کر پھینک دیتی ہیں اور تیسرے کے لئے شاہانہ کھانے حاضر کرنے شروع کرتی ہیں۔ وہی بڑھ کر رانی ہو جاتی ہے۔

دو رانیاں ایک گھر میں نہیں رہ سکتیں۔ اگر اتفاقاً ہو جائیں تو دونوں میں ایسی سخت لڑائی

ہوتی ہے کہ ایک مر جاتی ہے۔ بلکہ رانی کا بس ہو تو جن خانوں میں رانی بچے پل رہے ہیں انہیں زبردستی توڑے اور ڈنک مار کر مار ڈالے مگر کام والیاں ایسا کرنے نہیں دیتی ہیں - جب گھر میں مکھیوں کی افراط ہو جاتی ہے اور ان میں کوئی نئی رانی بھی اپنے خانے میں سے نکلنے والی ہوتی ہے تو بہت سی کام والیاں پرانی رانی کو آگے سے آکر گھیر لیتی ہیں اور اسے حریف پر حملہ نہیں کرنے دیتیں۔ پرانی رانی بے چین ہو کر گھبرانے لگتی ہے اور آخر اڑ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بہت سی مکھیاں ایک جتھا باندھتی ہیں اور اکٹھی اڑ جاتی ہیں کہ کہیں نئی آبادی قائم کریں۔ جو مکھیاں پرانے وطن میں رہ جاتی ہیں وہ یہاں نئی رانی کو تخت شاہی پر بٹھا دیتی ہیں۔ اکثر برس میں دو دو تین تین جتھے نکل جاتے ہیں۔ رانیاں تین برس سے اکثر زیادہ جیتی ہیں -

نکھٹو بڑے سست ہوتے ہیں، کام بالکل نہیں کرتے اور کھاتے بہت ہیں - سال بھر میں ایک دفعہ جتنے نکھٹو موجود ہوتے ہیں انہیں کام والیاں نکال کر مار ڈالتی ہیں -

گھر کا سارا کام، کام والیاں کرتی ہیں۔ خانے بناتی ہیں۔ شہد لا کر جمع کرتی ہیں - رانی کی حفاظت اور

خدمت میں سرگرم رہتی ہیں۔ بچے پالتی ہیں۔ نکھٹوؤں
کو مار ڈالتی ہیں۔ گھر کی نگہبانی کرتی ہیں۔ ان کے
خانے موم کے ہوتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ موم
شہد سے نکلتا ہے اور کام والیوں کے پیٹ والے
حصے میں تیار ہوتا ہے۔ خانے برابر برابر بہت خوب
صورتی سے بنے ہوتے ہیں۔ تمہیں یاد ہے؟ ابھی ہم کہہ
آئے ہیں کہ انہی میں سے بعضوں میں بچے نکلتے ہیں۔
باقیوں میں بچوں کے لئے خوراک اور پردار مکھیوں
کے لئے شہد جمع ہوتا ہے۔ مہال چھتوں میں لگے
رہتے ہیں۔ ان میں دو طرفہ خانے ہوتے ہیں اور خانوں
کی پیٹھیں آپس میں ملی ہوئی۔ مہال گویا موم کا ایک
تختہ ہوتا ہے جس میں شش پہلو خانے دونوں طرف
کھدے ہوتے ہیں۔ مکھیاں مہال کو اوپر سے بناتی ہیں۔
پھر درجہ بدرجہ موم چڑھاتی جاتی ہیں اور معمولی
صورت پر لے آتی ہیں۔ یہ عقل مند کاریگر اس پھرتی سے
کام کرتی ہیں کہ کبھی کبھی چودہ انچ لمبا اور
سات انچ چوڑا مہال جس میں چار ہزار خانے تھے،
ایک دن رات میں بنالیا ہے۔ ایک دن میں کئی کئی
مہال چھت سے لٹکتے ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ کام
والیوں کی عمر زیادہ نہیں ہوتی۔ بچاریاں کچھ ہی برس
ہی دن میں اکثر مر جاتی ہیں۔

پھولوں کے غبار اور شہد کے سوا کام والیان ایک لیس دار چیز بھی جمع کرتی ہیں، جو خاص خاص درختوں کی کلیوں میں سے نکالتی ہیں۔ اسے گھر کی چھت میں اکثر اس جگہ چپکا تی ہیں جہاں مہال لگانے کی تجویز ہے۔ اسی سے مہال کے خانوں کو مضبوط کرتی ہیں۔ گھر میں کہیں چھید ہو جائے تو اسی سے بند کرتی ہیں۔ کوئی بڑا سا کیڑا آجائے جسے نکال نہ سکتی ہوں تو اسی میں لپیٹ دیتی ہیں اور اسی میں اس کی قبر بنادیتی ہیں۔

کشمیر میں اور پہاڑوں کے مختلف حصوں میں لوگ شہد کی مکھیاں پالتے ہیں۔ مہال کے لئے دیوار کے اندر گھر بنا دیتے ہیں۔ اس میں دونوں طرف منہ رکھتے ہیں۔ ایک اپنے مکان میں اندر کے رخ اور ایک باھر کے رخ۔ ان پر مٹی کی رکابیاں ڈھکی رہتی ہیں۔ باھر والی رکابی کے بیچوں بیچ میں[۱] ایک گول چھوٹا سا سوراخ رکھتے ہیں کہ آنے جانے کا رستہ رہے۔ اکثر برسات سے تھوڑے دنوں بعد شہد نکال لیتے ہیں۔ ایک دن مالک آتا ہے، ان کے گھر کے دونوں منہ کھول دیتا ہے اور اپنے مکان کے اندر سے مہال میں دھواں پہنچاتا ہے۔ مہال پر مکھیوں کے جتھے کے جتھے

۱۔ میں حشو ہے' یہ غالباً سہو طباعت ہوگا۔ (ادارہ)

بیٹھے ہوتے ہیں۔ دھوئیں سے ان کے دم گھٹنے لگتے ہیں۔ باھر کے رخ سے نکل نکل کر اڑنے لگتی ہیں۔ پھر مالک کئی مہال شہد سمیت لے لیتا ہے۔ باقی مکھیوں کے لئے رہنے دیتا ہے کہ جاڑے میں ان کے کام آئیں۔ کیونکہ اس موسم میں وھاں پھول بالکل نہیں ہوتے۔

خدا کی خدائی میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے غور سے دیکھیں اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہو۔ کوئی جانور ایسا نہیں جس سے مفید باتیں معلوم نہ کریں۔ مگر ساری مخلوق میں شہد کی مکھی سے زیادہ کسی سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ چھوٹا سا کیڑا ھمیں عجیب عجیب باتیں بتاتا ھے۔ خوش انتظامی، فرمانبرداری، محنت، مہربانی اور دور اندیشی سکھاتا ھے۔ اس کے گھر کے کاروبار اور تدبیروں سے خوش انتظامی سیکھو۔ رانی کے ادب، قانون، اور قاعدوں کی پابندی سے فرمانبرداری کی ھدایت پکڑو۔ ھمیشہ اپنے کام میں برابر لگا رھتا ھے۔ اس سے محنت کی تعلیم لو۔ بچوں کو کس شفقت اور خبرداری سے پالتا ھے۔ اس سے محبت اور مہربانی کا نمونہ لو۔ گرمی میں خوشی خوشی محنت کرتا ھے اور جاڑے کے لئے ذخیرہ بھرتا ھے اس سے دور اندیشی کی عینک حاصل کرو۔

دیمک

سب جانتے ہیں کہ یہ کیسی ستیاناس کرنے والی ہے۔ شاید تم نے بھی دیکھا ہو کہ ان موذی کیڑوں نے اچھی مضبوط دری کو رات بھر میں چھلنی کردیا ہے۔ کبھی کسی صندوق کا قفل کھول کر دیکھا ہوگا کہ آر پار چھید کرکے رستے بنالئے ہیں۔ ان پر مٹی کی تہ چڑھا دی ہے۔ اور جو چیزیں اندر رکھی تھیں سب خاک میں ملادی ہیں۔ تعجب نہیں ایسا بھی ہوا ہو کہ چھت یکایک گر پڑی ہوگی اور تم دبتے دبتے بچ گئے ہو۔ ظاہر میں کڑیاں اچھی خاصی معلوم ہوتی ہوں گی، مگر دیمک نے اندر سے جگر کھالیا ہو۔ اوپر سے چھلکا ہی چھلکا رہ گئی ہوں۔ اس طرح بہتیری جانوں کا نقصان ہوگیا ہے۔ اگر کبھی خوش قسمتی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دیمک نے اندر سے لکڑی کھالی ہے تو نئی کڑیاں ڈالنے میں بڑی لاگت پڑتی ہے۔

دیمک اتنے نقصان کرتی ہے پھر بھی اس کی باتیں دیکھ کر بڑی کیفیت آتی ہے۔ تعجب آتا ہے کہ اتنا سا جانور، مکانوں کے بنانے میں یہ کاری گری، اور

خانہ داری کا ایسا انتظام۔

مختلف ملکوں میں مختلف قسم کی دیمکیں ہوتی ہیں۔ بہتیری اکٹھی رہتی ہیں اور ہمیشہ بڑے بڑے نقصان کرتی ہیں۔

اکثر کیڑوں کی طرح دیمکیں تین حالتیں نہیں بدلتیں۔ جب پر دار ہو جاتی ہیں تو ان کے چار بازو ہوتے ہیں، مگر ساری دیمکیں پر دار نہیں ہوتیں۔ جن کے بازو نہیں ہوتے وہ دو قسم کی ہیں، سپاھی اور کام والی۔ سپاھی پر دار سے چھوٹے ہوتے ہیں اور کام والیاں سپاھی سے۔

آتی برسات بے شمار پر دار دیمکیں اپنے گھروں سے نکل پڑتی ہیں۔ جب رات کو ھوا بند ہوتی ہے تو چراغوں اور شمعوں کی روشنی دیکھ کر ہزاروں ہمارے گھروں میں آ جاتی ہیں اور اپنے نازک پروں کو روشنی پر قربان کرکے زمین یا بچھونوں پر گر پڑتی ہیں۔

ان کے بازو یوں بھی دیر تک نہیں رہتے۔ چراغوں اور شمعوں سے جو بچ جاتی ہیں ان کی بھی یہ صورت ہوتی ہے کہ آج گھر سے نکلیں اور کل ھی بے پر، بے گھر، زمین پر پڑی رینگتی ہیں۔ بہتیرے کیڑے خصوصاً چیونٹیاں ان کی تاک میں رہتی ہیں۔

طرح طرح کے جانور بھی انہیں شکار کرتے ہیں۔
بہت ہی کم ہوتی ہیں کہ بچ رہتی ہیں۔ کام والیاں
جن کے جھنڈ کے جھنڈ ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں
بچی ہوئی میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ
پکڑ لے جاتی ہیں اور انہیں اپنا راجا بنا لیتی ہیں
ان کے لئے ایک چھوٹا سا مٹی کا خانہ بنا دیتی ہیں
اور دروازہ اتنا رکھتی ہیں کہ صرف آپ یا سپاہی
آجا سکیں۔ راجا اور رانی نہ نکل سکیں۔ یہ دونوں اسی
قید خانے میں باقی عمر گزار دیتے ہیں۔ کام والیاں ان
کے لئے کھانا برابر پہنچائے جاتی ہیں۔ رانی انڈے دینے
میں آفت ہے۔ کبھی ایک منٹ میں ساٹھ یعنی رات دن
میں اسی ہزار سے بھی زیادہ انڈے دیتی ہے اور اس
حالت میں دو برس جیتی ہے۔ اب تم ہی سمجھ لو
کتنا کنبہ ہوگا۔

دیمکوں کے جتھے میں کام والیاں سب سے
زیادہ ہوتی ہیں اور سپاہی سو میں ایک۔ کام والیاں
گھر بناتی ہیں، مرمت کرتی رہتی ہیں، ذخیرہ جمع
کرتی ہیں۔ راجا اور رانی کی خدمت میں حاضر رہتی ہیں
اور بہت سے خانے تیار رکھتی ہیں۔ جہاں رانی نے
انڈے دئے اور اٹھا کر خانے میں رکھ آتی ہیں۔ ان
خانوں کا انتظام رکھتی ہیں۔ انڈوں سے بچے نکلتے ہیں تو

دایہ کا کام دیتی ہیں۔ جب تک وہ آپ اپنا کام کرنے کے لائق ہوں انہیں پالتی ہیں اور ان کی خبر داری رکھتی ہیں۔ یہ اپنا کام ہمیشہ اندھیرے میں کرتی ہیں۔

سپاہیوں کے سر اور جبڑے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ وہ گھر کا کام نہیں کرتے۔ سنتریوں کی طرح پہرا دیتے ہیں۔ دشمن آجائے تو اس سے لڑتے ہیں، کام والیوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ راجا اور رانی کی نگہبانی میں مصروف رہتے ہیں۔

ہندوستان میں دیمک کے گھر زمین کے نیچے ہوتے ہیں۔ کام والیاں انہی میں بچوں کے لئے بہت سے خانے اور ذخیرے کے لئے کوٹھڑیاں بنا دیتی ہیں اور ان میں آنے جانے کے لئے رستے رکھتی ہیں۔ زمین کے نیچے بھی دور دور تک مٹی کھود کر رستے بناتی ہیں۔ جب خوراک کی تلاش میں نکلتی ہیں تو یہی ان کی سڑکیں ہوتی ہیں۔ اکثر مکانوں کی دیواروں میں بھی رستے نکال لیتی ہیں۔ خصوصاً کچی دیواروں میں۔ رستوں سے کڑیوں تک جا پہنچتی ہیں۔ لکڑی کا جگر کھا جاتی ہیں اور اندر سوکھی مٹی بھر دیتی ہیں۔ کبھی اسی طرح درختوں پر بھی رستہ نکال کر چڑھ جاتی ہیں۔ ان کی پٹی ہوئی سڑکیں کبھی کبھی کڑیوں، دیواروں اور درختوں کی ٹہنیوں پر بھی باہر کے رخ نظر

آیا کرتی ھیں -

کبھی کبھی ناگ پھنی یا کسی اور چھوٹی جھاڑی پر جسے یہ کھا جاتی ھیں مٹی کا ایک انبار جمع کردیتی ھیں - بعض ملکوں میں اپنے رھنے کے لئے مٹی کے ٹیلے بنالیتی ھیں- یہ ٹیلے افریقہ میں اکثر بارہ فٹ کبھی سولہ فٹ تک پہنچ جاتے ھیں اور ایسے مضبوط ھوتے ھیں کہ آدمی یا مویشی چڑھ جائے تو بھی انہیں خبر نہ ھو-

لاکھ کا کیڑا

کشمیری رنگریزوں کے کارخانے میں شاید تم نے دیکھا ہوگا کہ لال لال اونی کپڑے سوکھا کرتے ہیں۔ اگر رنگریز سے پوچھو کہ یہ بہار کا رنگ کس چیز سے نکلا ہے، تو وہ کہے گا کہ صاحب! یہ لاکھ کا رنگ ہے۔ شاید تم کو معلوم نہیں یہ خوب صورت رنگ ایک ننھے سے کیڑے سے نکلتا ہے اور اسی کی بدولت چپڑا لاکھ پیدا ہوتی ہے جو بہتیری چیزوں کے بنانے میں کام آتی ہے۔

تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بیری کی ٹہنیوں پر چھوٹے چھوٹے بلبلے سے ابھرے ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں صاف شفاف ہاتھ لگاؤ تو کچھ چپچپے۔ لاکھ کے کیڑوں کے یہی گھر ہیں اور یہی ان بچاروں کی قبریں۔ یہ چھوٹا سا کیڑا چپٹا اور گول ہوتا ہے، رنگ گہرا سرخ۔ درختوں کا چپچپا رس چوسا کرتا ہے۔ اکثر پیپل، ڈھاک اور خصوصاً بیری پر رہتا ہے جو بنجر زمینوں میں بہتات سے ہوتی ہے۔ جب مادہ کسی ٹہنی کا رس چوستی ہے تو ٹہنی میں سے ایک چیپ سا نکلتا ہے اور اس کے چاروں طرف چمٹ جاتا ہے۔ مادہ اس میں

ایک ننھی پوٹلی سی نظر آتی ہے جو ذرے کے برابر ہو، سرخی سے بھری ہوئی ۔ اسی سرخی سے لاکھ کا رنگ پیدا ہوتا ہے جس سے چیزیں رنگی جاتی ہیں ۔ جس چیپ میں مادہ بند ہے وہ ہوا سے خشک ہو کر لاکھ بن جاتا ہے ۔ چیپ سے جو گھر سا بن گیا ہے، مادہ اس میں بہت سے انڈے دیتی ہے ۔ برسات سے کچھ ہی پہلے ان میں سے بچے نکل آتے ہیں ۔ وہ اندر ہی اندر ماں کا جسم کھا کر باہر آنے کا رستہ بنالیتے ہیں ۔ اور ٹہنی پر اس بہتات سے پھیلتے ہیں کہ ریت کے لال لال ذروں سے وہ ڈھکی نظر آتی ہے ۔ ایک ٹہنی پر ان کی کئی پشتیں گزر جاتی ہیں۔ اسلئے لاکھ کی دل دارتہ اس پر جم جاتی ہے۔ لاکھ اصل میں سو ہزار کو کہتے ہیں۔ یہ کیڑے جس درخت پر رہتے ہیں بڑی افراط سے ہوتے ہیں، اس لئے ان کا یہ نام پڑ گیا ہے۔ ان میں مادہ بہت ہوتی ہیں، نر کم۔ نر جب عمر کے پکے ہو جاتے ہیں تو دو پر نکل آتے ہیں ۔

جن ٹہنیوں پر لاکھ ہوتی ہے ان کو سال میں دو دفعہ جمع کرتے ہیں۔ اول تو گرمی کے شروع میں مادہ کے انڈے دینے سے پہلے پہلے، کیونکہ اس وقت اس کے بدن میں سرخی بھری ہوتی ہے ۔ اور رنگ لینے کے لئے یہی اچھا موقع ہے، پھر دوبارہ برسات بعد،

اب بہت کم رنگ رہ جاتا ہے۔

جب ٹہنیوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں تو لاکھ کو کیڑوں سمیت ان پر سے اتار لیتے ہیں۔ یہ کچی لاکھ کہلاتی ہے۔ پھر اکثر پانی میں بھگو دیتے ہیں، رنگت نکل آتی ہے۔ بھگونے سے لاکھ کی ڈلیاں ٹوٹ کر چورا ہوجاتی ہیں۔ اسے لاکھ دانہ کہتے ہیں۔

لاکھ دانے کو ایک کپڑے میں لپیٹ لیتے ہیں اور اسے کوئلے کی آگ سے سینکتے ہیں۔ جب وہ پگھل جاتا ہے تو کپڑے کو مروڑی دے کر نچوڑتے ہیں۔ پگلی ہوئی لاکھ اس میں سے نکل آتی ہے۔ اسے کیلے کے چکنے چکنے ڈنٹھلوں پر ڈال کے ٹھنڈا کرتے ہیں۔ اس طرح پتلے پتلے پترے بن جاتے ہیں۔ یہ چپڑا لاکھ کہلاتی ہے اور بازاروں میں بکتی ہے۔

مہر کرنے کی لاکھ میں رنگ اور اور چیزیں بھی ملانی پڑتی ہیں۔ لاکھ کی چوڑیاں بھی بنتی ہیں جن پر پوتھ اور پنی لگاتے ہیں۔ ہندوستان کی عورتیں انہیں بہت پہنا کرتی ہیں۔ لاکھ میں موم، گندک اور مختلف رنگ کی چیزیں ملا کر رنگ بناتے ہیں۔ کانچ کی چوڑیاں اور کاٹھ کی چیزوں پر چڑھاتے ہیں، خاص کر خراطی اسے بہت کام میں لاتے ہیں۔ چارپائیوں کے پائے، ڈبے، کھلونے، کاٹھ کی اور اور چیزیں جو

مکانوں میں سجانے کے لائق ہوتی ہیں، یہ سب لاکھ کی بدولت طرح طرح کے رنگ روپ دکھاتی ہیں۔ جب کوئی کاری گر یہ رنگ چڑھاتا ہے تو عجیب لطف آتا ہے۔ طرح طرح کے نمونے بناتا ہے۔ کس پھرتی سے کام کرتا ہے۔ کیا ایک ایک رنگ کو الگ الگ کرکے دکھاتا ہے۔

لاکھ کا رنگ اکثر پتلا ہی رکھتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی پانی خشک کرکے رنگ کی ٹکیاں بھی بنا لیتے ہیں۔ کم قیمت ریشم اور اونی کپڑے مثلاً لوئیاں وغیرہ لاکھ کے رنگ سے رنگی جاتی ہیں۔ کھٹیک اس سے بھیڑ بکری کی کھالیں رنگتے ہیں۔ معمار مکانوں میں طرح طرح کے بیل بوٹے بناتے ہیں۔ نقاش اور کمان گر بھی اپنی اپنی کاری گری دکھاتے ہیں۔

قرمزی رنگ زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اس سے بیش قیمت ریشم اور شال دوشالے رنگے جاتے ہیں۔ یہ رنگ بھی ایک ایسے ہی کیڑے سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کا کیڑا ناگ پھنی پر رہا کرتا ہے۔ ہندوستان میں یہ رنگ اکثر اور ملکوں سے آتا ہے۔ یہاں نہیں کہیں ہوتا ہے اور وہ بھی بہت تھوڑا۔

مگرمچھ

یہ بڑا جھلا اور ہیبت ناک ہے ۔ شکاری جانوروں میں سب سے زیادہ زبردست ہے ۔ اکثر دریاؤں میں رہتا ہے۔ کہیں کہیں سمندر میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن کنارے سے دور نہیں جاتا۔ ایک اور قسم کا مگر مچھ ہے جو اکثر جھیلوں میں رہتا ہے، پر ان دونوں میں کچھ بڑا فرق نہیں ہوتا ۔ مگر مچھ کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے بڑی چھپکلی، چوڑا اور چپٹا منہ، جبڑوں میں بڑے بڑے دانتوں کی قطاریں، جن سے بڑی ڈراؤنی اور خونخوار صورت ہو جاتی ہے۔ سینگ کے سے چھلکے جسم پر چھائے ہوئے۔ بچاؤ کے لئے پیٹھ پر لمبی اور موٹی ھڈی کی ڈھالیں ۔ چار چھوٹی چھوٹی مضبوط ٹانگیں ۔ اگلے پاؤں میں پانچ اور پچھلے میں چار انگلیاں۔ ھر ایک پاؤں کی تین اندر والی انگلیوں میں ناخن ۔ پاؤں کے پاس انگلیوں پر جھلی چھائی ہوئی جس سے تیرنے میں بڑی مدد ملتی ہے ۔ ملگجا سا سبزی مائل رنگ، اس پر کالے کالے دھبے ۔ آنکھوں پر پپوٹے جن سے کھلتی مندتی ھیں ۔ کانوں پر بھی کھلتے مندتے ڈھکنے تا کہ جب غوطہ مارے تو ان میں پانی نہ بھر جائے۔

زبان پٹھوں کی طرح سخت اور ایسی موٹی جیسے گوشت کا بڑا لوتھڑا۔ یہ نیچے کے جبڑے میں چمٹی ہوتی ہے۔ اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ مگر مچھ کی زبان ہی نہیں۔ لمبی اور بڑی مضبوط دم، اس پر برابر برابر کانٹوں کی قطار۔ جب تیرتا ہے تو آگے چلنے میں دم سے بڑی مدد ملتی ہے۔ مگر مچھ اکثر بیس فٹ سے زیادہ لمبا ہوتا ہے اور بعض تیس فٹ کا بھی۔

مگر مچھ اکثر دریاؤں کے کنارے کالی کیچڑ پر پڑے دھوپ کھایا کرتے ہیں۔ دور سے دیکھو تو ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کیچڑ میں لتھڑے، بڑے بڑے کندے پڑے ہیں۔ سوتے ایسے بے خبر ہیں کہ اگن بوٹ خوب زور سے گڑگڑاتے اور چھینٹے اڑاتے کوئی دس گز پاس سے نکل جاتے ہیں، انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ مچھلیاں، کچھوے اور مردار کھایا کرتے ہیں۔ جو جانور کنارے پر پانی پینے آتے ہیں ان کو بھی آ کر لپک لیتے ہیں اور اتنی دیر نیچے دبائے رکھتے ہیں کہ وہ گھٹ کر مر جاتے ہیں۔ لیکن کھاتے جب ہیں کہ گوشت سڑنے لگتا ہے۔

۔۔۔ نہاتے ہوئے مرد عورتوں اور بچوں کو بھی لے جاتے ہیں۔ اس لئے کہیں کہیں ان کی روک کے لئے دریا میں، گھاٹوں کے آگے لکڑیاں گاڑ دیتے ہیں

کہ لوگ نچنت ہوکر نہائیں اور پانی بھر بھر کر لے جائیں۔ لیکن بعض دفعہ یہ کنارے پر چڑھتے ہیں اور خشکی کی طرف سے احاطے کے اندر آ جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک ہندو کی لڑکی گھاٹ پر گھڑا بھرنے آئی۔ ظالم تاک لگائے بیٹھا تھا۔ جونہی پانی میں پاؤں رکھا جھٹ آن کر جھپٹا مارا، اور اپنے ڈراؤنے جبڑے میں پکڑ کر کنارے پر چڑھ گیا۔ لڑکی بچاری ہاتھ پاؤں مارتی اور چیختی رہی؟ کوئی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ ظالم اسے لے کر دریا میں کود گیا۔ ڈوبتے وقت ایک چیخ کی آواز آئی۔ پانی میں حلقے پڑتے رہے۔ پھر کچھ بلبلے اٹھے آخر بچاری کا کام تمام ہوگیا۔

مگرمچھ پانی میں تو پھرتی سے تیر سکتا ہے لیکن خشکی پر بڑے بھدے پن سے چلتا ہے۔ اور ڈیل ڈول کی لمبان کے سبب جھٹ پٹ مڑ نہیں سکتا۔ پھر بھی کبھی کبھی شکار پر حملہ کرنے کو پانی سے باہر بھی نکل آتا ہے۔ ایک دفعہ بنگالے میں کچھ قیدی جیل خانے کے باہر دریا کے کنارے قطار باندھے کھڑے تھے۔ پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ صاحب مجسٹریٹ ملاحظے کو آنے والے تھے۔ پولیس کے پہرے سمیت سب پچاس آدمی موجود ہوں گے۔ دفعتاً ایک مگرمچھ کنارے پر آیا۔ صف میں سے ایک قیدی کو پکڑ کر

گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ لوگ پیچھے دوڑتے ہی رہے وہ دریا میں کود، غوطہ مار غائب ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ خشکی میں کبھی کبھی چھوٹے سے مگر مچھ پر شیر حملہ کیا کرتا ہے۔ سوتے ہوئے کی پیٹھ پر جھپٹ کر جا بیٹھتا ہے۔ جبڑے سے سر کو الٹا کر گردن سے اس طرح ملا دیتا ہے کہ ریڑا[1] کی ھڈی کی چول اکھڑ جاتی ہے۔ پانی میں ہو تو مگر مچھ قوی سے قوی جانور پر بھی حملہ کرنے سے نہیں رکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہاتھی دریا کے پار جایا کرتے ہیں تو کبھی کبھی کوئی بہت ہی بڑا مگر مچھ ان میں سے بھی کسی کو پانی میں کھینچ کر ڈبو دیتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی شخص درخت کے ٹہنے پر بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ ٹہنا پانی پر چھایا ہوا تھا۔ کچھ پھوہار بھی پڑ رہی تھی۔ اس شخص نے اپنے تئیں بچانے کے لئے سر اور کندھوں پر ایک کپڑا اوڑھ رکھا تھا۔ اس حالت میں اسے ایک تیندوے نے تاکا اور چاہا کہ اس کا لقمہ کیجئے۔ دبے پاؤں جنگل سے آیا اور اچانک اس پر جھپٹا۔ آدمی کی خوش قسمتی سے تیندوے کے منہ میں کپڑا آیا۔ آدمی تو بچ گیا مگر تیندوا دریا میں جا پڑا۔ ایک مگر مچھ بھی اس

۱- ریڑھ ہونا چاہئے (ادارہ)

شکاری کی تاک میں بیٹھا تھا۔ جونہی تیندوا پانی میں گرا اس نے جھٹ جبڑوں میں دبوچا اور تہ میں لے پہنچا۔

مگر مچھ انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ مادہ دریا کے کنارے کیچڑ یا ریت میں انڈے دیا کرتی ہے۔ وہ آفتاب کی گرمی سے کھنکا[۱] جاتے ہیں۔ ڈیل ڈول پر خیال کیا جائے تو مگرمچھ کے انڈے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس کے انڈے بہتیرے اور جانور کھا جایا کرتے ہیں۔

بچے بہت چھوٹے چھوٹے کوئی پانچ یا چھ انچ لمبے ہوتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی پانی میں چلے جاتے ہیں اور جب تک اس لائق نہیں ہوتے کہ اپنے کھانے پینے کا آپ فکر کریں انہیں ماں پالتی ہے۔

جب گرمی اس شدت سے پڑتی ہے کہ اکثر نالے اور جھیلیں خشک ہوجاتی ہیں، تو جو مگر مچھ ان میں رہتے ہیں انہیں نہ کھانا ملتا ہے نہ پانی۔ اکثر کیچڑ ہی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ وہیں پڑے سویا کرتے ہیں۔ جب برسات آتی ہے تو ان میں جان آ جاتی ہے۔ سر رشتۂ پیمائش کے ایک افسر کی عجیب کہانی ہے۔ اس نے ایک سوکھی ہوئی جھیل میں ڈیرا کیا تھا۔

۱۔ کھ پر پیش ہے۔ (ادارہ)

رات کو پلنگ کے نیچے زمین ہلتی معلوم ہوئی۔ دوسرے دن دیکھا تو دری کے نیچے سے ایک مگر مچھ نکلا۔

جب سارے نالے اور تالاب خشک ہو جاتے ہیں تو بعض دفعہ مگر مچھ پانی کی تلاش میں جنگلوں میں بھی پھرا کرتے ہیں۔ ان کی ایک نقل کتابوں میں لکھی ہے کہ رات کے وقت کسی سوکھے تالاب میں سے بہت سے مگر مچھ نکلے۔ پاس ایک قصبہ تھا۔ اس کے دوسری طرف اور تالاب تھا۔ وہ قصبے میں سے ہو کر اس تالاب میں پہنچے۔ بعض ان میں سے باغ کی باڑوں میں پھنس کر رہ گئے۔ دن نکلے لوگوں نے دیکھا اور مار ڈالا۔

ہندوستان کے بعض مقاموں میں مگر مچھ کو مقدس جانتے ہیں۔ تیرتھوں کے فقیر انہیں پالا کرتے ہیں۔ جاتری لوگ جاتے ہیں، روپے چڑھاتے ہیں۔ فقیر اس چڑھاوے میں اپنے ساتھ ان کا بھی گزارا کرتے ہیں۔ مندروں کے مگر مچھ موٹے، سست اور کچھ رحم دل ہو جاتے ہیں۔ تالابوں کی پٹڑیوں پر پڑے دھوپ میں سکتے ہیں یا کیچڑ میں لوٹا کرتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک اور جانور بھی ہوتا ہے جس کو گھڑیال کہتے ہیں۔ اس کی تھوتھنی لمبی اور پتلی ہوتی ہے، دانت باریک اور تیز۔ گنگا اور

ہندوستان کے اور دریاؤں میں گھڑیال کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ وہ اکثر مچھلی اور مردار کھاتے ہیں۔ جانوروں کو کم پکڑتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی آدمی پر حملہ کر بیٹھتے ہیں۔ جب انگلستان کے شاہزادے صاحب، ولی عہد بہادر کے چھوٹے بھائی ہندوستان میں سیر کے واسطے تشریف لائے تو نیپال کی سرحد کی طرف شکار کھیلنے گئے۔ ایک دن ان کا کمپو ندی کے پاس پڑا ہوا تھا۔ ایک شخص ندی کے پار اترتا تھا۔ کہ گھڑیال نے اس پر حملہ کیا۔ اس کی چیخیں سن کر ایک سپاہی دوڑا۔ پہلے گولی ماری، پھر پانی میں اتر کر سنگین چلائی۔ اتنے میں ایک افسر بھی آ پہنچا۔ اس نے رائفل کی گولی سے اس موذی کو شکار کیا۔

موتی

آب دار اور خوش نما موتی جب نظر آتے ہیں، تو کیا بھلے معلوم ہوتے ہیں! تم نے بھی دیکھے ہوں گے۔ جڑاؤ گہنوں میں جڑے ہوئے، خوب صورت زیوروں میں پروئے ہوئے یا لڑیوں میں لٹکتے ہوئے، قیمتی لباسوں میں ٹکے ہوئے، بڑے بڑے امیروں کی ٹوپیوں اور پگڑیوں کے طرے میں جھلکتے ہوئے یا گلے کے ھاروں میں چمکتے اور دمکتے ہوئے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ جو مکان نہایت تعریف کے قابل ہوتا ہے اس کے نام کے ساتھ بھی موتی لگاتے ہیں۔ جیسے موتی مسجد، موتی باغ، موتی محل، موتی جھیل۔ ھندو، موتی لعل نام کو بہت پسند کرتے ہیں۔ کوئی جانور خوب صورت ہوتا ہے تو اس کا نام بھی موتی رکھ لیتے ہیں۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ موتی آتے کہاں سے ہیں؟ آسمان سے برستے ہیں یا درختوں میں لگتے ہیں؟ زمین کے اندر سے نکلتے ہیں یا دریا میں سے پیدا ہوتے ہیں؟ آؤ، اس کا حال ہم تمہیں سنائیں۔

موتی ایک جانور میں ہوتا ہے جو سمندر کی تہ میں رہتا ہے۔ اس کا نام موتیا جانور رکھو تو پھبتا ہے۔

اس کے اوپر ایک طرح کا غلاف ہوتا ہے، ایسا سخت جیسے پتھر۔ سوتیا جانور کی طرح اور بھی بہتیرے جانور ہیں کہ الگ الگ وضع کے سخت غلافوں میں رہتے ہیں۔ بعض سمندر میں، بعض جھیلوں اور دریاؤں میں، اور کچھ خشکی پر ایسے مقاموں میں میں جہاں گیلی زمین ہوتی ہے۔ انگریزی میں اس طرح کے غلاف کو شیل[۱] کہتے ہیں۔ ان کی صورتیں اور ڈیل ڈول مختلف ہیں۔ بعض ان میں سے نہایت خوب صورت ہوتے ہیں۔ بعض قسمیں ہندوستان میں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ کوڑی، گھونگھے، سنکھ، سب شیل کی قسمیں ہیں۔ کوڑیاں جو گھر گھر اور دکان دکان دیکھتے ہو یہ سیکڑوں کوس سے آتی ہیں۔ سمندر کی لہروں نے انہیں کناروں پر پھینک دیا ہے۔ یہ بھی کسی زمانے میں چھوٹے چھوٹے جانوروں کے گھر تھے۔ گھونگھے بھی تم نے ندی نالوں اور نہروں کے کناروں پر دیکھے ہوں گے۔ سنکھ سب جگہ صبح شام ہندوؤں کے مندروں میں بجا کرتے ہیں۔ سنکھ ڈھاکے کے لوگ مول لیتے ہیں اور آریوں سے تراش کر ہاتھ پاؤں کی چوڑیاں بناتے ہیں۔

سوتیا جانور جس غلاف میں رہتا ہے اس کے

۱۔ انگ : Shell (ادارہ)

دو ٹکڑے ہوتے ہیں جیسے دو رکابیاں اوپر تلے ڈھکی ہوئی۔ ہر ایک ٹکڑا کوئی نو انچ چوڑا ہوتا ہے۔ یہ دونوں ٹکڑے اس طرح جڑے ہوتے ہیں جیسے ڈبا نر مادگی[۱] سے۔ اسی سبب سے جب چاہتا ہے غلاف کو کھول لیتا ہے اور بند کردیتا ہے۔ اس جانور کا منھ ہوتا ہے اور گلپھڑے کے چھیدوں سے دم لیتا ہے۔ مگر نہ سر نہ ٹانگیں، نہ بازو۔ انہی دونوں رکابیوں کے بیچ میں سے ریشم کا ایک گچھا سا نکلا ہوتا ہے۔ یہ ایک لیس دار چیز ہے جس کے سبب یہ جانور پہاڑوں کی چٹانوں میں چمٹ جاتے ہیں جو سمندر کی تہ میں ہوتی ہیں۔

ان کے بچے پیٹ کے اندر ہی انڈوں سے نکل آتے ہیں۔ بڑی بہتات سے ہوتے ہیں اور ایسے مہین مہین کہ بے خورد بین کے ہر ایک دکھائی نہیں دیتا۔ پہلے پہل ان پر غلاف نہیں ہوتے۔ جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں اوپر غلاف بھی بنتے اور بڑھتے جاتے ہیں۔ ننھے ننھے جانور اور سمندر کی روئیدگی ان کی غذا ہے۔

اس جانور کا جسم بہت نازک ہوتا ہے۔ اسی واسطے خدا نے اسے ایک ایسی چیز دی ہے جو پانی سی پتلی ہے۔ وہی غلاف کے اندر جمتی جاتی ہے تاکہ

۱۔ صندوق کے قبضوں کو نر مادگی کہتے ہیں (ادارہ)

اس کے نازک جسم کو غلاف کے کھردرے پن سے تکلیف نہ ہو۔ پھر وہی سخت ہوتے ہوتے ایک صورت صاف شفاف استر سا بن جاتی ہے۔ اسے سیپ کہتے ہیں۔ بعض وقت چھوٹے چھوٹے کرم اس کے غلاف میں چھید کر دیتے ہیں۔ یہ اسی چیز سے چھید کو بند کرلیتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی ریت کا دانہ غلاف کے اندر چلا جاتا ہے اور اس کے چبھنے سے اسے بڑی بے چینی ہوتی ہے، تو وہی چیز اس پر بھی لپیٹ دیتا ہے۔ کبھی کوئی انڈا اس کے جسم کے اندر کچا رہ جاتا ہے تو اس پر بھی وہی لتھیڑ دیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے دانے اس طرح بنتے ہیں۔ یہی موتی ہیں۔

اگلے وقتوں کے لوگ سمجھتے تھے کہ موتیا جانور بہار کے موسم میں اپنے غلاف کو کھول کر پانی کے اوپر اوپر پھرتا ہے۔ مینہ یا شبنم کے قطرے اس میں پڑ جاتے ہیں اور وہی موتی بن جاتے ہیں۔

لنکا کے موتی سیکڑوں برس سے مشہور ہیں مگر ان کی بہتات میں کمی ہوگئی ہے۔ ہاں اب ان جانوروں کے بچانے کی تدبیریں کی گئی ہیں۔ امید ہے کہ بہت بڑھ جائیں گے۔ سمندر کے کنارے سے کوئی پندرہ میل بڑھ کر بیس گز گہرے پانی میں موتیا جانور نکلتے

ہیں۔ ان کا شکار گرمی کے موسم میں ہوا کرتا ہے۔ سمندر کے کنارے جہاں پہلے آدم زاد کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا، ان دنوں میں ناریل کے پتوں اور بانسوں کے ہزاروں چھپر نظر آنے لگتے ہیں۔ کوئی ڈیڑھ لاکھ آدمی خاص لنکا اور ہندوستان کے جمع ہو جاتے ہیں۔ آدھی رات گئے کوئی ڈیڑھ سو کشتیاں کنارے سے چلتی ہیں اور دن نکلتے ہی شکار شروع ہو جاتا ہے۔

ملاحوں کے سوا ہر کشتی میں دس دس غوطے خور بھی ہوتے ہیں۔ یہ باری باری سے کام کرتے ہیں۔ پانچ آدمی غوطہ مارتے ہیں۔ پانچ بیٹھ کر دم لیتے ہیں لمبی سی رسی میں ایک بھاری پتھر باندھتے ہیں۔ اس کا دوسرا سرا کشتی میں اٹکا دیتے ہیں۔ غوطہ مارتے وقت پتھر پانی میں ڈال کر پاؤں اس پر جما لیتے، ہیں اور رسی کو پکڑ لیتے ہیں کہ جھٹ پٹ تہ پر جا پہنچیں۔ ایک مضبوط چھرا ساتھ لے جاتے ہیں۔ جانور جو پہاڑ کی چٹانوں میں چمٹے ہوتے ہیں اس سے انہیں کاٹتے ہیں۔ ایک اور رسی میں جال کی جھولی یا ٹوکری بندھی ہوتی ہے۔ غوطہ خور تہ پر پہنچتے ہی جتنے جانور لے سکتا ہے سب سمیٹ کر ٹوکری میں ڈال لیتا ہے، اور رسی کو کھینچ کر

اشارہ کرتا ہے۔ اوپر سے جھٹ دو ملاح ٹوکری سمیت اسے کھینچ لیتے ہیں۔ غوطہ خور پانی میں کوئی ایک منٹ ٹھہرتا ہے۔ دن بھر میں چالیس پچاس غوطے لگاتا ہے اور ہر غوطے میں کئی سو جانور نکال لاتا ہے۔

جو جانور کشتیوں پر لدے ہوئے کنارے پر پہنچتے ہیں، انہیں ایسے گڑھوں میں ڈال دیتے ہیں جن کا گہراؤ کم ہوتا ہے۔ اوپر سے گڑھوں کو کھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ کی گرمی سے جانور سڑ جائیں۔ کیونکہ تازے ہوں تو غلاف کھولنا بڑا مشکل ہے، اور زور سے کھولنے میں خطرہ ہے کہ موتی خراب نہ ہو جائے۔ پھر انہیں لمبے لمبے کٹھڑوں میں رکھتے ہیں جو کھوکھلے درختوں کے بنے ہوتے ہیں۔ اب سمندر کے کھاری پانی سے دھو دھو کر موتی نکالتے ہیں اور جمع کرتے جاتے ہیں۔ پھر ان پر جلا دیتے ہیں اور بہتوں کو بندھوا کر لڑیوں میں پروتے ہیں۔ سوداگروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔

چین میں ایک مقام ہے جہاں اسی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے۔ وہ بہت سے جمع کرکے تالابوں میں پالتے ہیں۔ برس میں ایک دفعہ انہیں اکھٹا کرکے ان کے غلاف کھولتے ہیں۔ پیتل، ھڈی یا اور سخت چیزوں کے ننھے ننھے ٹکڑے کرکے غلافوں کے اندر

رکھ دیتے ھیں - یہ بھی کہتے ھیں کہ ایک قسم کی مچھلی کے چھلکوں کو پیستے ھیں۔ ان میں پانی ملاتے ھیں اور چمچے سے بھر بھر کر اندر ڈال دیتے ھیں - کوئی دس مہینے میں ان جانوروں کو پانی میں سے پھر نکالتے ھیں - اس وقت معلوم ھوتا ھے کہ اندر چھوٹے چھوٹے موتی غلاف کے ساتھ لگے ھوئے ھیں - ھڈی یا پیتل کو نکال ڈالتے ھیں، اور اس کی جگہ موم بھر دیتے ھیں۔ اور پھر ذرا سا غلاف کا ٹکڑا اوپر لگا دیتے ھیں کہ دیکھنے میں ثابت موتی نظر آتے ھیں مگر یہ بہت قیمت نہیں پاتے - بعض پیسے پیسے آتے ھیں اور ایسے بہت کم ھوتے ھیں جن کی قیمت تین آنے سے زیادہ ھو۔ کبھی کبھی بدھ کی چھوٹی چھوٹی تصویریں بھی بنا کر غلافوں میں ڈال دیا کرتے ھیں۔ ان پر بھی وھی چیز جم جاتی ھے۔

فرانس میں جھوٹے موتی اب ایسی حکمت سے بناتے ھیں کہ سچے موتیوں میں ملا دو تو نگاہ والے جوھری ھی انہیں پہچانیں گے -

چاقوؤں کے دستے، بٹن اور بہت سی چیزیں سیپ کی بنتی ھیں - اکثر پچی کاری کے بیل بوٹوں میں لگاتے ھیں - طرح طرح کی زیبائش کی چیزوں کے بنانے میں بھی کام آتی ھے۔

درختوں کا بیان

نارنگی یا رنگترہ

نارنگی کا درخت ہندوستان میں بہت پسند کرتے ہیں۔ باغ کو بڑی زینت دیتا ہے۔ پتوں کی گہری سبزی، چمکتی چمکتی رنگت، دیکھو بارہ مہینے آنکھوں میں ٹھنڈک پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی کھٹے، کاغذی نیبو، میٹھے، گلگل اور چکوترے کی طرح سدا بہار درخت ہے۔ انہی کی طرح اس کی یہ خاصیت ہے کہ پھول اور پھل بھی ایک ہی موسم میں اپنا اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ یہ بات اکثر پودوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے ایک ہی درخت سے کھلے ہوئے خوشبودار پھول بھی چن لو، اور ہری ہری گلیلیاں، سرخ زرد پکی پکی نارنگیاں جو چاہو توڑ لو، مگر پھولوں کی بہار آتی گرمی ہی میں ہوتی ہے۔ اس وقت میٹھی میٹھی خوشبو سے سارا باغ مہک جاتا ہے۔

آؤ! اس کا ایک مہکتا پھول اٹھائیں۔ ذرا غور سے دیکھو، ڈنڈی کے سرے پر ایک چھوٹی سی پیالی ہے۔

پیالی کے کنارے کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے پانچ کنگرے ھیں۔ یہ پیالی حقیقت میں پانچ چھوٹی چھوٹی پتیوں سے بنی ھے۔ یہ پتیاں آپس میں جڑی ھوئی ھیں اور کنگرے انھی کی نوکیں ھیں۔ ان پتیوں کو انگریزی میں سیپل کہتے ھیں۔ پیالی کے اندر سفید سفید پانچ کھلی ھوئی پنکھڑیاں ھیں۔ پنکھڑیوں کو اچھی طرح سے دیکھو تو ان پر بہتیری ننھی ننھی چتیاں نظر آئیں گی۔ یہ حقیقت میں تیل سے بھری ھوئی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ھیں۔ پھولوں میں سے جو تیز مہک نکلتی ھے وہ اسی تیل سے آتی ھے۔ پنکھڑیوں کے اندر چھوٹی چھوٹی چیزیں کھڑی ھوتی ھیں جیسے سوت کے ٹکڑے۔ انھیں زیرہ کہتے ھیں ان کے کئی کئی گچھے ھوتے ھیں۔ ھر ایک زیرے کے سرے پر زرد زرد روئے[1] سی ایک گھنڈی ھے۔ اس میں مہین مہین غبار سا ھوتا ھے۔ جس کا ذکر شہد کی مکھی کے بیان میں آیا تھا۔ اگر پنکھڑیاں اور زیرہ نکال لو تو بیچوں بیچ کا حصہ دکھائی دے گا۔ اسے انگریزی میں پسٹل کہتے ھیں۔ اسی سے اپنے وقت پر پھل بنتا ھے۔ پسٹل کو کاٹو تو نیچے کی طرف چھوٹے چھوٹے خانے معلوم ھوں گے۔ اور ھر ایک خانے میں ننھے ننھے بیج دکھائی دیں

۱۔ غالباً ''روئیں کی'' یا ''روئیں کی سی'' (ادارہ)

گے - زیروں کا غبار نہ ہوتا تو پسٹل سے نارنگی نہ بنتی - مگر اس کا ذکر اگلی کتاب میں آئے گا -

پھل کی تعریف کچھ ضرور نہیں - ہندوستان میں کون سا بچہ ہے جسے نارنگی کی رسیلی پھانکوں کا کھٹ مٹھا مزا یاد نہ ہوگا - یہ پھل بہتیرے کام آتا ہے - اس کا شربت نہایت مفرح ہوتا ہے - گودے اور چھلکے کا بڑا لذیذ مربا بنتا ہے - چھلکوں کو سکھاتے ہیں - صندل، خشخاش، اور اور چیزیں اس کے ساتھ ملاتے ہیں - پھر سب کو خشک پیس لیتے ہیں - اسے ابٹنا کہتے ہیں - شادیوں میں یہ دولھا دلھن کے ملتے ہیں - امیر کھانے کے بعد اکثر اس سے ہاتھ دھویا کرتے ہیں - بعض ملکوں میں چھلکوں کی تلخی لے کر دوا بناتے ہیں - کھانے سے پہلے پیتے ہیں تو خوب بھوک لگتی ہے -

تم جانتے ہو کہ جب نارنگی کا چھلکا اتار لیتے ہیں تو اس کی پھانکیں آسانی سے الگ ہو جاتی ہیں - ہر ایک پھانک میں اکثر ایک یا زیادہ بیج ہوتے ہیں - جو زمین ان بیجوں کے موافق ہو اگر اس میں بوئے جائیں تو اگ کر نارنگی کے درخت ہو جائیں گے - مگر پیوند لگانے کا زیادہ رواج ہے - اس کی ترکیب یہ ہے کہ نارنگی کی چھال کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اتار لیتے ہیں - جس میں آنکھ نکلنے کو ہو - کسی اور درخت

خاص کر کھٹے یا میٹھے کی شاخ میں سے بھی اتنی ہی چھال چھیل دیتے ہیں پھر نارنگی کی چھال کو میٹھے کی چھلی ٹہنی میں رکھ کر باندھ دیتے ہیں۔ یہ عمل اکثر دو شاخوں پر کرتے ہیں اس کے بعد پیوند لگی شاخ کو اوپر سے کاٹ دیتے ہیں، باقی اور شاخوں کو بھی چھانٹ دیتے ہیں۔ اب نارنگی کی آنکھ پر سے ایک شاخ نکل کر بڑھ جاتی ہے، اس میں جو شاخیں نکلتی ہیں وہ کٹی ہوئی شاخوں کی قائم مقام بنتی ہیں۔ اور ان میں کھٹے یا میٹھے کی جگہ نارنگیاں لگتی ہیں۔

اس کا درخت اکثر بہت بڑا نہیں ہوتا۔ فرانس کے دارالسلطنت پیرس کے قریب ایک خوش نما باغ ہے، اس میں تیس فٹ اونچا ایک نارنگی کا درخت ہے۔ اس سے بڑا آج تک کہیں معلوم نہیں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کی عمر چار سو برس کی ہے۔ جزیرۂ سارونیا میں چند درخت ایسے ہیں جن کا گھیر دو گز ہے۔ ان کی عمر سات سو برس کی بتاتے ہیں۔

خیال کرتے ہیں کہ یہ درخت ہندوستان سے نکلا ہے، مگر اب یورپ اور ایشیا کے سارے جنوبی ملکوں میں اور دنیا کے اور مختلف مقاموں میں موجود ہے۔ انگلستان میں ایسی سردی ہوتی ہے کہ وہاں

اس کا پودا پھبکتا نہیں۔

یورپ میں ان درختوں کی بڑی خبرداری ہوتی ہے، اس لئے ہندوستان کی نارنگیوں سے وہاں کی نارنگیاں مزے دار ہوتی ہیں۔ ان کا چھلکا یہاں کی نارنگیوں کی طرح خلخلا نہیں ہوتا۔ پھانکوں سے ایسا چپکا ہوتا ہے کہ سارا اترنا مشکل ہے۔ کئی برس ہوئے کہ ایسی نارنگیوں کی پود جزیرہ مالٹا سے لا کر گوجراں والے میں لگائی ہے۔ اب پنجاب کے بہت سے شوقینوں نے اپنے اپنے باغوں میں اس کے درخت لگائے ہیں۔

کھٹے کے پھولوں کو پنجاب میں ہندو کرنا کہتے ہیں۔ اور مسلمان بہار کے پھول۔ جس طرح چنبیلی کے بیان میں ذکر ہوچکا ہے، اسی طرح اس کا بھی عطر اور پھلیل نکلتا ہے۔ اس کا پھل بہت کھٹا ہوتا ہے، پھر بھی لوگ کھاتے ہیں۔ خصوصاً پنجاب کی عورتیں اور لڑکیاں۔ رس رنگوں کے نکھارنے اور صاف کرنے میں کام آتا ہے۔ اور اور کاموں میں بھی صرف ہوتا ہے۔ بھنے ہوئے یا ابلے ہوئے آلو، کچالو، اور گھنگنیوں میں نمک مرچ ملا کر اس کا رس نچوڑتے ہیں۔ کاغذی نیبو کا اچار بہت ڈالتے ہیں، سکنجبین بناتے ہیں، شربت میں نچوڑ کر گرمیوں میں پیتے ہیں، نمک مرچ لگا کر صفراوی پتوں میں چوستے ہیں۔

پوست

ذرا ان پھولوں کے تختے کی طرف دیکھنا، کیا بہار ہے! آہا! سفید پھول دھوپ میں کیا روشن نظر آتے ہیں۔ نرم نرم ہوا چلنے سے کیسے لہلہاتے ہیں! پوست کے پھولوں میں اگر خوب صورتی ہی ہوتی اور کچھ خوبی نہ ہوتی تو بھی لوگ اسے باغوں میں رونق سمجھ کر لگاتے۔ مگر ہندوستان میں ایسا کون ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے پھول اپنی بہار ہی نہیں دکھاتے، بلکہ کسان کو نہال کر دیتے ہیں۔

پوست کے بہتیرے پھولوں کے رنگ نہایت چمکیلے ہوتے ہیں۔ بعض سرخ ہیں، بعض گلابی، بعض کاسنی، بعض سفید۔ پہاڑ کے اونچے اونچے مقاموں میں اسی طرح کا ایک اور خوب صورت پودا ہوتا ہے۔ اس کے پھول کا آبی رنگ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ پوست کے پھولوں کے رنگ الگ الگ ہیں مگر ایک بات سب میں یکساں ہے کہ ڈنٹھل اور ڈوڈے میں سفید دودھ سا رس ہوتا ہے۔ اسی رس کے لئے کسان ان کھیتوں پر بڑی جان کھپاتا ہے۔ پوست کی قسموں میں سے سفید پھولوں کے اونچے اونچے پودوں میں زیادہ رس نکلتا ہے۔ انہیں ہندوستان میں

کثرت سے لگاتے ہیں۔

اول تو کئی دفعہ ہل جوتتے ہیں۔ ڈھیلوں کو توڑ کر مہین مہین کرتے ہیں کہ اس کے ننھے ننھے بیجوں کی نازک کوپلیں ڈھیلوں میں سے پھوٹ نہیں سکتیں۔ پھر کھیتوں میں بہت سی کھاد ڈالتے ہیں کہ زمین جتنی طاقتور ہوگی، اتنا ہی زیادہ رس پودوں میں پیدا ہوگا۔ بونے میں بھی بڑی خبرداری چاہئے، کیونکہ اس کے مہین مہین بیج اگر اور بیجوں کی طرح بکھیر دیں تو گچھے کے گچھے اکٹھے گریں۔ اس خرابی کا یہ علاج ہے کہ بعض جگہ اس کے بیجوں میں تھوڑا سا گوبر اور مٹی ملا کر کسان گولیاں بنا لیتے ہیں اور انہیں تھوڑی تھوڑی دور کھیتوں میں لگا دیتے ہیں۔ کہیں مٹی میں ملا کر بکھیرتے ہیں، بعض یونہی بکھیر دیتے ہیں۔ پر اس میں بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس کی نرم نرم کوپلیں نکلنے پر بھی کسان کی محنت پوری نہیں ہو چکتی۔ ہمیشہ کھیت میں سے گھاس پھوس اکھیڑتا ہے اور زمین کو گودتا ہے جب جا کر فصل اچھی ہوتی ہے۔

نکلتے جاڑے پھول کھلتے ہیں۔ انہیں سب پہچانتے ہیں۔ مہین مہین باریک کاغذ جیسی پنکھڑیاں اکثروں میں، تو چار ہیں، بعض میں چھ۔ یہ ایسی

نزاکت سے لگی ہوتی ہیں کہ ذرا چھوا اور گریں۔ پنکھڑیوں کے اندر بہت سے زیرے ہوتے ہیں اور ان کے بیچ میں پسٹل جس سے ڈوڈا بنتا ہے۔ تم اس کی ایک نلی لے کر دیکھو ان پنکھڑیوں کے باہر دو تین سیپل نظر آئیں گے۔ مگر جس وقت بڑی بڑی سمٹی ہوئی پنکھڑیاں کھل جاتی ہیں تو سیپل بہت جلد جھڑ جاتے ہیں۔ جب ڈوڈا پھولوں کے بیچ میں بن جائے، اگر اس کے ہرے ہرے چھلکے کو گودیں تو سفید دودھ سا رس رسنے لگے گا۔ اگر ڈوڈے کو تراش کر دو ٹکڑے کریں تو ننھے ننھے سبز بیجوں کے چھوٹے چھوٹے گچھے الگ الگ خانوں میں دکھائی دیں گے۔

جب سفید پھولوں کا سارا تختہ کھلا ہوتا ہے، تو کسان رس جمع کرنے لگتا ہے اور مزدور کھیتوں میں جاتے ہیں، اور ڈوڈوں کو احتیاط کے ساتھ کئی جگہ ایک آلے سے چیر دیتے ہیں۔ اسے نشتر یا قلم کہتے ہیں۔ اس میں تین نوکیں ہوتی ہیں جو رس نکلتا ہے خشک ہو کر بھورا ہو جاتا ہے۔ اسے کھرچ لیتے ہیں۔ اس کو کچی افیم کہتے ہیں۔

بنگالے، مالوے، برار، اور میسور میں افیم کی پیداواری بہت ہے۔ ممالک مغربی و شمالی میں بھی

اس کی فصل ہوتی ہے - پنجاب میں اس کی پیدا واری کم ہے - یہاں سب سے عمدہ کلو کی ہے جو ہمالیہ پہاڑ میں واقع ہے اور ضلع شاہ پور کی۔ ہندوستان کے مختلف مقاموں میں پوست کے بونے کا قانون اور افیم کے تیار کرنے کی ترکیبیں جدا جدا ہیں۔ بنگالے میں سرکاری لایسنس بغیر کوئی بو نہیں سکتا۔ پنجاب میں ہر شخص کو بونے کا اختیار ہے، لیکن اور چیزوں کی نسبت اس کی مال گذاری زیادہ ہے اور جن کے لئے سرکار سے اجازت ہے انہی کے ہاتھ افیم کو بیچ سکتا ہے - ہندوستان میں اکثر جتنی افیم پیدا ہوتی ہے اس میں سے زیادہ چین کو جاتی ہے یہ اکثر چیزوں سے بیش قیمت ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوتی ہیں - سرکار کو بھی اس سے بڑی آمدنی ہے -

یہ دوا میں بھی بہت کام آتی ہے۔ درد کے رفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ بیمار بچارا درد کے مارے کیسا ہی تڑپ رہا ہو، جہاں اس کی ایک گولی کھائی اور آرام سے سو رہا۔ افیم اگرچہ بڑی مفید چیز ہے مگر چین اور ہندوستان میں اس کے کھانے سے بڑی بڑی خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ تم جانتے ہی ہو کہ جب تک نشہ رہتا ہے افیمی کی طبیعت خوش رہتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد بچارا

عجب مصیبت اور عذاب میں پڑ جاتا ہے۔ اس میں ایک اور خرابی کی بات یہ ہے کہ جہاں ایک دفعہ عادت ہوئی پھر اس کے پنجے سے چھٹنا مشکل۔ اگرچہ افیمی بھی خوب جانتا ہے کہ یہ آہستہ آہستہ میرا کام تمام کئے جاتی ہے لیکن چھوڑ بھی نہیں سکتا۔

ہندوستان میں بعض بے وقوف عورتیں اپنے رونے بچوں کو افیم دیا کرتی ہیں کہ یہ سو رہیں اور ہمیں فرصت ملے۔ بچے ماں باپ کو افیم کھاتے دیکھتے ہیں تو کوئی مزے کی چیز سمجھ کر کبھی آپ بھی کھا لیتے ہیں اور مفت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایسی حالت میں بچے کو رائی اور نمک پیس کر شیر گرم پانی میں پلائیں اور قے کرائیں پھر اگر نیند آنے لگے تو چائے دیں، وہ نہ ملے تو کھٹے کا پانی ہی پلائیں۔

نشہ دار رس فقط پوست کے ڈوڈوں ہی میں نہیں بلکہ ڈنٹھلوں، پتوں اور پھول کے سب حصوں میں تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے۔ مگر بیج یعنی خشخاش میں نشہ نہیں۔ خشخاش کا شربت زکام کی دوا ہے۔ حلوے اور کھانے کی اور چیزوں میں بھی کام آتی ہے۔ اس میں تیل ہوتا ہے۔ نیند نہ آتی ہو تو سر پر ملتے ہیں۔ نقاش روغنوں میں ڈالتے ہیں۔ جن ضلعوں میں پوست زیادہ بویا جاتا ہے وہاں چراغ میں بھی جلاتے ہیں اور

کھاتے بھی بہت ہیں - جب پوست کے ڈوڈوں میں سے افیم اور خشخاش نکال لیتے ہیں تو خالی ڈوڈے ٹکور کے کام آتے ہیں - بعض جگہ بھگو رکھتے ہیں اور نشے کے لئے ان کا پانی پیا کرتے ہیں- ہندوستانی حکیم کبھی کبھی کھانسی اور باری کے بخار، اور اور بیماریوں کے لئے بھی بتایا کرتے ہیں -

گلاب

کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے شاعروں نے اس کی تعریف نہ لکھی ہو۔ اور ہے بھی یہی کہ خوب صورتی اور خوشبو میں اس پھول سے بڑھ کر کوئی پھول نہیں۔

کوہ ہمالیہ میں کئی مقاموں پر خود رو گلاب بہت پایا جاتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کے گلاب کی بیل کثرت سے ملتی ہے۔ نہایت خوب صورت ہوتی ہے اور پھول میں بھی بڑی خوشبو آتی ہے۔ اس لئے اس کا نام خود رو مشک گلاب پڑ گیا ہے۔ جو پہاڑ بہت اونچے نہیں ہیں ان میں یہ گلاب کثرت سے نظر آتا ہے۔ درختوں پر چھایا ہوتا ہے، اور انہیں سفید براق پھولوں سے ڈھانک لیتا ہے۔

اگر خود رو گلاب کا ایک پھول لے کر دیکھو تو اس میں پانچ سیپل[1] ہوں گے۔ یہ جڑے ہوئے نہیں ہیں جیسے نارنگی کے پھول میں، بلکہ الگ الگ ہیں۔ ان کے اندر پانچ پنکھڑیاں ہیں۔ ان میں بہت سے زیرے جو ایک چھوٹی سی نلی کے منہ پر کھڑے

۱۔ انگ : Sepal (ادارہ)

ھیں۔ اگر نلی کو نیچے کی طرف سے کاٹ کر دو ٹکڑے کردو تو معلوم ھوگا کہ اس کی شکل صراحی کی شکل سے کچھ ملتی ھے۔ پسٹل[۱] اس صراحی یعنی نلی کے اندر ھے مگر اس پسٹل کے کئی ٹکڑے الگ الگ ھیں جن کے سرے نلی کے تنگ حلق میں بھچے ھوئے ھیں۔ نارنگی اور پوست کے پھولوں کے پسٹل بھی کئی الگ الگ ٹکڑوں سے جڑ کر بنتے ھیں، مگر ان میں ٹکڑے ایسے جڑے ھوتے ھیں کہ جدا نہیں معلوم ھوتے۔ گلاب کی نلی اور پسٹل سے ڈوڈے کی شکل کا ایک پھل پیدا ھوتا ھے وہ پک کر اکثر سرخ ھو جاتا ھے۔ بعض قسموں کے پھولوں کے ڈوڈے بڑے ھوتے ھیں اور ان میں کھٹا سا گودا۔ بعض ملکوں میں اس کا مربا بناتے ھیں۔ گلاب کے پتے کی چھوٹی چھوٹی پتیوں سے مل کر بنتے ھیں اور یہ اکثر پانچ اور کبھی زیادہ بھی ھوتے ھیں۔ ایک ڈنٹھل کے سرے پر باقی ڈنٹھل سے دو دو نکلتے ھیں۔ ایک ادھر، ایک ادھر۔

خود رو گلاب کئی ملکوں میں ھوتا ھے مگر ھندوستان میں پہاڑوں کے سوا اور کہیں نہیں ھوتا۔ پہلے ذکر ھو چکا ھے کہ اس میں صرف پانچ پنکھڑیاں ھیں مگر باغوں میں جو گلاب مالی لگاتے ھیں، ان

۱- انگ : Pistil (ادارہ)

میں پنکھڑیوں کے کئی دور ہوتے ہیں۔ باہر کے دور کو اصلی پنکھڑیاں سمجھو۔ اصل میں یہ گلاب بھی ایسا ہی تھا، جیسے خود رو گلاب مگر برسوں کے عرصے میں بعض زیرے کھل کر پنکھڑیاں بن گئے ہیں۔ یورپ میں گلاب کو بہت پسند کرتے ہیں۔ وہاں اس کی قسموں کا کچھ شمار نہیں، اور رنگ بھی درجہ بدرجہ بہت مختلف ہیں، کوئی بہت ہی گہرا قرمزی، کوئی گل انار، کوئی گلابی، کوئی نرا سفید۔ کوئی زردی لئے۔ پھر بھی ہر سال نئی نئی قسمیں نکلتی رہتی ہیں۔ کیونکہ اکثر شوقین اپنا بہت سا وقت اس کام میں خرچ کرتے ہیں کہ ہم کس ترکیب سے نئے نئے رنگ اور انوکھے ڈھنگ کے گلاب پیدا کریں۔ ہندوستان میں پہاڑوں کے سوا جتنے گلاب دیکھتے ہو، سب لگائے ہوئے ہیں۔ ان میں ہلکے گلابی رنگ کا پھول کثرت سے ہوتا ہے۔ اس کی کلیاں خوب صورت ہوتی ہیں مگر جب پھول کھل جاتے ہیں تو پنکھڑی پنکھڑی الگ ہوکر جھڑ جاتی ہے۔ اس گلاب کی مہک بڑی تیز ہوتی ہے۔ اس واسطے اور گلاب کی نسبت اس میں سے زیادہ عطر نکلتا ہے۔ اس کا نام دیسی یا فصلی گلاب مشہور ہے۔

گلاب کی پنکھڑیاں اس ملک میں دوا کے طور

برتی جاتی ھیں۔ کھانڈ ملا کر گل قند بناتے ھیں۔ بچوں کو دیتے ھیں اور اکثر انھیں جن کو ضعف معدہ ھوتا ھے۔

ہندوستان میں گلاب اکثر خوشبو کے لئے زیادہ بوتے ھیں اور یہاں اکثر جگہ اس کا عرق اور عطر کھینچتے ھیں۔ اس کا عطر سارے جہان میں مشہور ھے۔ خالص تو سب عطروں سے بیش قیمت ھوتا ھے۔

عرق اس طرح کھینچتے ھیں کہ دیگچے میں پانی اور بہت سی گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر نیچے آنچ کرتے ھیں۔ پھولوں میں جو تیل ھوتا ھے بھاپ بن جاتا ھے اور پانی کی بھاپ کے ساتھ نیچے سے ھوکر باسن میں نکل آتا ھے، اور پانی کا بھاپ بن کر باسن میں آنے کا بیان چنبیلی کے ذکر میں آچکا ھے۔ تیل کی بھاپ ٹھنڈی ھوکر پانی کے ساتھ ملی رہتی ھے اسی کا نام ایک آتشہ گلاب ھے، کیونکہ ایک دفعہ کھنچا ھے اور جو گلاب بازاروں میں بکتا ھے وہ اکثر یہی ھوتا ھے۔ اگر اس سے تیز چاھتے ھیں تو اس عرق کو پھر ایک دیگچے میں ڈالتے ھیں اور گلاب کی تازی تازی پنکھڑیاں اس میں اور ملاتے ھیں اور پھر اسی طرح کھینچتے ھیں۔ چونکہ یہ عرق دو دفعہ کھنچا ھے، اسے دو آتشہ کہتے ھیں۔ بعض دفعہ یہی عمل تین دفعہ کرتے ھیں، اسے سہ آتشہ بولتے ھیں

اور اسی طرح چار آتشہ۔

ہندوستان کے لوگ گلاب سے طرح طرح کے کھانوں اور مٹھائیوں کو خوشبودار کرتے ہیں۔ عجب مہک ہو جاتی ہے۔ شربت ورد ہلکا سا جلاب ہے۔ اور معدے کو قوت بھی دیتا ہے۔ اہل اسلام گلاب کو گلاب پاشوں میں بھر کر بعض مقدس جلسوں میں اہل محفل پر چھڑکتے ہیں۔ مردوں کے کفنوں پر ڈالتے ہیں۔ تعزیوں پر چھڑک کرتے ہیں۔

جب اس کا عطر نہایت خالص بناتے ہیں تو پہلے ہی روز کے کھنچے ہوئے گلاب کو رات بھر کسی باسن میں رکھتے ہیں۔ صبح کو پھولوں کے تیل کی ایک بہت باریک تہ اوپر آجاتی ہے۔ اسے ایک پر سے اٹھا اٹھا کر بوتل میں بھر لیتے ہیں، لیکن بہت سے عرق میں سے ذرا سا عطر نکلتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ گلاب کا خالص عطر بڑا مہنگا ہوتا ہے۔ کم سے کم پچاس روپے تولہ آتا ہے۔ بعض وقت سو روپے تولے کا بھی ہوتا ہے مگر اب تو شاید ایسا عطر کوئی بناتا ہو۔ جو بازاروں میں بکتا ہے وہ چنبیلی کے عطر کی طرح صندل کی پٹ دے کر کھینچتے ہیں۔ یہ ایک دو روپے تولہ بکتا ہے۔ کبھی کبھی بے ایمان گندھی اس عطر کی دو چار بوندیں صندل کے تیل میں ملاتے ہیں اور

عطر گلاب کے نام سے دام کماتے ہیں۔
درباروں میں رخصت کے وقت عطر اور پان دینے کا عام دستور ہے۔ اہل اسلام اپنی متبرک مجلسوں میں اور ہندو مسلمان دونوں شادی کے جلسوں میں اپنے اپنے مہمانوں کو پان کھلاتے ہیں اور ان کے کپڑوں میں عطر ملتے ہیں مگر یہ دستور پنجاب میں کم ہے۔ ہندوستان میں اکثر جگہ عید بقرعید کو عطر ضرور لگاتے ہیں اور بعض دولت مند تو بارہ مہینے عطر میں بسے رہتے ہیں۔

صندل یا چندن کا درخت

ہندوستان میں ایسا کون ہے جو اس کی مہکتی لکڑی کو نہ جانتا ہو؟ یہ درخت ہندوستان میں ہر جگہ نہیں ہوتا، دکن کے خشک ضلعوں میں ہوتا ہے۔ خاص کر میسور اور مغربی گھاٹ کی ڈھلانوں میں اگا کرتا ہے۔ اور جزیرۂ لنکا میں بھی پیدا ہوتا ہے۔ خود رو پودا خوب پھبکتا ہے اور تیس برس میں پورا درخت ہو جاتا ہے۔ یہ درختوں کے گھنے جنگلوں میں کم ملتا ہے۔ کھیتوں کی مینڈوں میں بہت اگا کرتا ہے۔ اکثر پہاڑوں کی پتھریلی زمینوں میں ڈھلانوں پر کہیں اکا دکا، کہیں چھوٹے چھوٹے جھنڈ ہوتے ہیں۔ جب ایسے موقع پر اگتا ہے تو اپنے کمال پر آ جاتا ہے۔ زردی لئے بھورا رنگ ہوتا ہے اور خوشبو بڑی تیز۔ میدانوں میں کھیتوں کی طاقتور زمینوں میں جو اگا کرتا ہے، اس کا رنگ ہلکا ہوتا ہے اور خوشبو بہت ہی کم۔

صندل کا درخت چھوٹا ہوتا ہے اور موٹائی میں نو انچ سے اکثر کم۔ عمدہ مہک کی بدولت ہزاروں برس سے لوگ اس کے قدردان ہیں مگر کسی درخت میں تنہائی سے زیادہ خوشبودار لکڑی نہیں پائی جاتی۔ یہ اندر ہوتی ہے۔ اس کے اوپر سفید لکڑی کا ایک

صندل ۔ اس میں خوشبو نہیں، بالکل نکما ہے ۔
صندل کے درخت سیکڑوں برس سے سرکاری مال سمجھے گئے ہیں۔ اب سرکار انگلیشیہ انہیں کٹاتی ہے۔ سال بھر میں ان کی تعداد مقرر ہے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جتنے کٹیں، اتنے ہی اور ہو جائیں تا کہ ذخیرہ خالی نہ ہونے پائے۔ درختوں کو کاٹ کر ان کی چھال اتار لیتے ہیں۔ کوئی دو فٹ کے ٹکڑے کاٹ کر زمین میں دبا دیتے ہیں۔ کئی ہفتے کے بعد نکالتے ہیں۔ سفید لکڑی جو نرم ہوتی ہے اسے دیمک کھا جاتی ہے لیکن اندر کی لکڑی جو خوشبودار ہے اور زردی لئے بھورے رنگ کی ہوتی ہے اسے نہیں کھاتی ۔ اس کے بعد ان لکڑیوں کو غور سے چھانٹتے ہیں اور صندل کی قسمیں مقرر کرتے ہیں ۔ اول تو ٹھوس ٹکڑوں کو ہر ایک کی خوبی کے مطابق الگ الگ کرتے ہیں، پھر کھوکھلے ٹکڑوں کو، پھر جڑوں کو ۔ جڑوں کا عطر نکلتا ہے ۔ چھپٹیاں اور چورا جو بچ رہتا ہے اسے کوٹ لیتے ہیں ۔ یہ دھونی کے کام آتا ہے ۔ جہاں سے جڑیں پھوٹتی ہیں اس کے پاس کی لکڑی نہایت عمدہ ہوتی ہے اور رنگ زیادہ گہرا اور قیمت بھی سب سے زیادہ پاتی ہے ۔ اول قسم کے ٹکڑے دس آنے سیر کے قریب بکتے ہیں ۔

جتنا صندل ہر سال کٹتا ہے اس میں سے بہت سا چین کو جاتا ہے۔ چینی ان کی بہت سی چیزیں بناتے ہیں اور ان میں گلکاری کرتے ہیں۔ اس فن میں ان کو بڑا کمال ہے۔ وہاں امیروں کے تابوت بھی اسی لکڑی کے بنتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مندروں میں دھونی کے لئے جلاتے ہیں۔ چھپٹیاں، ٹہنیاں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے عرب کو جاتے ہیں۔

ہندوستان میں اس کی لکڑی کئی ایک کام آتی ہے۔ وہ سخت ہوتی ہے اس لئے اس میں گلکاری خوب ہوسکتی ہے۔ بیل بوٹے دار خوب صورت خوب صورت ڈبیاں، صندوقچیاں، کنگھیاں، پنکھے اور بہت سی زیبائش کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بناتے ہیں۔ ہندو صندل کو گھس کر ٹیکا لگاتے ہیں اور اپنے ٹیکے کی وضع سے پہچانے جاتے ہیں کہ کس دیوتا کو مانتے ہیں۔ یہاں بھی مندروں میں جلاتے ہیں۔ اس کا برادہ دوا کے طور پر برتتے ہیں اور جب مچھروں کے کاٹنے یا گرمی دانوں سے جھلجھلاہٹ ہوتی ہے تو پانی میں ملا کر لگاتے ہیں، ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔

اس کا عطر بہت سا تو جڑوں سے کھنچتا ہے اور کچھ چورے سے بھی۔ اس میں بڑی مہک ہوتی ہے، اسی لئے ہندوستان میں اس عطر کی بڑی قدر ہے اور

یہی سبب ہے کہ چین اور غرب کو بھی جاتا ہے۔ دس دن اور دس رات میں کھنچتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ چورا اور جڑیں ایک گول[1] میں رکھ کر پانی میں ڈال دیتے ہیں اور نیچہ لگا کر نیچے آنچ کرتے ہیں۔ اندر سے بھاپ اٹھتی ہے اور نیچے کا رستہ لیتی ہے۔ ایک دیگچی ٹھنڈے پانی میں رکھی ہوئی ہے۔ بھاپ آہستہ آہستہ پانی بن کر اس میں ٹپکتی ہے۔ یہ بھاپ عطر کو اپنے ساتھ لے کر اٹھتی ہے اور جب پانی بن کر دیگچی میں گرتی ہے تو پانی کے اوپر تیل کی تہ نظر آتی ہے۔ وہی عطر ہے۔

صندل کے چکنے چکنے پتے ڈنٹھل سے دو دو نکلتے ہیں، ایک اِدھر، ایک ادھر۔ پھول گچھے کے گچھے لگتے ہیں۔ ان کا رنگ پہلے تو ہلکا زرد ہوتا ہے مگر چند روز میں اودے ہو جاتے ہیں۔ ان میں کچھ چمک دمک نہیں ہوتی ہے۔ ان کی پنکھڑیاں اور سیپل ایک ہی صورت اور ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں، اس لئے دونوں میں کچھ تمیز نہیں ہوتا[2] جیسا کہ نارنگی، پوست اور گلاب کی پنکھڑیوں اور سیپل میں ہے۔

۱۔ مٹی کا بڑا مٹکا

۲۔ تمیز ہونا اسم کے طور پر مذکر ہے۔ (ادارہ)

دیودار یا دیار کا درخت

تم میں سے اکثروں نے دیار کی لکڑی دیکھی ہو گی۔ پنجاب میں بہت کام آتی ہے۔ شہتیر کڑیاں، میز، کرسیاں، الماریاں، گھر کے بہت سے ضروری سامان کثرت سے اسی کے بنتے ہیں۔ ریل کی سڑک پر جو پٹڑے بچھے ہوتے ہیں اور ان پر لوہا لگا ہوا، وہ بھی اکثر اسی لکڑی کے ہوتے ہیں۔ جب دیار کی سوٹی الماری کھولتے ہیں تو اس میں سے بڑی تیز بو نکلتی ہے۔ حقیقت میں اس بو سے بڑا فائدہ ہے۔ دیمک اور کیڑے نزدیک نہیں آنے پاتے، نہیں تو اندر کی چیزیں برباد کر دیتے۔ دیار کی لکڑی نرم ہوتی ہے۔ جو چیز بناؤ آسانی سے بن سکتی ہے۔ اسی لئے بڑھئی بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ بہت مدت تک چلتی ہے۔ کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر میں ایک مسجد ہے۔ اس کے بڑے بڑے ستون ثابت دیار کے لٹھے ہیں۔ یہ بالکل سیاہ پڑ گئے ہیں اور سوکھ کر کھڑنکھ ہو گئے ہیں۔ یہ چار سو برس سے زیادہ کے ہیں۔

تم نے اس کی لکڑی تو بہت دفعہ دیکھی ہو گی مگر درخت شاید نہ دیکھا ہو۔ وہ سرد ہی ملکوں میں ہوتا ہے۔ وہ ہمالیہ کی اونچی اونچی ڈھلانوں پر اگتا

ہے اور ہمارے گرم ضلعوں سے بہت دور ہوتا ہے۔ دیار کا جنگل دیکھنے کا شوق ہو تو کوہ ہمالیہ میں کوسوں اندر ہی اندر چلے جاؤ۔ دیس کے بڑھئی اسے دیار کہتے ہیں۔ جن پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے وہاں کے لوگوں میں کیلو یا کوئی اور ایسا ہی نام مشہور ہے۔ کوہ ہمالیہ کے سلسلے میں پہاڑ، پہاڑ کی زبان میں فرق ہے، اس لئے درختوں اور چیزوں کے نام ایک پہاڑ پر کچھ اور ایک پر کچھ ہوتے ہیں۔

یہ ایسا شان دار درخت ہے کہ جو اسے پہاڑ پر ایک مرتبہ دیکھ لے تو پھر کبھی نہ بھولے۔ لمبی لمبی ٹہنیاں چاروں طرف پھیلاتا ہے، نیچے گھنی گھنی چھاؤں ڈالتا ہے۔ کیسا ہی لوھا لاٹ پہاڑ ہو اس پر بھی اگ ہی نکلتا ہے۔ اس کی پتلی پتلی درزوں میں مضبوط جڑیں پیوست کر ہی دیتا ہے۔ مگر حق تو یہ ہے کہ پہاڑ کی سایہ دار طرف میں جہاں درختوں کے بڑے بڑے بن ہوتے ہیں، مٹی نرم اور زمین گیلی، وہاں خوب پھبکتا ہے۔ یہ درخت بڑا قد آور ہے۔ دس پندرہ فٹ کا گردہ ہوتا ہے، کوئی ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی۔ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ اگر کسی درخت کا دس فٹ گردہ ہو تو سمجھ لو کوئی دو سو برس کا ہے۔ تم شاید پوچھوگے کہ یہ کیوں کر جانا۔ اس کی

پہچان یہ ہے کہ دیار کے کندے کے سرے کو غور سے خیال کرو تو اس میں بہت سے حلقے ایک دوسرے کے اندر نظر آئیں گے جو حلقہ سب سے باہر ہے وہ سب سے بڑا ہے، جو سب کے اندر ہے وہ ذرا سا نقطہ معلوم ہوتا ہے - اصل میں ہر حلقہ لکڑی کی ایک تہ ہے- ان حلقوں کو گن کر درخت کی عمر بتا سکتے ہو- کیونکہ ہر تنے کے گرد چھال کے اندر سال بسال ایک ایک تہ چڑھتی جاتی ہے-

اگر تم دیار کی شاخ دیکھو، تو معلوم ہوجائے کہ اس میں اور دیس کے درختوں کی شاخوں میں زمین آسمان کا فرق ہے - اس میں چوڑے پتے نہیں ہوتے- ان کی جگہ چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں میں کاہی رنگ کی سوئیاں سی لگی رہتی ہیں- یہ ہر برس نہیں جھڑتیں - کئی کئی برس تک رہتی ہیں - پرانی آہستہ آہستہ جھڑتی جاتی ہیں، نئی نکلتی آتی ہیں اور درخت سدا ہریالا رہتا ہے - اس کے پھل بھی نہ شیشم، سرس کی پھلیوں سے ملتے ہیں، نہ آڑو، نارنگی، اور اور میوہ دار درختوں کے پھلوں سے- اس میں بطخ کے انڈے کے برابر ایک پھل گول اور سخت لگتا ہے- یہ پھل موٹے موٹے سخت چھلکوں سے بنا ہے جو اوپر تلے کھپروں کی طرح ہیں- ان کے اندر چھوٹے چھوٹے بیج ہیں-

جب پھل پک جاتا ہے تو چھلکے الگ الگ ہوجاتے ہیں اور بیج اندر سے گر پڑتے ہیں۔ بیج میں تیر کے پر کی طرح ایک چھوٹا سا بازو لگا ہوتا ہے۔ جب زمین پر گرنے لگتا ہے تو بازو کے سبب ہوا سے اڑ کر تھوڑی دور جا گرتا ہے۔ اس سے دیار کا جنگل رفتہ رفتہ پھیلتا جاتا ہے۔

جب پورے قد کا دیار ہوتا ہے تو اپنے بلند تنے، پھیلی ہوئی شاخوں اور کاہی پتوں سے عجیب شان دکھاتا ہے۔ مگر جب چھوٹا سا پودا ہوتا ہے تو اس وقت بھی کچھ کم خوب صورت نہیں ہوتا۔ پرانے درختوں کے پاس نو عمر پودوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھو تو شاید یقین نہ آئے کہ یہ چھوٹے چھوٹے نازک بچے انہی دیوزاد ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کا رنگ سونگیا ہوتا ہے، بہتوں کا رنگ نیلا سا۔ جو شاخیں زمین کے قریب ہیں وہ سب سے لمبی ہوتی ہیں اور جوں جوں اوپر کو دیکھتے جاؤ ٹہنیاں چھوٹی ہوتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ چھوٹے درخت کی پتلی سی پھننگ سر جھکائے ہوگی۔ سارا پودا ایک فوارہ معلوم ہوتا ہے، جس میں پانی کی بوندوں کی جگہ مہین مہین ہری پتیاں ہوتی ہیں۔

شاید تم حیران ہوگے کہ ایسے بڑے بڑے

درخت اور ایسے اونچے اونچے پہاڑوں پر اور وہ پہاڑ بھی یہاں سے سینکڑوں کوس، انہیں دیس میں کیوں کر لاتے ہوں گے؟ بات یہ ہے کہ ہماری خوش نصیبی سے یہ خوبصورت خوب‌صورت درخت اکثر ایسے پہاڑوں کی ڈھلانوں پر اگا کرتے ہیں جن کے بیچ میں ندی نالے چکر کھاتے ہوئے نیچے دیس کی طرف بہتے ہیں۔ جب کوئی درخت کاٹتے ہیں تو آرے سے بڑے بڑے کندے کر لیتے ہیں اور ان پر مالک کا نشان کر دیتے ہیں۔ پھر پہاڑ کی ڈھلانوں پر لکڑیوں کی سڑک بنا کر ان کندوں کو ہی بہتے پانی کی طرف لڑھکا دیتے ہیں، تو عجب کیفیت ہوتی ہے اور پانی میں گرتے ہیں، تو بڑے زور کا دھڑاک ہوتا ہے۔ پانی پر جھاگوں کے بادل اٹھتے ہیں۔ جب تیرتے جاتے ہیں تو کبھی پانی کے ریلے میں آکر چکر کھاتے ہیں۔ کبھی کسی چٹان سے ٹکراتے ہیں۔ کیونکہ پہاڑوں میں دریا اس صفائی سے نہیں بہتے جیسے دیس میں۔ بلکہ وہاں بڑے زور شور سے جھالیں مارتے ہیں اور جھاگ لاتے ہیں۔ قدم قدم پر پتھروں سے ٹکراتے ہیں۔ اونچے اونچے مقام جو رستے میں پڑتے ہیں وہاں چادریں بن بن کر زور سے گرتے ہیں۔ ان کندوں کو پانی میں چھوڑ کر پھر کوئی خبر نہیں لیتا۔ آپ ہی بہتے بہتے میدان کے قریب آ پہنچتے ہیں۔

یہاں دریا پہلے کی نسبت آہستہ آہستہ بہتے ہیں۔ بہت سے لوگ انتظار میں کھڑے رہتے ہیں اور مشکوں پر تیرتے ہیں۔ یہ بکری یا بھینس کی کھالیں ہوتی ہیں۔ انہیں سی لیتے ہیں اور ہوا بھر کر منہ باندھ دیتے ہیں۔ اوپر سے تیل اور دیار کا روغن مل دیتے ہیں کہ پانی سے گل نہ جائیں۔ وہاں کے لوگ انہیں 'سرنا' یا 'ڈرین' کہتے ہیں۔ ان آدمیوں کو اس حالت میں دیکھیں تو ایک تماشا معلوم ہوتا ہے۔ مشکوں پر اوندھے پڑے ہوتے ہیں۔ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے چپوؤں کی مدد سے پانی کاٹ کر ادھر ادھر پھرتے ہیں اور جو کندا بہتا آتا ہے بڑی پھرتی سے اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ اور کنارے پر لے آتے ہیں۔ یہاں سب کندے گنتے ہیں، رسوں اور بانسوں سے باندھتے ہیں اور بیڑے بنا کر منڈیوں میں لے آتے ہیں۔

دیار کی لکڑی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ پہلے ٹھیکے دار اس فکر میں رہتے تھے کہ جتنا روپیہ کمایا جائے جلدی سے کمالیں۔ اس لالچ میں اتنے درخت کاٹ ڈالے کہ جنگل کے جنگل ویران کر دئے۔ اب سرکار نے باقی جنگلوں کے بچاؤ کے لئے تدبیر نکالی ہے کہ بیج دار درخت رکھ لیتے ہیں۔ اور ان کے آس پاس کے درخت کاٹ ڈالتے ہیں کہ بیج کھلی زمین پر گریں اور نئی

پود پیدا ہو۔ اور وہ بڑی ہو کر اپنے باپ دادا کی قائم مقام ہو۔ جو وہاں سے کٹ گئے تھے اس کے سوا بہت سے ذخیرے بھی ہیں۔ ان میں دیار کے پودے پلتے ہیں۔ جب ذرا مضبوط ہو جاتے ہیں تو اکھیڑ کر وہاں لگاتے ہیں جہاں جنگل کے جنگل ٹھیکے داروں نے غارت کر دئے ہیں۔

اور بھی کئی قسم کے درخت ہیں جن کے پتے اور پھل دیار کی طرح ہوتے ہیں مثلاً چیڑ اور کائل۔ ان میں سے ایک درخت ہوتا ہے۔ اس میں بڑے بڑے پھل لگتے ہیں۔ انہیں چلغوزہ یا فوزہ کہتے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے بیج ہوتے ہیں وہ کھانے میں آتے ہیں۔ یہاں سے بہت دور اونچے اونچے پہاڑ ہیں جن کی گھاٹیوں میں سے دریائے ستلج بہ کر آتا ہے۔ وہاں کے غریب لوگوں کا انہی بیجوں پر گزارا ہے۔ کڑکڑاتا جاڑا پڑتا ہے اور مہینوں تک برف برستی ہے۔ وہاں ایسے موسم میں اور کچھ فصل نہیں ہوتی۔ یہ بیج نہ ہوتے تو وہ بچارے برباد ہو جاتے۔ اس رحیم و کریم خدا کو دیکھو جس نے ہمارے آرام کے لئے کیسے کیسے پودے اور درخت پیدا کئے ہیں۔ اس نے اپنی حکمت سے یہ انتظام کیا ہے کہ چلغوزے کی لکڑی دیار کی لکڑی سے نہیں ملتی۔ یہ بالکل نکمی ہوتی ہے۔ اس لئے

کوئی اس کے درخت نہیں کاٹتا وہ صحیح سلامت رہتے ہیں اور ہر برس پھل دئے جاتے ہیں۔ اگر اس درخت کی لکڑی بھی قیمتی ہوتی تو غالب ہے کہ اب تک اتنے درخت کٹ جاتے کہ باقی میں سے بہت ہی کم بیج نکلتے اور جو کچھ نکلتے انہیں لوگ کھا جاتے۔ زمین پر نہ کوئی گرتا نہ آگے کو پود کا سلسلہ ہوتا اور تھوڑے ہی دنوں میں چلغوزے کا درخت ہمالیہ پہاڑ سے جاتا رہتا۔ ء

بانس

اس کا درخت خوش نما اور طرح دار ہوتا ہے۔ لمبے لمبے تنے ہوتے ہیں۔ ان میں پروں کی طرح پتے لہراتے ہیں۔ بعض تنے تو اتنے بلند ہو جاتے ہیں کہ سو سو فٹ کی خبر لاتے ہیں۔ تم یہ سن کر بڑے حیران ہوگے کہ یہ بھی حقیقت میں گھاس کی ایک قسم ہے۔ بانس، گنے، دھان، گیہوں، جو، مکئی، سارے اناج کے درخت اور گھاس، ان سب کی جڑیں تنے یا ڈنٹھل، پتے، پھول اور بیج ایک ہی بناوٹ کے ہوتے ہیں۔

بانس اور اکثر پودوں میں جو جو فرق ہے ان میں سے بعض باتیں بیان کرتے ہیں۔ نارنگی یا پوست یا سرسوں کا پتا دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ اس کے اندر مہین مہین رگوں کا جال پھیلا ہے۔ لیکن بانس میں یہ صورت نہیں۔ اس کے پتوں کی رگیں ایک دوسرے کو کاٹ کر نہیں پھیلتیں بلکہ لمبان میں اوپر سے نیچے تک سیدھی چلی جاتی ہیں اور کبھی کبھی چوڑان میں ہوتی ہیں۔ اکثر درختوں کے بیج ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دو ٹکڑے برابر برابر ہوسکتے ہیں۔ ان درختوں کے تنے ویسے ہی حلقہ بہ حلقہ بڑھتے ہیں جیسے دیار کے بیان میں ذکر ہوچکا ہے۔ بانس کا بیج

زور سے توڑیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہوسکتا ہے مگر برابر دو ٹکڑے نہ ہوں گے۔ تاڑ، ناریل، کھجور کی قسم کے جتنے درخت ہیں ان کے بیج بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جتنے درختوں کے بیج اس طرح کے ہیں ان کے تنے دیار کی طرح نہیں بڑھتے بلکہ ان کے بڑھنے کا کچھ اور طریقہ ہے جو اگلی کتاب میں آئے گا۔ بانس اور گھاس کے تنے پوری دار ہوتے ہیں۔ تم نے بانس کے درخت اگر دیکھے بھی ہوں گے تو یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ ان میں پھول بھی ہیں۔ آؤ ہم بتائیں۔ تنوں میں بھنگیوں[۱] کے سرے پر جو بالیاں سی نظر آتی ہیں یہ ننھے ننھے پھولوں سے بنی ہیں اور انہی میں بیج لگتے ہیں۔ پھولوں کی بناوٹ مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ جن پھولوں کے ذکر پہلے بیانوں میں آئے ہیں ان میں اور اس پھول میں بڑا فرق ہے۔

بانس میں پھول آنے کا حال نہایت عجیب ہے۔ اس کے درخت اکثر جھنڈ کے جھنڈ اگا کرتے ہیں۔ بعض قسمیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ سارے جھنڈ میں سے صرف ایک یا دو درختوں میں ایک ہی وقت پھول آتے ہیں۔ بعض ایسی کہ سارے جھنڈ میں ایک ہی دفعہ پھول نکل آتے ہیں۔ بانس عمر بھر میں ایک

۱۔ بھنگی = جزو، قسمت، قطعہ یہاں پوروں سے مراد ہے (ادارہ)

بار پھول لاتا ہے ۔ اور جس میں پھول لگتا ہے وہ تھوڑے
ھی عرصے میں مرجھا جاتا ہے۔ اس لئے اکثر ایسا ہوتا
ہے کہ بعض جگہ دور دور تک سارے بانس برابر مرجھا
جاتے ہیں ۔ مگر مرجھانے سے پہلے بہت سے بیج
جھڑ جاتے ہیں اور تھوڑے دنوں میں وہی اگ آتے ہیں ۔
پہلے پہل یہ گیہوں کا سا کھیت معلوم ہوتے ہیں۔
تین برس تک آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں، پھر جلد اوپر
کو بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔

بانس کا بیج کھانے میں بھی آسکتا ہے۔ بعض دفعہ
قحط میں اس سے بڑا کام نکلتا ہے برما میں بانس کی بڑی
کثرت ہے کبھی کبھی اس کی بدولت چوھوں کی ایسی
بہتات ہوگئی کہ لوگ گاؤں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے ۔
چوھے کیا تھے آسمانی آفت تھی ۔

یہ نہ سمجھنا کہ سارے بانس ایک ھی طرح کے
ہوتے ہیں۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں ۔ برما میں تو
بیس سے بھی زیادہ مشہور ہیں ۔ شمالی برما میں سیکڑوں
کوس تک ان کا گھنا بن کھڑا ہے ۔ آسام، چین، بنگالہ
اور مدراس میں بھی بڑی بہتات سے ہوتے ہیں ۔ پنجاب
اور ممالک مغربی میں بھی کہیں کہیں ہوتے ہیں ،
پر اتنے نہیں ۔ بعض بانس کھوکھلے ہوتے ہیں بعض
ٹھوس۔ بڑے بڑے بانس ضرور کچھ نہ کچھ کھوکھلے

ہوتے ہیں۔ بعض آدمی ٹھوس کو نر کہتے ہیں اور کھوکھلے کو مادہ۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ پنجاب میں ایک قسم کا بڑا بانس ہوتا ہے، وہ کالکا کے قریب دامن کوہ میں زیادہ بویا جاتا ہے اور شہر کانگڑے کے نزدیک دیہات کے آس پاس بھی ہوتا ہے جس کے شمال میں ہمالیہ کا سلسلہ ہے اور جنوب میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں۔ اس سے چھوٹا ایک قسم کا بانس ٹھوس ہوتا ہے۔ یہ ضلع ہوشیار پور میں پایا جاتا ہے اور کالکا کے قریب بھی نیچی نیچی پہاڑیوں میں ملتا ہے جن میں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم کا بانس لاہور کے باغوں میں بھی موجود ہے۔ اونچے پہاڑوں پر ایک بہت چھوٹی قسم کا بانس ہوتا ہے، وہ بڑا خوب صورت ہے۔

بانس بڑے کام آتا ہے۔ جن تین قسموں کا ذکر اوپر لکھا گیا ہے ان میں سے چھوٹی قسم کو بانسی کہتے ہیں۔ ان میں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں انہیں دیس میں لاتے ہیں اور حقوں کے نیچے اوپر سے ٹکڑوں کو سوھن سے صاف کرتے ہیں۔ گرم سیخ سے اندر کے چھید کو وارپار کھول لیتے ہیں، پھر خوب صورتی کے لئے اس پر رنگین کپڑے لپیٹتے ہیں۔ اوپر ریشم اور کلابتوں کا کام کرتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں پتلے

بانس چھپروں میں لگتے ھیں - چھڑیوں، لاٹھیوں، برچھ یوں کی چھڑوں، غریبوں کے سیروے پٹیوں کے کام آتے ھیں - موٹے موٹے بانسوں سے ڈولیوں کے ڈنڈے، خیموں کی چوبیں، اور بہنگیاں بنتی ھیں - کھپچیوں سے ٹٹیاں، ٹوکریاں، چلمنیں، غرض اور سیکڑوں چیزیں تیار ھوتی ھیں - بانس نہ ھوتے تو راج معماروں کے کام مشکل سے چلتے - اب بڑی آسانی ھے - مضبوط مضبوط بانسوں کی پاڑ باندھتے ھیں۔ اس پر بیٹھ کر یا کھڑے ھوکر مکان بنایا کرتے ھیں -

کچے بانس کے گابھے کی ترکاری بناتے ھیں۔ مربا اور اچار بھی ڈالتے ھیں۔ کہیں کہیں کاغذ بھی تیار کرتے ھیں -

بعض ملکوں میں تو یہ حال ھے کہ جس چیز کی ضرورت ھوتی ھے۔ بانس ھی سے بناتے ھیں۔ گھر دیکھو تو بانسوں کی تھونیاں[1] ھیں - مضبوطی کے لئے ان کے درمیان بانس بندھے ھیں۔ دیواروں کی جگہ بانس کے بورئے لگے ھیں - چھتیں اور فرش کھپچیاں بچھا کر بنائے ھیں - چھپر پتوں سے چھائے ھیں - پانی لانے کی ضرورت ھو تو مشک کی کچھ پروا نہیں۔ کسی

۱- لکڑی کے کھم جو چھت یا چھپر سنبھالنے کے لئے لگائے جاتے ھیں (مرتب)

بڑے بانس کا ایک لمبا سا ٹوٹا کاٹ لیتے ہیں، صرف نیچے کی گانٹھ بند رکھتے ہیں کہ یہ اس باسن کا پیندا ہے۔ باقی گانٹھیں صاف کر دیتے ہیں۔ اب یہ نل ایک بڑے ڈول کا کام دیتا ہے۔ ان ملکوں میں لوگوں کی چارپائیاں، پیڑھیاں، بکس، ٹوپیاں، جھاڑو اور ہزاروں قسم کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بانس ہی کی بنتی ہیں۔ یہاں تک کہ اسی کے ریشوں کو بٹ کر رسیاں بھی بنا لیتے ہیں۔ چھپروں کے سوا پتے ان کاموں میں بھی آتے ہیں۔ چغے کی وضع کی ایک چیز بناتے ہیں کہ مینھ میں اوڑھ لیتے ہیں تو ذرا نہیں بھیگتے۔ جانوروں کو چارے کی طرح بھی کھلاتے ہیں، کیونکہ انہیں بہت بھاتے ہیں۔ دیکھتے ہی جھٹ کھا جاتے ہیں۔ پتے گل سڑ کر کھاد بھی بن جاتے ہیں۔ کھیتوں کے کام آتے ہیں۔

چاند

چاند کو کون نہیں جانتا ؟ اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سے کس کا جی خوش نہیں ہوتا ؟ گرمی کے دن، تڑاقے کی دھوپ، تن بدن میں آگ پھنکی ہوئی، سورج کے چھپتے ہی کیسی جان میں جان آگئی۔ پہاڑ سا دن کس طرح تڑپ تڑپ کر کاٹا ہے۔ اب ہوا میں کچھ کچھ خنکی آئی ہے تو ذرا کل پڑی ہے۔ رات سر پر چلی آتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے روشن کرنے کو پورا چاند بھی نکلتا آتا ہے۔ اس کی دھیمی چمک دمک کیا بھلی معلوم ہوتی ہے۔

ایسا کون شخص ہے جس نے چاند کو گھٹتے بڑھتے نہ دیکھا ہو؟ پہلی رات کو پتلا پھانک سا نظر آتا ہے۔ اسے ہلال کہتے ہیں۔ پھر روز بروز بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا چاند ہو جاتا ہے۔ اسے بدر کہتے ہیں۔ پھر گھٹنے لگتا ہے، آخر گھٹتے گھٹتے ایک دن دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اس گھٹاؤ بڑھاؤ کا سبب اگلی کتاب میں مفصل آئے گا۔ لیکن غور سے مطالعہ کروگے تو اس بیان سے بھی کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجائے گا۔

آؤ، چاند رات ہی سے شروع کریں۔ کدھر کو دیکھیں کہ نظر آئے؟ مغرب کی طرف جہاں ابھی سورج ڈوبا ہے، اس کے پاس ہی دیکھو۔ کیوں یہاں کیوں دیکھیں؟ بات یہ ہے کہ یہ نیا چاند سویرے مشرق میں نکلتا ہے اور دن بھر مغرب کی طرف چلتا معلوم ہوتا ہے۔ دن کو کبھی اتفاقاً دکھائی دے جاتا ہے، کیونکہ سورج کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے، اس میں دبا رہتا ہے۔ شمع بھی اگر دھوپ میں تھوڑی دور پر رکھی جائے تو اس کی لو بمشکل سے دکھائی دیتی ہے۔ مگر دور بین کے ذریعے سے دن کو بھی جب چاہو اس چاند کو دیکھ سکتے ہو۔ آگے آگے سورج معلوم ہوتا ہے، پیچھے پیچھے چاند، جب سورج چھپ جاتا ہے تو چاند مغرب میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ چاند پتلی پھانک سا نظر آتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں چھپ جاتا ہے۔ اب دوسرے دن صبح کو کوئی پون گھنٹے بعد نکلے گا۔ اور اسی واسطے شام تک اتنا رستہ طے نہیں کرے گا، جتنا کل کیا تھا۔ اسی لئے کل جہاں دکھائی دیا تھا آج وہاں سے کچھ اونچا ہوگا اور چونکہ ابھی رستہ زیادہ طے کرنا باقی ہے اس لئے کل کی نسبت آج دیر میں غروب ہوگا۔ دوسرے یہ بھی فرق ہوگا کہ آج کی پھانک کل سے بڑی ہوگی۔ اب چاند روز بروز دیر کرکے نکلا

کرے گا۔ اسی لئے جب شام کو مغرب کی طرف دیکھیں گے تو زیادہ ہی اونچا معلوم ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک دن مشرق اور مغرب کے بیچوں بیچ [1] سر پر دکھائی دے گا۔ یعنی جہاں ٹھیک دوپہر کو آفتاب ہوا کرتا ہے۔ اس وقت چاند آدھا دکھائی دے گا اور آدھی رات گئے چھپے گا۔

اس کے بعد بھی دن کو روز بروز دیر ہی کرکے نکلتا رہے گا، اور ہر روز شام کے وقت مشرق کے قریب ہوتا جائے گا اور آخر کار ایک وہ دن ہوگا، ادھر سورج مغرب میں ڈوبا ادھر چاند مشرق سے نکلا۔ اس روز پورا چاند ہوگا اور ساری رات دکھائی دے گا۔ صبح کو جس وقت سورج مشرق سے نکلے گا چاند مغرب میں چھپ جائے گا۔

پہلے تو چاند صبح کو دیر کرکے نکلتا تھا، اب شام کو روز بروز دیر کرکے نکلے گا اور ہر روز گھٹتا جائے گا۔ چند روز میں آدھا رہ جائے گا اور یہ آدھی رات کے قریب نکلے گا، مگر اب بھی دیر ہی کرکے نکلتا رہے گا، اور گھٹتے گھٹتے یہاں تک ہو جائے گا کہ ایک دن سورج نکلنے سے کچھ پہلے ایک پتلی سی پھانک مشرق سے نکلی ہوئی دکھائی دے گی،

۱۔ ''میں'' حشو اور غالباً سہو کتابت ہے۔ (ادارہ)

اور سورج نکلتے ہی نظر سے غائب ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ پھانک سورج نکلنے کے بعد اکثر نظر نہیں آتی مگر ہے آسمان ہی پر۔ اگر اس کو دوربین سے دیکھو تو مغرب کی طرف چلتی دکھائی دے گی؛ اور سورج سے پہلے مغرب میں پہنچ کر وہیں غروب ہو گی۔ پھر گھٹتے گھٹتے بہت باریک ہو جائے گی، آخر دکھائی بھی نہیں دے گی۔ اب چاند کئی رات نظر نہ آئے گا اور لوگ نہایت شوق سے نیا چاند دیکھنے کے منتظر رہیں گے۔

چاند گیند کی طرح گول ہے اور زمین سے ڈھائی لاکھ میل کے قریب دور ہے۔ جتنا نظر آتا ہے حقیقت میں اتنا نہیں بلکہ بہت بڑا ہے یعنی چھ ہزار میل کے قریب گھیرا ہے۔ تم بڑے حیران ہوگے کہ یہ اتنا بڑا ہے اور ہمیں چھوٹا سا کیوں نظر آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ دور سے ہر چیز چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔ دیکھو برج کتنے بڑے ہوتے ہیں اور ایک آدھ میل جا کر تارے سے نظر آنے لگتے ہیں۔ پتنگوں پر نگاہ کرو؛ اوپر جا کر کیسی چھوٹی سی دکھائی دیتی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چاند بہت ہی بڑا نہ ہوتا تو ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے سے بالکل دکھائی نہ دیتا۔

چاند میں داغ سے نظر آتے ہیں۔ جانتے ہو، کیا چیز ہے؟ شاید تم نے گھر کی عورتوں سے سنا ہو کہ چاند کی ماں بیٹھی چرخا کات رہی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ چاند کی ماں نہیں ہے، گھاٹیاں اور پہاڑ ہیں۔ یہ بڑی بڑی دور بینوں سے بخوبی نظر آتے ہیں۔ یہ بالکل خشک پڑے ہیں۔ نہ ان میں پھل اور پھول ہوتے ہیں نہ کسی قسم کے درخت یا گھاس۔ اس کا سبب یہ ہے کہ چاند میں پانی نہیں ہے، نہ وہاں سمندر ہے نہ جھیل، نہ ندی نالے، نہ مینھ برستا ہے، نہ بادل ہوتا ہے۔ اگر تم چاند میں جا بھی سکتے تو وہاں پہنچ کر ایک دم بھی جیتے نہ رہتے، کیونکہ وہاں ہوا بھی نہیں ہے۔

تصحیح اغلاط

اردو کی پہلی کتاب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
د	۱۵	تیرا	تیرنا
ر	۲۳	شیروانی	شیرانی
۱۶	۱۷	نہں	میں
۱۹	۷	فورا	فوراً
۳۴	۲	ا کیزہ	پا کیزہ
۳۴	۱۰	ا	یا
۴۳	۵	بہ	یہ
۷۱	۵	میں	(حذف)
۷۷	۸	کھلنڈرا	کھلنڈرا
۸۰	۱۳	رہ	رہا
۸۱	۱۳	ھر	بھر
۹۰	۴	کیہ	دیا
۹۲	۱	لکے	لگے
۹۲	۱۷	ن	(حذف)
۹۴	۸	بچانی	بچاتی

اردو کی دوسری کتاب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲	۸	چوڑیاں	چوریاں (واولین)
۵۱	۱۳	خوبی	خوبی
۷۸	۲	یلے	سیلے
۸۰	۴	حار	حال
۸۰	۱۳	صف	صاف
۸۰	۱۵	حانے	جانے
۸۰	۱۹	حو	جو
۸۱	۲	حی	جی
۸۲	۴	کہ	کہا
۸۲	۵	جنہ ب	جناب
۸۳	۱۵	جو	جوں
۸۳	۱۷	پڑ	پٹا

اردو کی تیسری کتاب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۱۰	ھدیوں	ھڈیوں
۲۲	۱۲	سہہ	سیہ
۴۵	۷	پڈری	پدڑی
۵۷	۱۵	گلای	گلابی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٦٤	١٢	گلای	گلابی
٨١	١٨	خوش	خوشبو
٩٢	٢١	حنوب	جنوب
١٢٤	٢١	دیکے	دیکھے

اردو کی چوتھی کتاب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٨	١٤	لمے	لمبے
٢٦	٢١	شرف	برف
٣٢	٥	کار	شدر
٣٣	٣	الوں	بالوں
٣٣	١٥	کری	کرتی
٣٩	١٩	چرلی	چربی
٣٩	٢٠	چرلی	چربی
٥١	٢١	اتک	ایک
٦٠	(عنوان)	سنکھی	سنگھنی
٦٢	٦	جانی	جاتی
٦٣	١١	پا	یا